مقامِ اشاعت:۔ کشمیری بازار۔ لاہور

ماہنامہ دلگداز لاہور
۱
۱۵ جولائی ۱۹۳۷ء
اسلامی ادبی تاریخی اور نسوانی
ماہنامہ
دلگداز لاہور
سالانہ
ششماہی
سہ ماہی
فی پرچہ
ادارۂ تحریر
جلد ۱
نمبر ۴
محمد عبدالمجید شمیم
مرزا محمد اسلم بیگ نسیم
محمد عبداللطیف سلیم
ح۔ ب صاحبہ
ص۔ ب شمیم
ہمشیرزادی حضرت جوش ملیح آبادی
مقام اشاعت
ماہ جولائی ۱۹۳۷ء
کشمیری بازار لاہور
باہتمام منشی محمد حسین بٹ پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر علی پرنٹنگ پریس ہسپتال روڈ لاہور میں چھپ کر دفتر ماہنامہ دلگداز کشمیری بازار لاہور سے شائع ہوا

عزت اور حکومت
مسرّت اور سلطنت
دین اور دنیا

میں سربلند اور کامگار ہونیوالو غفلت و جمود کی خوابگاہوں سے جاگو

اور

اپنی کرتوتوں سے اپنے بزرگوں کے کارہائے نمایاں کا مقابلہ کرو۔ اُن کی اسلام نوازی اور اپنی اسلام سے بیگانگت کے نتائج پر ایک نظر ڈالو۔ وہ صاحب وقار اور صاحب سلطنت تھے اور تم ذلیل و محکوم

آؤ دو روپے آٹھ آنے پر

تذکرۂ بہادرانِ اسلام

خریدیں اور پڑھکر سچے اور صالح مسلمانوں کے نقش قدم پر چلیں تاکہ

ہم انہی کی طرح پھر دنیا میں ایک بار ہلچل مچا دیں۔ اور وقت کی سب سے بڑی ضرورت

کے پیش نظر انگریزی بھی سیکھو۔ انگریزی سیکھنے کیلئے English by Speaking جو ہم نے نہایت عمدہ طریق پر تیار کرائی رکھی ہے۔ پڑھیں آپ دنوں میں انگریزی زبان کے ماہر ہو جائیں گے۔ قیمت ہر حصہ ۸عہ

دلگداز بکڈپو کشمیری بازار لاہور

ادبِ اردو کے جانباز خادموں اور دلگداز کے قدردانوں کے نام

"مدیر دلگداز" کی خاص گذارش

سلام مسنون:-

آپ پر یہ امر بخوبی روشن ہے کہ تہذیب نو کے دلفریب شگوفے نفیس نفیس کلیاں۔ خوش رنگ پھول اور فیشن کی نسیم سے تر و تازہ نازک پتیاں ہر کہ و مہ کو بلا امتیاز مذہب و ملت اپنی بہارِ حسن کے طلسمانہ اثرات سے اپنی طرف کھینچ رہی ہیں۔ سادہ دل مسلمان غلامانہ ماحول کی زنجیروں سے جکڑا ہوا، تعلیم دنیا میں ہمہ تن کھویا ہوا، نماز کا تارک۔ تلاوت قرآن سے غافل، روزہ سے بے پروا۔ غایتِ حج (سیر و تفریح رہ گئی ہے) سے بے نیاز۔ جہاد سے خالی اور زکوٰۃ سے بیگانہ دن بدن مفلس و ذلیل نظر آرہا ہے جس کی **اصلاح کی صرف ایک ہی تدبیر ہے** کہ ہر لیڈر۔ اخبار نویس۔ مولوی، مفتی، خطیب اور پڑھا لکھا انسان عقائد و جمود کو بیک وقت خیرباد کہکر حرکت عمل پر سختی سے پابند نظر آئے۔ اور ان اصول حسنہ کے احاطہ میں حیات مستعار کے شجر ناپائدار کو اسلام کی مقدس آب و ہوا سے پروان چڑھائے جسے ناکارہ اور فرسودہ سمجھکر آج اسے یہ روزِ بد دیکھنا پڑا۔

جس شغف اور انہماک سے غیر اسلامی مضامین کو مسلمانوں نے محض دنیاوی مراتب کے حصول کیلئے پڑھنا شروع کر رکھا ہے۔ اسی ذوق سے اگر اسلامی لٹریچر پڑھا جائے اور ساتھ توفیق عمل بھی ہو تو کوئی وجہ ایسی نظر نہیں آتی جو انہیں سربلند ہونے دے۔

ہم نے بیشتر مسلمانوں کو اسلامی تعلیم سے کورا دیکھکر ادب کے ساتھ ساتھ **تبلیغ مذہب** کے سلسلہ کو بھی جاری کر رکھا ہے ہمارے اس چھوٹے پرچے کو آپ دیکھکر بالیقین اسکی خریداری قبول فرمالیں گے اور آج ہی زرچندہ عہ بنام مینجر بھیج دیں گے

اسلئے کہ

ایک تو آپ وی۔پی کے زائد خرچ سے بچ جائیں گے اور دوسرے آپ کو ایک خاص رعایت مل جائیگی یعنی **دلگداز کا مصور سالنامہ** قیمتی عہ آپ کو بصورت مستقل خریدار ہونیکے ۸ زائد پر ملیگا اور غیر خریداروں کو عہ روپیہ پر مل سکیگا۔ **مصور سالنامہ کی خصوصیات** ہیں...... سب سے بڑی خصوصیت یہ ہوگی کہ مسلمانوں کو از سرِ نو درس اسلام پڑھایا جائے گا۔ اسلامی کلچر اور شعائر اسلام کی حفاظت کرنے کیلئے درس جہاد دیا جائے گا۔ ملک کے بلند پایہ عالم۔ فاضل علمائے کرام اور ادبائے عظام کے پراثر مقالے اور مضامین نظم و نثر درج ہوں گے۔

مصور سالنامہ دلگداز دنیائے مذہب و ادب میں اپنی مثال آپ ہوگا!

مفصل خصوصیات کے لئے ماہ اگست کا مضطربانہ انتظار فرمائیں +

(شمیم)

شذرات

(مرزا محمد اسلم بیگ نسیم)

مہاآتما یا وش بخیر کچھ دنوں تک تو گاندھی جی بھی ہندوستان کی عظیم ترین شخصیت، بہترین مفکر، سب سے بڑے مدبر اور آزادی کا دیوتا خیال کئے جاتے تھے اور ہمارے ہی مولانا ظفر علی خان تھے جو کہا کرتے تھے کہ گاندھی جی ہی ہندوستان کو آزادی دلا سکتے ہیں لیکن وہ جو کسی نے کہا ہے کہ انسان کی فطرت نہیں بدل سکتی تو غلط تو نہیں کہا۔ چنانچہ گاندھی جی نے بھی اپنی فطرت اور شخصیت کا بھانڈا خود ہی پھوڑا اور وارد ھا کے چوراہے میں پھوڑ دیا۔ کوئی پوچھے کہ حضرت اردو بیچاری نے آپ کو کونسی زک پہنچائی کہ آپ دن رات اسکے پیچھے لٹھ لے کر پھرنے لگے؟ اردو جب کتم عدم سے عالم وجود میں آئی تھی۔ تو اس میں مسلمانوں کا ہاتھ نہیں تھا۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے کئی سو سال سے کوئی تعمیری کام نہیں کیا۔ البتہ انکی بداعتدالیوں سے تخریبی کام بوجہ احسن پایہ تکمیل تک پہنچ جاتے ہیں اردو مسلمانوں کو باپ کی طرف سے وراثت میں نہیں ملی۔ ہندو اور مسلمانوں کے میل ملاپ نے نتیجے کے طور پر ترجمانی اور اتفاق کی جو شکل اختیار کرنا تھی وہ خود بخود اردو کی صورت میں ظاہر ہو۔ مسلمانوں نے اسکی ترقی میں اس مطمح نظر کے ماتحت کوئی حصہ نہیں لیا کہ اسکو مسلمانوں کی زبان بنا کر اس سے اشاعت و تبلیغ اسلام کا کام کیا جائے۔ انہوں نے اسکو سیدھی سادی آسان ترین اور مکمل ترین زبان سمجھکر اس کو اپنے گھروں میں، محافل میں، بازاروں میں رواج دینا شروع کیا اور یہ خود بخود پھیلتی گئی۔ اور ترقی کرتی گئی۔ جتنے کہ ہندوستان کے بیس بائیس کروڑ ہندوؤں میں سے ایک بہت بڑا حصہ اپنی ترجمانی سوائے اردو کے اور کسی زبان میں نہیں کر سکتا اس لئے ہم گاندھی جی کو یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ جس طرح مسلمانوں نے اسکو ترقی دینے کی کوشش نہیں کی اسی طرح اب بھی مسلمان اس کے تحفظ و بقا کے لئے عملی طور پر کچھ نہیں کر رہے لیکن فطری طور پر ہندوستانیوں کو ایک ایسی زبان کی ضرورت ہے جو ہندی جیسی غیر مانوس غیر فصیح اور غیر مکمل زبان سے بہت ہی بلند ہو اور جو ہندوستانیوں کے درمیان رشتۂ اخوت و مودت قائم کر سکے اس لئے خواہ آپ کتنے ہی ہندی اخبارات شائع کریں کروڑہا روپئے صرف کریں ہندی بھی سبھائیں بنائیں لیکن ہندوستانیوں کو جب تک ایسی زبان کی ضرورت ہے۔ اردو کا وجود ہندوستان سے نہیں مٹ سکتا کیونکہ اس کا قیام فطری طور پر ضروری اور لابدی ہے پھر آپکے سینے پر کیوں سانپ لوٹ رہا ہے۔ خدا نے چاہا تو اردو ان ہندوؤں کے ذریعے سے ہندوستان پر حکومت کرتی رہے گی جنکے قول و فعل میں زمین و آسمان کا فرق ہے

جو مدت سے ہندی ہندی کی رٹ لگاتے ہوئے ہانپ جاتے ہیں لیکن اردو کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔

اچھوتوں کا مسئلہ ہندوستان میں تمام مسائل سے اہم مسئلہ ہے۔ اچھوت ایک ایسی ہستی شمار کیا جاتا ہے جس کو انسانیت ملی ہی نہیں۔ جو پیدا ہی اسی لئے ہوا ہے کہ اونچ جاتیوں کے سپوتوں سے دور رہے اور جس کو زندگانی بھی اسی لئے ملی ہے کہ اونچ جاتیوں کا پیشاب پاخانہ صاف کرکے اُن کے جوتے سی کر ان سے دور دور رہ کر اور ان کی زندگی کی ضروریات کو پورا کرکے مر جائے یہ سب ہندو سماج اور ہندو تہذیب کی کمزوری اور خامی سے ہوا۔ اچھوتوں نے ہزارہا سال تک یہ ظلم برداشت کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ اسلام ہی ہمیں انسانیت اور مساوات کے حقوق دے سکتا ہے اسی میں ہم ذہنی اور روحانی طور پر اطمینان حاصل کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اچھوت دھڑا دھڑ مسلمان ہونا شروع ہو گئے لیکن بھلا "مہاتما" کب یہ دیکھ سکتی تھی۔ اس نے دیکھا کہ اگر مسلمان آٹھ کروڑ کی بجائے سولہ کروڑ ہو گئے تو ہندوؤں کو تو ہندوستان سے ہی نکال دینگے۔ چنانچہ یہ آزادی کا دیوتا میدان میں آ دھمکا اور کہنے لگا کہ جہاں تک اچھوت کا تعلق ہے مسلمانوں کو اس مسئلہ سے بالکل علیحدہ رہنا چاہئے۔ کیونکہ اس سے ہندو مسلمانوں میں سر پھٹول کا خدشہ ہے۔ ہندو خود ہی اچھوتوں کی شکایات کو رفع کرینگے لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ بیس سال کے عرصے میں ہندوؤں نے اچھوت کو کیا مراعات دے دیں اور ان کو کتنی مذہبی آزادی عطا کی اس کا مطلب یہ ہے کہ ہندو خواہ کتنا ہی فراخدل۔ اتحاد پسند اور وطنی آزادی کا خواہاں ہونے کا دعویدار ہو وہ کبھی بھی فرقہ پرستی اور مسلم دشمنی سے پاک نہیں ہو سکتا۔ اچھوتوں کو جوتے پڑتے ہوئے دیکھ کر وہ نہایت مسرور ہوتا ہے۔ لیکن یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتا کہ ایک اچھوت بھی مسلمان ہو کر اطمینان و آرام کی سانس لے سکے۔

ان ہر دو نمونے کے حالات کے پیش نظر ان آزاد خیال اور قومیت و اسلامیت سے بالاتر مسلمانوں کو شرم سے ڈوب مرنا چاہیئے۔ جو ہندوؤں کی مکروہ چالوں کو دیکھنے کے باوجود مسلمانوں کو کانگرس میں شامل ہونے کی دعوت دے رہے ہیں اور گاندھی جی کو اب بھی "مہاتما" اور ہندوستان کا سب سے بڑا بزرگ کہے جا رہے ہیں۔

ڈاکٹر کے ایم اشرف

کانگرس کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ اس نے دنیا کے سب سے بڑے دہریہ ڈاکٹر اشرف کو آل انڈیا کانگرس کے شعبہ اسلامیات کا انچارج مقرر کر دیا۔ غور کیجئے مسلمان تو آج تک مذہب کے سہارے اور مذہب کے نام پر جی رہے ہیں کیا ان پر یہ ظلم نہیں اور کیا یہ مسلمانوں کی کھلی توہین نہیں کہ ایک لامذہب بے اصول اور قوم فروش آدمی کو شعبہ اسلامیات کا انچارج مقرر کر دیا جائے۔ پنڈت نہرو خود بہت بڑے لامذہب ہیں لیکن معاف فرمائیے ایسے لامذہب آدمی ہندوؤں میں ہی رہ کر لیڈر بن سکتے ہیں مسلمانوں میں بے مذہب لیڈر کے لئے کوئی جگہ نہیں اور کانگرس نے ڈاکٹر صاحب کو یہ عہدہ دے کر خود ہی اپنے پاؤں پہ کلہاڑا مارا ہے ڈاکٹر صاحب جہاں بھی جاتے ہیں اس چیز کا اظہار بڑی شد و مد سے کرتے ہیں کہ "مذہب ہی آزادی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے" لاہور میں بھی آپ تشریف لائے تو اسی قسم کی خرافات مسلمانوں کو سننا پڑیں۔ مسلمانوں کو مذہب اتنا عزیز ہے کہ وہ اسکے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سن سکتے

بھلا ڈاکٹر صاحب کو وہ کیسے اپنا لیڈر مان لیتے چنانچہ تمام مسلمان کانگرس کو اور ڈاکٹر صاحب کو صلواتیں سناتے ہوئے واپس آئے۔ اب مسلمانوں کو خود ہی سوچنا چاہئے کہ آیا کانگرس نے ایک مذہب فروش آدمی کو آل انڈیا کانگرس کے شعبہ اسلامیات کا انچارج مقرر کر کے انصاف کا ثبوت دیا ہے۔ اور مولانا ظفر علی خان کے مقابلے میں ایک ملکہ پرست اور کاسہ لیس ازلی کو کھڑا کر کے انسانیت کے سر پر ضرب کاری نہیں لگائی؟

کانگرس کی شکست

ہندوستان کے مایۂ ناز عدیم النظیر ادیب مولانا ظفر علی خان کے منتخب ہو جانے اور مسٹر عبدالعزیز کے دستبردار ہو جانے سے کانگرس کے وقار کو پنجاب میں عموماً اور لاہور میں خصوصاً وہ ٹھوکر لگی ہے جس کی تلافی دس سال تک نہیں ہو سکتی۔ اب کانگرس کو کبھی مسلمانوں کے منہ آنے کی جرأت نہیں ہو گی اور یہ واقعہ سینہ پلیوں جیسے مہاسبھائی عزائم رکھنے والوں اور مسلمان کا خون مسلمان کی لاٹھی سے بہانے والوں کے لئے سرمۂ چشم بصیرت ہے ان لوگوں کو آئندہ عبرت حاصل ہونی چاہئے اور مسلمانوں کے اندرونی مقاصد میں خواہ مخواہ ٹانگ نہیں اڑانی چاہئے یہ شکست کانگرس کو آئندہ کے لئے درس ہدایت دینے کے لئے کافی ہے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ مسلمانوں کو کانگرس میں شامل نہیں ہونا چاہئے اور حکومت کے ساتھ ملکر وطن فروش بن جانا چاہئے لیکن جب تک کانگرس مسلمانوں کو کوئی اطمینان نہیں دیتی اور اپنی ہٹ پر قائم ہے ہم مسلمانوں کو کانگرس میں شامل ہونے کا مشورہ بھی نہیں دے سکتے۔ کانگرس میں شامل ہونا چاہئے اور ضرور ہونا چاہئے لیکن اس وقت تک نہیں جب تک کانگرس پر چھائے ہوئے لوگوں کا دماغ درست نہیں ہو جاتا

محسنین دلگداز کی توجہ کے قابل

نظم و نثر لکھنے والے حضرات کو ان دو امور کو کبھی فراموش نہ کرنا چاہئے۔

(۱) مضمون ہو افسانہ، نظم یا غزل مختصر ہونی چاہئے طویل مضامین بالعموم غیر موثر اور بے نتیجہ ہوتے ہیں۔ شاذ و نادر کوئی کارآمد اور مفید ہوتا ہے۔ نیز بخوف طوالت پڑھنے والے گھبرا جاتے ہیں اور بعض تو تضیع اوقات سمجھتے ہیں۔

(۲) اسلامی مضامین میں بالخصوص ایسی نظائر اور تمثیلات درج کرنی چاہئیں جو مقدسین اسلام کے اخلاق، عادات اطوار۔ انصاف۔ رحم۔ محبت۔ ہمدردی۔ خداپرستی عظمت رسول۔ جہاد۔ صوم و صلوٰۃ۔ زکوٰۃ۔ مدنیت وغیرہ کا درس دے۔ تاریخ اسلام اور رسول پاک صلعم کی ساری زندگی سے اس قسم کے واقعات کثیر تعداد میں لئے جا سکتے ہیں

ازامیر اے لطیف

"دلگداز" کا سالنامہ

عنقریب ترتیب دیا جائے گا۔ انشاء پردازان ملک سے نہایت ادب سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ اپنے اپنے جواہر پارے (جن پر برائے سالنامہ ضرور لکھا ہونا چاہئے۔) آج ہی سے بنام مدیر "دلگداز" ارسال فرمانے شروع کر دیں۔ اور

جن حضرات کے بلاک موجود ہوں وہ ازراہ کرم اپنے مضامین کے ہمراہ بھیجدیں۔

مضامین خوشخط اور صاف ہونے چاہئیں +

مشتہرین حضرات کو بھی اپنے اپنے اشتہارات کے لئے جملہ استفسارات کی ابھی سے تسلی کرلینی چاہیے۔ اور موزوں جگہ ریزرو کرا لینی چاہیے۔ نرخنامہ اشتہارات خط لکھ کر دفتر سے منگوا لیجئے۔

ایجنٹ حضرات کو بھی حسب ضرورت یعنی صحیح تعداد بکری کا اندازہ کرکے آرڈر دینا ہوگا۔ پرچہ جات واپس نہیں لئے جائیں گے۔

تبادلہ و ریویو جن موقر اخبارات و رسائل کے دفاتر میں "دلگداز" بغرض تبادلہ و ریویو مسلسل پہنچ رہا ہے اور جو حضرات بوجہ عدیم الفرصتی تاحال اس خوشگوار فرض کی ادائیگی سے سبکدوش نہیں ہوسکے انہیں ہی اولین فرصت میں اس طرف متوجہ ہونا چاہیے۔

معزز معاصرین کی اتنی لمبی خاموشی فرائض صحافت کے منافی نہیں تو اچھی بھی نہیں ہے۔ جن معاصرین نے تبادلہ میں پرچے بھیجنے منظور فرمالئے ہیں۔ ہم بہ صمیم قلب ان کے شکرگذار ہیں +

گمشدگی

(از اح۔ ب)

محترمہ بہن انیس منظور ہزاروی صاحبہ کا ایک مضمون بعنوان "انتظار" دلگداز ماہ جون میں طبع ہوا تھا۔ جس کے ساتھ آپ کا ایک مختصر مکتوب بھی تھا اور اس مکتوب پر آپکا مکمل ایڈریس نہ تھا۔ وہ باوجود تلاش کرنے کے نہیں مل سکا لہذا مجبوری آپ کو ماہ جون کا رسالہ بھی نہیں بھیجا گیا اگر کسی بہن کو موصوفہ کا مکمل پتہ معلوم ہو تو وہ ازراہ عنایت اس سلسلہ میں میری مدد فرمائیں۔ یا اگر موصوفہ کے خجستہ ہاتھوں تک کسی ذریعے سے یہ پرچہ پہنچ جائے تو وہ فی الفور بذات خود میری مشکل کا حل بھیجدیں۔

"ڈپٹی مجسٹریٹ" اس نمبر میں ایک افسانہ جا رہا ہے جو میری قابل قدر بہن انور سلطانہ ماہرخ کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے۔ آپ مشہور ترین انشا پرداز ہیں آپ شروع سے دلگداز نوازی میں اس طرح ہماری معاونت فرما رہی ہیں کہ در اصل ہمارے پاس شکرگذاری کے لئے الفاظ ہی نہیں۔ امید ہے کہ آپ سالنامہ نمبر میں خصوصیت سے حصہ لینے کے لئے فرصت نکال سکینگی

گذارش ہماری بعض بہنیں ہماری مشکلات کم کرنے کے لئے کوشاں رہتی ہیں اور بعض اضافہ کرنے پر مصر ہیں اپنی ان بہنوں کو جو پرانا اور مطبوعہ کلام بھیج دیتی ہیں۔ یہ واضح کردینا چاہتی ہوں کہ اگر وہ میرا وقت ضائع کرنا ہی مناسب سمجھتی ہیں تو وہ کوئی اور طریقہ اختیار کریں تو مناسب ہوگا۔

آج تک جن بہنوں کا "مطبوعہ کلام" چھاپ دیا گیا ہے ان کی عزت اور احترام کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ازراہ نوازش وہ آئندہ مطبوعہ کلام بھیجنے کی بجائے ہمیشہ کیلئے خاموشی اختیار کرلیں تو مناسب ہوگا۔

فہرست مضامین

جلد (۱) مقامِ اشاعت:۔ کشمیری بازار لاہور نمبر (۴)

مہتمم اعلیٰ الشیخ نیاز احمد نیاز

نمبر شمار	مضمون	صاحب مضمون	نمبر صفحہ
۱	گذارش	مدیر	۳
۲	شذرات	مدیران	۴
	اسلامیات		
۳	میں تیری پناہ میں آتا ہوں	جناب معقول عالم بی اے	۱۱
۴	کرامات	جناب مولانا محمد ادریس	۱۵
۵	دعا	اعلیحضرت والی ٹونک	۱۷
	اقتصادیات		
۶	مسلمانی تجارت	مولانا قلقل مشرقی	۱۸
۷	اقتصادی مشکلات	مدیر "عارف"	۲۰
	ادبیات		
۸	اردو	جناب حکیم محمود علیخان ماہر	۲۵
۹	حسیات	خان اصغر حسین خان نظیر	۲۸
۱۰	الموسیقی	مولانا سید اولاد حسین صاحب	۲۹
۱۱	شانِ تغزل	لالہ نند کشور اگگر وکیل	۳۰
۱۲	تفکرات دنیا	ایم۔ اسلم صاحب بہاولپوری	۳۱
۱۳	ایک ساعت	مدیر معاون	۳۴
۱۴	مثلث	حکیم محمود علیخاں صاحب	۳۵
۱۵	حجامت	ملک شمس بی اے	۳۷
۱۶	زمزمہ تغزل	حضرت سیماب	۴۰
۱۷	ہمدردی	مدیر معاون	۴۱
۱۸	پان والی	جناب ارشاد احمد	۴۷
۱۹	آئینہ غم دل	مدیر "کامیاب"	۵۰
۲۰	موٹر والی	مدیر معاون	۵۲
۲۱	جذبات الفت	جانشین مولانا شرر	۵۷
۲۲	ایک خاص خط کی نقل	مولانا محمد نقی	۵۹
۲۳	تہذیب نو	مدیر	۶۰
۲۴	کیف بہار	سید ضیا صاحب جعفری	۶۴
	نسائیات		
۲۵	صالحات	مدیر و مدیرہ	۶۵
۲۶	مکاتیب	خواتین	۶۷
۲۷	سٹی مجسٹریٹ	جنابہ انور سلطانہ	۶۸
۲۸	آغوشِ مادر	بیگیس صاحبہ	۷۲
۲۹	غریب ماں کا امیر بیٹا	مدیرہ	۷۳
۳۰	دستکاری	محترمہ محمودہ بیگم صاحبہ	۷۶
۳۱	نقد و نظر	مدیر	۷۷
۳۲	اشتہارات	مشتہرین	۷۹

اسلامیات

حقائق القرآن

مذہبِ عشق از ہمہ ملت جدا ست
عاشقاں را مذہب و ملت خدا ست

(گذشتہ سے پیوستہ)

مضمون الفاظ سورہ

(۲) "وہ اللہ ہے" یعنی جس کی ہم بندگی کرتے ہیں۔ وہ اللہ ہے قرآن پاک نے اس مقدس نام (اللہ) کا مفہوم اچھی طرح بیان کر دیا ہے۔ چنانچہ اس کلمہ سے مسلمانوں کے نزدیک وہ ذات پاک مراد ہے۔ جسمیں تمام کمالات اور محاسن جمع ہیں اور تمام نقائص سے پاک ہے۔ اسکے معنی تو کیا اسکے برابر بھی کوئی نہیں اور یہ معانی خود اس کلمہ میں مضمر ہیں اور اکثر مواقع پر قرآن پاک نے بعد اسم اللہ کے بطور شرح کے ایسے اسما کا ذکر کر دیا ہے۔

اگر کسی دہری کو شبہ ہو کہ یہ مفہوم کیا ثبوت ہے کہ وجود بھی رکھتا ہے! یہ تمہارا اپنا بنایا ہوا خیال ہے۔ ایسی کوئی ذات نہیں جو تمام صفاتِ کمال کی جامع ہو تو ہم اس سے کہیں گے کہ یہ مفہوم قرآن کی مختلف آیتوں سے لیا گیا ہے۔ جن میں اس دعویٰ کے دلائل بھی موجود ہیں! یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ ہمارا معبود وہ ہے جو جامع صفات کاملہ ہے۔ اور اس سے جو ضروری نتیجے نکلتے ہیں۔ ان پر آگاہ کرنا ہے۔ پس اسم مقدس کے ساتھ خیال کمال لازم ہے اور چونکہ قرآن پاک میں اس اسم کی شرح میں دلائل کا ذکر بھی موجود ہے تو ہمارے دل میں یہ کلمۂ مقدس ان تمام دلائل کو بھی حاوی ہے۔ جو اسکے ساتھ مذکور ہیں لیکن تاکہ عذر ناقہمی باقی نہ رہ جائے اس اسم مقدس کے بعد بطور تفصیل کے وہ صفات

بیان کئے ہیں جن سے یہ شبہ اور دیگر شکوک بھی بالکل دور ہو جاتے ہیں"

(۹) نہ صرف عرب بلکہ اکثر اقوام کے نزدیک ایک سب سے بڑے معبود کا خیال تھا۔ اگرچہ انہی سے اس کی بڑائی کا جو پاس کرنا چاہئے لحاظ نہ رکھنے سے شرک میں مبتلا ہوگئے تھے (اور یہی خیال ان پر سبقت الہی ہے کہ ان کی عقل کیوں الٹی ہوگئی۔ کہ باوجود اقرار کمال الوہیت و تسلیم خدائے مطلق اس کی درگاہ میں دوسرے کا بھی دخل سمجھتے ہیں۔ عاجزی اور فروتنی جو لازمۂ عبودیت و مخلوقیت ہے اسے بھول کر بعض بندگان خدا کو پوجنے لگتے ہیں۔ گویا یہ بندگی کی حد سے اوپر ہیں) پس عامہ عرب اس اسم مقدس اللہ کے مفہوم سے بالکل ناآشنا نہ تھے۔ البتہ اسکے اس مفہوم کی وسعت و گہرائی سے غافل تھے اور اسلئے اس سے دور جا پڑے تھے۔ قرآن نے اس مفہوم کو اچھی طرح پر ظاہر کر دیا اور بتا دیا کہ اسکے لوازم سے غفلت کرنا درحقیقت اس کا انکار کرنا ہے جب اسطرح سے مفہوم اس مقدس نام کا معلوم ہو چکا تو بتایا گیا کہ وہ جسے ہم پوجتے ہیں۔ اللہ ہے۔ پس یہ ایک کلمہ ہزار کلمہ کے برابر ہو گیا۔ مثلاً اگر یہ بتا دیا گیا ہو کہ بادشاہ کے یہ یہ اوصاف ہیں تو کسی کو اس کہنے کی جگہ کہ وہ چنیں اور چناں ہے یہ ایک لفظ کہہ دینا کافی ہے کہ وہ بادشاہ ہے)۔

ضرورت تفصیل معنی "اللہ"

اگرچہ جہاں غلطی سے بچانا یا کسی بات کو زیادہ دلنشیں کرنا ہوتا ہے وہاں اجمال کے بعد تفصیل مفید ہوتی ہے اور چونکہ توریت اور انجیل میں خدا کے صفات مذکور تھے باایں ہمہ نصاریٰ غلطی میں پڑ گئے اور اسی طرح مشرکین بھی خدا کو سب سے اعلیٰ مانتے تھے۔ پھر بھی فرشتوں کو اسکے ساتھ برابر کا نہ سہی تو چھوٹے درجہ کا شریک بناتے تھے۔

اس تفصیل کی سخت ضرورت تھی۔ نیز اس تفصیل کا ایک بڑا فائدہ یہ تھا کہ ان کو معلوم ہو کہ وہ حقیقت خدا کو نہیں پوجتے اور محض جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں تاکہ وہ متنبہ ہوں کہ شرک نے ان کو بالکل خدا سے منقطع کر دیا چنانچہ اسی مضمون کو ان سے بوقت ہجرت اور قطع تعلق کے کہا گیا (سورہ قل یا ایہا الکافرون میں اس کی بحث ہے) کہ تمہارا خدا اور ہے اور ہمارا خدا اور۔ اب یہاں یہ کہہ دینے سے کہ ہمارا معبود اللہ ہے ظاہر کر دیا کہ جو لوگ دوسرا معبود رکھتے ہیں اس بات کو واضح کرنے کے لئے کہ وہ محبت الہی سے بالکل محروم ہیں۔ اسم مقدس کے مفہوم کو مفصل ادا کیا تاکہ وہ اپنی حماقت کو سمجھکر راہ راست پر آویں یہی وجہ ہے کہ یہاں وہ اسلوب بیان اختیار کیا جو غلطیوں کو براہ راست دور کرتا ہے۔ پس اگر خیالات باطلہ سے قطع نظر کی جائے تو صرف هوالله کافی ہے۔ اس سورہ کا مرکز یہی ہے اگرچہ اس کا ہر فقرہ دلربا ہے۔　　(باقی باقی)

رباعی

موج یم الفت میں بہا جاتا ہوں
میں بارِ محبت سے دبا جاتا ہوں
کیا چاشنی درد ہے اللہ اللہ!
میں درد کی لذت پہ مرا جاتا ہوں

(سید فاتح غازی [illegible])

میں تیری پناہ میں آتا ہوں

جناب محمد معقول عالم بی اے منشی فاضل نارووالی

اے جملہ صفات حسنہ کی مالک، ذات پاک!
ہمارے ہر کام اور ہر فعل کی ابتدا
تیری عین مرضی اور خوشنودی کے مطابق ہو
کیونکہ
اگر ہم تیرے احکام کے خلاف
کوئی فعل یا کوئی حرکت کریں۔
جو سراسر قانونِ فطرت کی خلاف ورزی اور انسانیت
و تہذیب اور اخلاق سے بعید ہے۔
تو یہ یقیناً ہماری ہلاکت کا موجب ہوگا۔
مگر تو
ہرگز
ہماری اس ہلاکت پر خوش نہیں ہوگا
کیونکہ
تُو تو ہمارا خیر خواہ ہے اور مہربان
اور مہربان بھی ایسا
کہ ہم اگر تیرے خلاف بھی چلیں۔
تو تُو اپنی ہوا، پانی، سورج اور چاند تک کو ہم سے نہیں پھیرتا
اور
بار بار ہمیں اپنی مہربانیوں، رحمتوں اور نعمتوں سے نوازتا
رہتا ہے۔

---

(۱)

سو آئے! وہ اے ذات اقدس!
جو اندھیروں کو چاک کر کے روشنی نمودار کرتی ہے۔
مشکلات کے کالے بادلوں کو چیر کر کامیابی کی ٹھنڈی
شعاعیں برساتی ہے۔
کفر و عصیان، ظلم و طغیان کی تاریکیوں کو فنا کر کے نورِ
عرفان اور اخلاقِ فاضلہ سے قلوب منور کرتی ہے
"میں تیری پناہ میں آتا ہوں"

تو مجھے پناہ دے
من حیث المجموعی اپنی تمام پیدا کردہ چیزوں کی مضرتوں سے
جو وہ پہنچا سکتی ہیں
یا —— ہمارے راستہ میں رکاوٹ کا باعث ہو سکتی ہیں

یعنی

تاریک رات کے حملہ آلام سے
جبکہ اس کی خوفناک سیاہ چادر
دنیا اور دنیا والوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے
اور اس کے پردے میں
وہ تمام بے ہنگم کاموں کے کام سرانجام دئیے جاتے ہیں
اور وہ تمام بدمعاش اں
قتل و خونریزی، ڈاکہ و چوری، عصمت دری و

عصمت فروشی
جو دن بصورتِ نہ تکمیل رہیں
بالآخر تکمیل پا جاتی ہیں
کہ جن پہ پشیمان ہونا نہیں سماتا
"میں تیری پناہ میں آتا ہوں"

نیز ان تمام مشکلات کی تاریکیوں سے بھی
جو ہمارے نیک عزائم کے راستے میں
سدِ راہ بن جاتی ہیں
اور منزل مقصود تک پہنچنے سے ڈراتی ہیں
"میں تیری پناہ میں آتا ہوں"

اور ان تمام مخالفین کی مخالفتوں سے بھی
جو ہمارے بنے بنائے کام کو بگاڑنا چاہتے ہیں
اور اپنی بے بنیاد پھونکوں سے
نورِ یزدانی کو گُل کرنا چاہتے ہیں۔
"میں تیری پناہ میں آتا ہوں"

پھر جب کوئی شیطانی تدبیر کارگر نہیں ہوتی
اور کامیابی کے انوار نمودار ہو جاتے ہیں
تو ان تمام حاسدوں کے گروہ سے
جو کسی کے لئے بھی بھلائی پسند نہیں کرتے
اور ہر ممکن ایذا پہنچانے سے نہیں چوکتے
"میں تیری پناہ میں آتا ہوں"

اسلئے اے تاریکی کو پھاڑ کر نور کے پیدا کرنے والے رَبّ
الفلق
جملہ تاریکیوں کے علی الرغم
مجھے اپنی پناہ میں لے کر
قَدْ اَفْلَحَ کا نغمۂ جانفزا سنا کر
سرمدی مسرتوں سے
سرفراز فرما

---

(۲)

اے دنیا جہان کے پیدا کرنے والے
اے تمام قوموں کے حاکم اعلیٰ
اے جملہ انسانوں کے حقیقی مطلوب و محبوب
"میں تیری پناہ میں آتا ہوں"

اُن خطرات اور وساوس سے
جو ——
وہ راندۂ ازلی خناس
وہ آدم اور اسکی ذریت کا بدترین دشمن
انسانی قلوب میں ڈالتا ہے
اور پھر پیچھے ہٹ جاتا ہے۔
جس کی مثال
سطح آب کے وہ دائرے ہیں
جو پتھر پھینکنے سے پیدا ہوتے ہیں
اور تالاب کے چاروں کناروں سے ٹکرا جاتے ہیں
پھر تیسرا پھر چوتھا پتھر —— علیٰ ہذا القیاس
نئے دائرے پیدا ہو کر
اسکے سکون کو منتشر و برباد کر دیتے ہیں

"میں تیری پناہ میں آتا ہوں"

اَے لعین خنّاس!

اَے بستیٔ دل کے حملہ آور

اپنی ساری، جن و انس کی ملعون ذریت کیساتھ

تو نے بہتوں سے (سب کو چھڑا کر)

دوسروں کو پروردہ اور مربی منوایا

تو نے بہتوں کو اس شاہ حقیقی سے روگردان کر کے

دوسروں کی غلامی میں جکڑوایا،

تو نے بہتوں کا اس محبوب حقیقی، آفریدگار عشق و محبت،

خالق حسن و جمال

سزاوار صد ستائش، مستحق جمیع عبادات سے رشتہ

تڑوا کر حب زر و سیم، خواہش مال و بنین، تمنائے شہرت و تمکین

اور سب سے بڑھ کر

اس کا فرادا، سیمیں بدن، ناز پیکر ساحرہ

"حوا کی بیٹی" ...... کے حسن زاہد فریب پر مفتون کروایا

سو

اَے رب الناس

میرا تیرے سوا کوئی پرورش کرنے والا نہ ہو۔

اَے ملک الناس

میرا تیرے سوا کوئی حاکم نہ ہو۔

اَے الٰہ الناس

میرا تیرے سوا کوئی محبوب و مطلوب نہ ہو

آمین

(آزاد ترجمہ)

(سورۃ الفلق ۔ والناس الفرقان)

سُوْرَۃُ الْفَلَقِ مَکِیَّۃٌ وَھِیَ خَمْسُ اٰیَاتٍ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ — اللہ بے انتہا رحم والے، بار بار رحم کرنے والے کے نام

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۔ — کہہ میں صبح کے رب کی پناہ مانگتا ہوں

مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۔ — ہر چیز کی شر سے، جو اس نے پیدا کی

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۔ — اور تاریک رات کی شر سے جبکہ تاریکی چھا جائے

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ۔ — اور عزیمتوں میں پھونکنے والی کی شر سے

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۔ — اور حسد کرنیوالے کی شر سے جب وہ حسد کرے

سُورۃ النّاس مکیۃ وھی ست آیات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞
اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۞
کہہ میں لوگوں کے رب کی پناہ مانگتا ہوں

مَلِكِ النَّاسِ ۞
لوگوں کے بادشاہ کی

اِلٰهِ النَّاسِ ۞
لوگوں کے معبود کی

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۞ الْخَنَّاسِ ۞
پیچھے ہٹ جانیوالے کے وسوسہ کی شر

الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۞
جو لوگوں کے سینوں میں وسوسے ڈالتا ہے

مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۞
جنوں اور انسانوں میں سے۔

(جناب مقبول عالم صاحب)

کرامات

مولانا محمد اویس صاحب ندوی

علمائے اہل سنت والجماعت کرامات اولیاء کے بالاتفاق قائل ہیں لیکن وہ اسکو دلیل ولایت یا شرائط و لوازم ولایت میں سے نہیں سمجھتے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات جلد اول ص ۱۲۵ میں لکھتے ہیں۔

ظہور خوارق از ارکان ولایت ست نہ از شرائط آں۔

اپنے مکتوبات میں دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔

وبداند کہ ظہور خوارق وکرامات شرط ولایت نیست

اصل یہ ہے کہ طالبان خدا جب راہ سلوک میں قدم رکھتے ہیں۔ تو ان کے ساتھ امداد خداوندی مختلف صورتوں سے شامل ہو جاتی ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ سعی وطلب میں ہمت فزائی اور تحریص وترغیب کے لئے بعض آثار قدرت کا اُن پر ظہور ہوتا ہے کبھی قوت یقین کے لئے اُن سے غیر معمولی واقعات ظاہر کرا دئے جاتے ہیں چنانچہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ عوارف میں فرماتے ہیں۔

والحکمۃ فیہ ان یزداد بما یری من خوارق العادات وآثار القدرۃ یقینا فیقوی عزمہ علی الزھد فی الدنیا والخروج من دواعی الھوی

(ترجمہ) اور اس میں حکمت یہ ہے کہ خوارق عادات اور آثار قدرت کے مشاہدہ سے یقین میں زیادتی ہو تاکہ زہد فی الدنیا اور خواہشات سے نکلنے پر اس کا عزم قوی ہو۔

اب اگر طالب خدا نے اسی کشف وکرامت کو اپنا معراج کمال سمجھنا شروع کر دیا اور اسکی کوئی وقعت ذہن میں قائم ہو گئی تو یقیناً اس نے دھوکا کھایا۔ اسلئے کہ محققین صوفیہ نے تصریح کی ہے کہ کرامات بسا اوقات سالک کے لئے ایک قسم کا حجاب بن جاتی ہیں۔ سید الطائفہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ غنیۃ الطالبین میں لکھتے ہیں۔

اذھی حجابۃ عن ربہ مالم یصل الی اللہ عزوجل

(ترجمہ) تاوقتیکہ وصول الی اللہ میسر نہ آ جائے کرامت خدا سے حجاب ہے۔

شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے کرامات کی دو قسمیں بتلائی ہیں ایک کرامت عوام جسکو عوام کرامت سمجھتے ہوں۔ دوسرے کرامت خواص جسکو خاصان خدا کرامت جانتے ہوں۔ عوام جسکو کرامت کہتے ہیں اس سے مراد خرق عادات ہے اور خواص کے نزدیک خدا کی اس عنایت کا نام ہے جو کسی بندے پر اس شکل میں نمودار ہو کہ طاعات الٰہیہ میں خلوت وجلوت ہیں دونوں میں یکساں لطف میسر آنے لگے جمیع حالات میں تسلیم ورضا کی قوت پیدا ہو جائے اور اللہ کی جانب سے سعادت ابدیہ کی بشارتیں نصیب ہوں۔

کرامت عوام کی وقعت خاصان خدا کے نزدیک کیا ہے؟ اسکو حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ کی زبان سے سنئے۔ فرماتے ہیں۔

واما ھذہ التی تسمی عند العوام کرامۃ فالرجال

الغوامن ملاحظہا لمشارکۃ المستدراج المحکوریۃ ویکونہ معاوضۃ فیخافوان یکون خط عملھم لان الحظوا محلہا الدار الآخرۃ فاذا عجل منہا نزعمنا ان یکون خط عملنا وقد وردت ھذلک آثار وانی یعمہ الخوف مع الکرامۃ فاذن لیست بکرامۃ عندنا۔

(ترجمہ) اور یہ جسکو عوام کرامت کہتے ہیں اہل اللہ نے اسکی طرف نظر تک نہیں اٹھائی ہے اس سبب سے کہ (ایسے واقعات کے ظہور میں) وہ مستدرج اور محکور کا شریک ہے اور چونکہ (ایسے اعمال کا ظہور) اسکے اعمال کا معاوضہ ہیں پس اہل اللہ ڈرتے ہیں کہ یہ اعمال اسکا معاوضہ عمل نہ ہو جائیں اسلئے کہ جزاء اعمال کا محل تو دار آخرت ہے۔ پس اگر یہیں دنیا میں عمل کی جزا مل جائے تو (یوم جزا میں محرومی کا اندیشہ ہے) اور اس بارے میں آثار موجود ہیں (اور جبکہ اس شخص کو خوف بھی لاحق ہے) تو خوف کرامت کے ساتھ درست نہیں ہوتا ہے لہذا ہمارے نزدیک یہ کرامت نہیں ہے۔

اور یہ بھی سمجھنے کی بات ہے کہ محض خوارق عادات کا ظہور دلیل صدق ولایت نہیں ہے کیونکہ خوارق عادات کے ظہور کا تعلق کبھی اسباب طبیعی کے ماتحت بھی ہوتا ہے۔ جن ارباب معقول نے خوارق عادات کے جواز کو تسلیم کیا ہے انہوں نے صرف اسباب طبیعی کے ماتحت ہی اسکو قبول کیا ہے شیخ الرئیس بوعلی سینا نے اشارات کے آخر میں ایک مستقل باب مقامات العارفین کے نام قائم کیا ہے جسمیں خرق عادات کو اسباب طبیعی کے ماتحت قرار دیا ہے پس کسی شخص کو محض کرامات اور خوارق عادات کے ظہور کی بنا پر ولی قرار نہیں دیا جا سکتا تاوقتیکہ اسکے حالات پر نظر نہ کی جائے اور یہ نہ دیکھ لیا جائے کہ وہ اللہ کے مقرر کردہ راستوں پر چلتا ہے یا نہیں؟ کتاب وسنت کا وہ متبع ہے یا نہیں؟ اگر وہ شخص قول و عمل۔ ظاہر و باطن اور اعتقاد کے لحاظ سے پابند شرع اسلام ہے تو بے شک وہ اللہ کا ولی کہلانے کا مستحق ہے اور اگر وہ شریعت کا پابند نہیں ہے تو اس سے خواہ کیسے ہی عجائب وغرائب کیوں نہ ظاہر ہوں وہ ہرگز صاحب ولایت نہیں ہو سکتا۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں لکھتے ہیں:

ان الذی استقر عند العامۃ ان خرق العادۃ یدل علی من وقع لہ ذلک من اولیاء اللہ وھو .... لا فلا الخ

(ترجمہ) عوام کے قلوب میں یہ بات جم گئی ہے کہ جسکو خرق عادت ہو وہ ولی ہے (حالانکہ) یہ غلط ہے کیونکہ خرق عادت کبھی ساحر سے اور کاہن وغیرہ سے بھی ہوتی ہے تو جو لوگ خرق عادت کو ولایت اولیاء کی دلیل مانتے ہیں ان کو ان دونوں میں کسی فرق کی ضرورت ہے اور بہتر یہ ہے کہ جسکو خرق عادت ہو اس کے احوال کا مطالعہ کیا جائے اگر وہ اوامر و نواہی شرعیہ کا پابند ہے تو یہ خرق عادت علامت ولایت ہے ورنہ نہیں۔

حضرت خواجہ محمد معصوم اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں:

وکسیکہ خود بر مسند شیخ گرفتہ است وعمل او .... درکار خانہ اندازد۔

(ترجمہ) جو شخص کہ مسند شیخ پر رونق افروز ہے لیکن اس کا عمل حضور رسول اللہ کی سنت کے موافق ہے اور نہ وہ پابند شریعت ہے اس سے دور رہو بلکہ جس شہر میں وہ شخص ہے اس شہر میں نہ رہو کہ مبادا تمہارا دل اسکی طرف متوجہ ہو اور ایک عظیم خلل پیدا ہو۔

چند سطور کے بعد پھر لکھتے ہیں:

متہاون آداب نبوی و تارک سنن مصطفوی .... شرکت دارند۔

(ترجمہ) آداب نبوی کا متہاون اور سنت نبوی کے چھوڑنے والے کو ہرگز عارف مت خیال کرو۔ اسکی گوشہ نشینی اور ترک تعلقات اور خوارق عادات کے فریفتہ نہ ہو اسکے زہد و توکل اور معارف توحید کے شیفتہ مت ہو کیونکہ فرقہ باطلہ مثلاً یہود و نصاریٰ جوگی اور برہمن وغیرہ بھی تھوڑے فرق کے ساتھ ان امور میں شرکت رکھتے ہیں۔

اس کے بعد ارشاد فرماتے ہیں

مدار کار بر اتباع شریعت است و معاملہ نجات مربوط باقتضائے آثر رسول اللہ

ترجمہ۔ مدار کار اتباع شریعت پر ہے اور نجات کا معاملہ اتباع محمد سے متعلق ہے۔

الغرض

ولایت کا حقیقی معیار اتباع سنت ہے۔ جو متبع سنت ہے وہی اللہ کا ولی ہے اور جو شخص شریعت سے غافل اور کشف و کرامات کا شیفتہ ہے وہ حقیقت سے ناواقف ہے۔

دُعا

نادر افکار اعلیحضرت والیٔ ٹونک ایک اچھوتا نہ

خارِ عصیاں میں الٰہی نہ پھنسانا دامن | چھو سکے دستِ ستمگار نہ میرا دامن
مہرباں پا کے اُسے ہو گیا سائل گستاخ | دستِ اکرام کو جیب دیکھا تو پھیلا دامن
ہے چمن بندِ گلستانِ کرم کا جو کرم | گلِ مقصود کا خالی نہ رہیگا دامن
آ سکے دستِ سیہ رُخ نہ مجھ تک یا رب! | نام لیں سب مرے دامن کا اچھوتا دامن

ہے تو ہی مالک و مختار نظر ہے تجھ پر

دستِ بدکار سے تو میرا بچانا دامن

مسلمانی تجارت

مولانا قلقل شربتی کے اپنے قلم سے

مسلمان بھی دنیا میں ایک قوم ہیں اور بہت بڑی قوم ہیں ان کی تاریخ بڑی تاریخ ہے۔ ان کے کارنامے بڑے کارنامے ہیں۔ یہ جب کچھ کرنے پہ آتے ہیں تو ان کے سامنے مشکلوں کے پہاڑ بھربھرے گردنیں جھکا دیتے ہیں بلکہ چوڑے سمندر اپنی موجوں اور روانیوں سمیت ان کی پیراکی کے سامنے آب آب ہوجاتے ہیں۔ ہنسنا۔ کھیلنا۔ عشرت و راحت سے زندگی بسر کرنا اور بے فکروں کی لمبی نیند سونا ان پر ختم ہے۔

نیاز بیگ ایک ایسا مسلمان ہے جو اپنے روایتی دیہات میں بڑا باتیں بنانے والا اور صحیح معنوں میں خوش رہنے والا انسان ہے۔ کچھ سال سے ملازمت سے الگ ہو کر آرام اور بیکاری کی روٹیوں سے موٹا تازہ ہو رہا ہے۔ اتفاق سے وہ مجھے ملا تو میں نے کہا یار آج کل نوکریوں کا ملنا تو ایسا ہے جیسے وصال یار کا خیال خام۔ مگر بہشت جہنم یعنی تنور شکم بھرے بغیر گذارہ ہو نہیں سکتا۔ اور نہ مجھ کا دو پیسے روز خرچے بغیر زندہ رہنا آسان ہے نہ اس چار دیواری کا احاطہ۔ حجرہ اور کمرہ صحن پیش صفوں اور بیت الخلا کا کرایہ دئے بغیر چھٹکارا ہو سکتا ہے۔ پھر کچھ پیداوار کی فکر کرنی چاہیئے۔

نیاز بیگ نے کہا میں بھی دن رات۔ رات دن اسی فکر میں کبھی چھکن پہلوان کے اکھاڑے۔ کبھی بڑے نمبردار کے دائرے اور کبھی چھجن میاں کے بڑے کوئیں پر آموں کے درختوں کے نیچے یا آڑو فروش چھبر کے اڈے پر بیٹھ کر سوچا کرتا ہوں۔ مگر ابھی تک کوئی حسب منشا تجویز نہیں سوجھی۔ ایک اور ایک گیارہ۔ اب دونوں مل کر کچھ نہ کچھ کمائی کا راستہ نکال ہی لیں گے

میں نے کہا یار خربوزوں۔ آموں اور آڑوؤں کا موسم ہے۔ ان میں سے کوئی چیز منڈی سے لے آئیں اور چل پھر کر بھاگ دوڑ کر۔ آوازیں لگا لگا کر۔ گلا پھاڑ پھاڑ کر۔ چیخ چیخ کر اور چلا چلا کر کچھ تو کما ہی لیا کریں گے

نیاز بیگ نے کہا کہ برف اور شربت کا بھی تو موسم ہے۔

میں نے کہا ایک آدھ ہفتہ خربوزے لگا دیکھیں کچھ فائدے کی صورت نکل آئی تو بہتر ورنہ شربت شیرہ ہی سہی۔

نیاز بیگ نے کچھ بیگم کی چاندی کی چوڑیاں گرو رکھیں اور میں تو تھا ہی ننگ دھڑنگ میں نے مہر مٹنے کی منت

کی اور تین چار روپے قرض اٹھائے۔ ادھر نیاز بیگ بھی پانچ چھ روپے لے آیا۔ ہم دونوں جب منڈی کی طرف گئے تو ہماری معتبر بلیشی مونچھیں سرمایہ داروں کے غرور اور گھمنڈ کو شرما رہی تھیں۔ بڑے تپاک اور پریم سے ہم دونوں منڈی پہنچے۔

منڈی پُر رونق تھی۔ خواہ مخواہ کھوے سے کھوا چھلتا تھا۔ گاہکوں بولی دینے والوں کے چہروں پر مسرتیں کھیل رہی تھیں۔

ایک نے کہا "آیئے چودھری صاحب کیا چاہئے سب کچھ آپ ہی کا ہے۔ ہم آپ ہی کے تو نوکر ہیں"۔

نیاز بیگ "ہے کیا تمہارے پاس سیٹھ صاحب۔

سیٹھ "آم۔ آڑو۔ خربوزہ۔ تربوز۔ ایسے اور کوئی جو چاہیئے حاضر ہے"۔

میں "کدھر ہے؟"

سیٹھ "وہ سب انبار قطار در قطار اپنے ہی تو ہیں"۔

نیاز بیگ "چلو بھئی چلو جلدی جلدی کچھ خرید لیں"

میں "چلو"

جب ہم نے سارا مال اچھی طرح دیکھ لیا تو سیٹھ نے پوچھا کیا لو گے۔ نیاز بیگ بولا صرف ایک ٹوکرا آموں کا

سیٹھ۔ تم بیوپاری ہو۔ چور ہو یا کوتوال

نیاز بیگ۔ بس بے بس۔ یہ مال ہے یا بھوسہ۔ اگر اچھا ہوتا تو ہم سارا مال خرید لیتے۔ تمہارا مال ہی اس قابل نہیں —— ہاں بس وہی ایک آموں کا ٹوکرا ہے۔ جو اس کا مول ہو تو لو۔

سیٹھ۔ دس روپے

میں اور نیاز بیگ اتنے زور سے کہ پاس کے خریدو فروخت کرنے والے لوگ بھی ہماری طرف دیکھنے لگے۔

سیٹھ۔ تم لوگ کہاں کے رہنے والے ہو کون سا دیس ہے تمہارا تمہارے آدمی ہونے میں بھی مجھے شک گزر رہا ہے۔ سبزی خریدنے آئے ہو یا ٹھٹھا کرنے آخر تم ہو کون۔

نیاز بیگ۔ ابے! ابے کے بچے ہم زیادہ باتیں نہیں سنا جانتے۔ ایک بار جو کہہ دیا وہ پتھر پر لکیر کی مانند ہو گیا۔ لینا ہے تو لے نہیں تو منڈی ناپ' اور ٹاپ'

میں نے چودھری نیاز بیگ کو کھینچا اور آگے بڑھا۔ ایک جگہ آموں کی ٹوکری چھ روپے پر نیلام ہو رہی تھی۔ میں نے موقعہ کو غنیمت جان کر آؤ دیکھا نہ تاؤ جھٹ آٹھ روپے کی آواز لگا دی۔

جب وہ ہماری ہو چکی تو ایک شریف آدمی نے آکر کہا کہ آپ نے آج منڈی آنے کی بسم اللہ کی ہے۔

نیاز بیگ ہاں! ہاں! مگر تمہارا کیا مطلب ہے؟

وہی شخص۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لاٹری کا روپیہ باندھے پھرتے ہو۔ بھلے مانس! یہ سودا مہنگا ہے۔ چھ روپے کا مال آٹھ روپے میں خریدنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟

نیاز بیگ۔ یار واپس کرا دو کمیشن لے لینا۔

وہی شخص (ہنس کر) کبھی ایسا بھی ہوا ہے۔

نیاز بیگ۔ آج تو لے جاؤ۔ آئندہ کاٹھ کے الو بننا

میں نے نیاز بیگ سے کہا گزشت آنچہ گزشت"

نیاز بیگ۔ مقدر کی بات ہے!

میں۔ یار گر گر کر ہی انسان سنبھلتے ہیں۔

نیاز بیگ۔ اچھا جو ہونا تھا ہوا۔

ہم ٹوکری لے کر گھر پہنچے۔ اور ٹوکری کو بڑی احتیاط سے ہم نے کھولا۔ ہمارے بچے بھی آگئے اور چودھری نیاز کے بھی۔

ٹوکری میں سے تین قسم کے آم نکلے اسلئے تین ڈھیریاں لگادی گئیں۔

نیاز بیگ۔ میرا خیال ہے کہ نصف نصف کرلیں۔

میں۔ نہیں یار!

——— قسم اول کے آم تو میرے خیال میں بچوں کو دے دیں اور قسم دوسری اور تیسری کے بیچ ڈالیں۔ روز روز ہم نے تھوڑی سوداگری کرنی ہے۔

یہ سنتے ہی بچوں نے شور مچانا شروع کردیا۔ یکایک وہ سب جھپٹے مارنے لگے۔

نیاز بیگ۔ یار ہندو تو بچا کچھا سودا کھاتے ہیں اور ہم سارے کا سارا نیا نو لیا آج پہلے ہی دن ایسا کریں۔

میں۔ یار ہم ہندو تھوڑے ہیں۔ اگر ہم اُن جیسے ہوتے تو پھر آج بادشاہ کون ہوتا ——— او عقل کے اندھے ہم! نہ انگریز ہوتا نہ ہندو، ہم ہوتے اور عیش۔

دیکھ نرگس۔ بادشاہ کتنے مزے میں ہے۔ بالکل ہم بھی ویسے ہی ہوتے۔

نیاز بیگ نے برابر برابر آم بانٹ دیئے۔ سب مزے لے لے کر کھانے لگے مگر دوپہر ہو چکی تھی۔ جب تین بجے تو دونوں نے ٹوکریاں سروں پر رکھیں اور رات کے ۱۰ بجے تک بیچتے پھرے مگر بڑی مشقت سے دونوں نے ۲ روپے کمائے۔ اب لگے لڑنے اور دھینگا مشتی کرنے۔

مگر سچ ہے کہ "آب رفتہ بجو نمی آید"

اقتصادی مشکلات

از:- مولانا عبدالرحمٰن شوق امرتسری مدیر "عارف"

ہم برادر مکرم مولانا شوق کے ازحد ممنون ہیں کہ آپ باوجود اپنی مصروفیات کے "دلگداز نوازی" بھی ایک اہم فریضہ سمجھتے ہیں اور ناظرین دلگداز کو بھی مسلسل اپنے افکار و مقالات سے استفادہ کرنے کی دعوت دیتے رہتے ہیں۔ خدا کرے۔ آپ کی یہ قلمی اعانت دلگداز کی حیاتِ دوام تک جاری و ساری رہے۔ آمین!

(مدیر)

یہ کیسی عجیب بات ہے کہ ہر ایک انسان کو اقتصادی مشکلات کی شکایت تو ہے لیکن کوئی اس کو دور کرنے کی کوشش نہیں کرتا حالانکہ اقتصادی مشکلات کے رفع کرنے کے اسباب میں بہت بڑا سبب انسان کی معاشرت سے وابستہ ہے اور ہر انسان کا طریق معاشرت اپنے اختیار میں ہے۔ بات تو کچھ مہمل اور فرسودہ سی معلوم ہوتی ہے لیکن کہا جا سکتا ہے کہ اقتصادیات کو کفایت سے ایسا ہی تعلق ہے جیسا کہ گوشت کو پوست سے۔

دیگر مذاہب کی مکمل تعلیم سے تو میں ناواقف ہوں۔ لیکن الدین الفطرت الاسلام کے بعض احکام الٰہی انسان کے دینی و دنیوی تعلقات کے متعلق یہی ہیں کہ انسان کے وہ اعمال ہی عمل صالحہ اور آسایش زندگی کا باعث ہیں جو عدل و توازن کے مطابق ہوں۔ برخلاف اسکے جو اعمال بے محل اور حد اعتدال

شمع رسالت کے پروانوں کو مژدہ

اسلام اور بانیٔ اسلام کی حقانیت و صداقت کا اعتراف

ایک غیر مسلم کے قلم سے

عرب کا چاند

اپنی گوناگوں ظاہری و باطنی دلاویزیوں اور تاریخی۔ مذہبی اور ادبی خوبیوں کے علاوہ اس لحاظ سے زیادہ قابل قدر ہے۔ کہ ایک ہندو کے قلم سے ایسے عقیدت کیشانہ رنگ میں لکھی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انوار اسلام سے اسکا دل و دماغ منور ہو رہا تھا۔ اسے پڑھکر حضورؐ کی مکی اور مدنی زندگی کے مقدس لمحات اپنی پوری تقدس آمیز رعنائیوں کے ساتھ متشکل ہو جاتے ہیں۔ حضورؐ کی ولادت۔ بچپن۔ بعثت۔ ہجرت۔ غزوات اور وصال کے متعلق تاریخ عالم کی روشنی میں حقیقت افروز استدلال اور نظائر و بصائر روایت و درایت سے کام لیتے ہوئے غیر جانبدارانہ طور پر بحث کی گئی ہے۔ ہدیہ صرف عار علاوہ محصول ڈاک

دلگداز بکڈپو کشمیری بازار لاہور

سے باہر ہوں وہ انسان کے لئے سبب مشکلات اور مستوجب سزا ہیں۔ جیسے کہ اسراف و تبذیر۔

اسراف کے معنی ہیں زیادہ خرچ کرنے کے یعنی جس چیز پر جتنی مقدار میں خرچ کرنے سے کام چل جائے اس مقدار سے زیادہ خرچ کرنا۔

اور تبذیر کے معنی ہیں بے موقعہ بغیر ضرورت اور ایسا فضول خرچ کرنا جیسے کہ روپیہ کو کسی کنوئیں یا تالاب میں پھینک دینا۔

ایسے بے محل بے موقعہ قانون عدل و فطرت کے خلاف اقتصادی مشکلات کا بھی باعث ہیں۔ چنانچہ جو انسان اپنے طریق معاشرت میں حد اعتدال سے باہر نہ ہو وہ یقیناً اقتصادی مشکلات میں مبتلا نہیں ہو سکتا اور اگر تمام لوگ اپنے طرز معاشرت میں کفایت شعاری پر عمل کریں تو ملک بھر کی اقتصادی حالت بہتر ہو سکتی ہے۔

میں نے گزشتہ سطور میں کہیں پہلے ہی عرض کر دیا ہے کہ اقتصادیات اور کفایت کا موازنہ بظاہر کچھ سہل سا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن بعض اوقات ایک سہل بات بھی بڑے کام کی ہو جاتی ہے اور جس طرح بعض دفعہ آسان بات بھی مشکل معلوم ہوتی ہے۔ یا کسی معمولی بات کی کچھ وقعت نہیں سمجھی جاتی اسی طرح ضروریات زندگی میں اسراف و تبذیر کرنا اور اقتصادی مشکلات اور اپنے طریق معاشرت میں کفایت کو مدنظر رکھنا ان مشکلات کو آسان کرنے کا سبب ہے۔

ہر شخص جانتا ہے کہ ضروریات زندگی کا مصرف اسکے اپنے ہاتھ میں ہے۔ ساتھ ہی اس کے اس بات کا بھی سب کو علم ہے کہ ہر شخص اپنی آمدن کے مطابق اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات زندگی پوری کرنے پر مجبور ہے۔ خواہ کیسی ہی مشکل سے زندگی بسر ہو لیکن ہو جاتی ہے لیکن سب سے مشکل تو یہ ہے کہ پچھتر فیصدی لوگ ایسے ہیں۔ جو اپنی ماہانہ آمدنی کے مطابق اپنی ضروریات زندگی کے اخراجات میں کفایت کو مدنظر نہیں رکھتے بلکہ ضروریات زندگی اور لباس و آسائش میں اسراف کے مرتکب ہو کر ملک کی اقتصادی مشکلات کا نہ سہی ان مشکلات کے بہت سے بڑے سبب۔ کا باعث ہو رہے ہیں اور اس اسراف کی محرک اکثر وہ مسرف عورتیں ہیں جو شاید خورد و نوش میں تو اسراف کی مرتکب ثابت نہ ہوں مگر مغربی تقلید تمدن یا مشرقی رؤسا و امرا کے طریق معاشرت کی تقلید میں لباس و آسائش میں اسقدر مسرف واقع ہوئی ہیں کہ ان پر تنبیہ کی حد قائم ہو سکتی ہے۔

موجودہ فیشن پرست مستورات کے اس اسراف کی تفصیل و توضیح کی اس لئے ضرورت نہیں کہ جس طرح ہر شخص ان کے موجودہ اسراف سے واقف ہے اسی طرح یہ بھی جانتا ہے کہ چار یا پانچ آنے فی گز قسم کے کپڑے سے جب لباس کی ضرورت اور خوبصورتی قائم ہو سکتی ہے تو اسی ضرورت کے لئے چار پانچ روپے فی گز کا کپڑا کیا اسراف نہیں ہے۔

غرضیکہ اقتصادیات کو تعلق ہے روپے سے اور روپیہ جمع ہوتا ہے کفایت سے لہذا جبکہ پچھتر فیصدی لوگ اپنی آمدنی

کے مطابق اپنے اخراجات میں اعتدال قائم نہیں رکھ سکتے۔ تو قانون عدل و فطرت کیخلاف اقتصادی حالات درست ہونیکی توقع کیونکر رکھ سکتے ہیں۔

اُردُو

نوشتہ خانصاحب حکیم محمود علی خان ماہر اکبرابادی دہلی

ہندوستان جنت نشان کی سہاگن دلھن اردو کو سات[1] سہاگنوں (عربی۔ فارسی۔ ترکی۔ پشتو۔ سنسکرت۔ پرتگالی اور فرانسیسی) نے ملکر شبھ گھڑی میں عروسی جوڑا پہنایا۔ اس دلھن کی سہاگ کی رات تو مہاراجہ بکرما جیت کے دورِ حکومت سے شروع ہوئی اور ان کے مبارک ہاتھ نے اسکی مانگ میں سیندور بھرا۔ اور اس کی شادی کا سہرا ان کے درباری شاعر چند کوی نے لکھا۔ پھر یہ لاڈلی دلھن سلاطین غوری۔ خلجی۔ لودھی اور مغل بادشاہوں کی علم نواز گودوں میں کھیلتی اور پرورش پاتی رہی۔

اکبر اعظم نے اکبر آباد (آگرہ) کے قلعہ معلیٰ کے اردو بازار کی باادب سہاگن اردو کو نئے لباس سے ملبوس کرکے بڑی دلھن (اردوئے معلیٰ) کے خطاب سے سرفراز کیا۔ اور یہ بھاگ بھری سہاگن مغلیہ دور میں خوب پروان چڑھی۔ اس کی سانولی سلونی صورت نے عربی۔ ہندی۔ ترکی۔ ایرانی۔ افغانی۔ پرتگالی اور فرانسیسی نوجوانوں کو اپنا ایسا گرویدہ کیا کہ یہ اپنی مادری زبان کو بھول گئے اور اس شیریں زبان کے چٹخارے لینے لگے۔

خیال تھا کہ مغلیہ حکومت کے ساتھ ساتھ اس ادب کی دلہن کے آفتابی چہرہ پر ادبار کی گھٹائیں چھا جائیں گی اور اس کی زندگی کا چراغ بھی گل ہو جائے گا۔ مگر اس کی دلفریب ادائیں گورنمنٹ برطانیہ کو بھی بھائیں اور اس کا سکہ اپنے قلمرو میں جاری کرکے علم دوستی اور ادب نوازی کا ثبوت دیا۔

مہاراجہ بکرما جیت نے ایسی شبھ گھڑی سے اردو کی روشنی ہنڈی جاری کی تھی کہ آج تک یہ ہندوستان بلکہ بیرونِ ہند تک میں کھرے سکے کی طرح جاری ہے اور یہ ہمیشہ جاری رہیگی جب تک اس کی سپوت اولادیں (اردو تصانیف اور تالیفات) دنیا میں موجود ہیں۔

ادب شعار عروس اردو کا زیور نظم اور نثر اور اس کا پاکیزہ لباس حکمت۔ ادب۔ مذہب الغرض تمام علمی شعبوں کا مجموعہ ہے جس سے اس کو مزین اور مرتب کیا گیا ہے۔ اور اسکی سکونت کے لئے تمام مہذب دنیا کے علمی ادبی ادارے ہیں اور اس کے سفیر اخبار اور رسائل ہیں جو اس کی شیریں کلامی کا قصیدہ پڑھا کرتے ہیں۔ ہندوستانیوں کو اردو بیگم کی ادائیں ایسی بھائی ہیں کہ اسکے نام پر علمی ادارے اور انجمنیں قائم ہیں۔ جہاں اس کے گن گانے والے اسکی مدح سرائی میں مصروف رہتے ہیں۔

---

[1] عام ماخذ کے لحاظ سے سات کی تحقیق تھی ورنہ اردو میں ان زبانوں کے علاوہ مختلف زبانیں شامل ہیں۔

اردو تو ادبی دنیا (ہندوستان) کا روشن چاند ہے۔ اسکی
درخشندہ پیشانی سے علمی اور ادبی شعاعیں لمعہ افگن ہوتیں۔
اور اس کی خوبیوں نے اس کو تمام ہندوستان کی مشترکہ زبان
بنا ہی دیا گو کہ ہندوستان میں دو سو چھپن زبانیں (مردم
شماری کی تازہ رپورٹ سے پتہ چلتا ہے) بولی جاتی ہیں۔ مگر
یہ فخر اردو کو ہی حاصل ہے کہ ہندوستان کے مشرق سے مغرب
تک اور جنوب سے شمال تک اسکے بولنے اور سمجھنے والے
موجود ہیں۔ اور اس کی ہمہ گیری کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ برطانیہ
روسی۔ جاپانی اور افغانی اور ترکی حکومتوں نے اردو کی تعلیم کو
اپنے مدارس میں اس لئے جاری کیا ہے کہ اردو چونکہ ہندوستان
کی مشترکہ زبان ہے۔ اس کے ذریعہ کاروباری سہولتیں پیدا ہو
سکیں۔

اردو کا رسم الخط عربی (شاخ قرآموز) فارسی سے ماخوذ
ہے اور یہ جس سرعت سے لکھی جاتی ہے۔ اس کی نظیر ہندوستان
کی دوسری زبانوں میں نہیں ہے اور یہ فی نفسہ شارٹ ہینڈ
(مختصر نگاری) کا درجہ رکھتی ہے

ہندوستان کے مشہور راجہ بکرماجیت کے عہد حکومت
(چھپن سال قبل مسیح) میں ان کے درباری شاعر چند کوی نے
"پرتھی راج راسا" کے نام سے جو کتاب لکھی تھی وہ سب سے
قدیم اردو یا ہندی پراکرت (بھاشا میں عربی فارسی الفاظ
دخیل ہو گئے تھے) میں تھی۔ اکثر مورخوں نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ
محمود غزنوی کے حملوں کے بعد ہندوستان کے بڑے بڑے
شہروں میں اردو مروج ہو چکی تھی۔ لیکن شہاب الدین غوری کے
عہد ۱۱۹۱ء میں پراکرت نے بھاشا (برج بھاشا یا ہندی
یا غیر فصیح اردو) کا لباس پہن لیا تھا۔ اور خلجی سلاطین کے عہد
حکومت میں اردو میں فصاحت پیدا ہو گئی تھی جس کا ثبوت
حضرت امیر خسروؒ المتوفی ۱۲۲۵ھ کی تصانیف سے ملتا ہے
بہلول لودھی کے عہد (۱۴۵۱ء) میں ہندوؤں خصوصاً
کایستھوں نے فارسی اور اردو میں بڑی ترقی کی اور شاہی
دفاتر میں جلیل القدر عہدوں پر فائز ہوئے اور اسی زمانہ میں
ہندی (بھاشا) میں عربی فارسی کے الفاظ بکثرت دخیل
ہونے لگے۔ چنانچہ اس زمانہ کی تصانیف مثلاً کبیر داس تلسی
کے دوہرے اور گورونانک صاحب کا کلام اور بابا تلسی اس
کی رامائن سے پتہ چلتا ہے۔

شاہ بابر خصوصاً جلال الدین محمد اکبر اعظم کے عہد میں
دار السلطنت اکبر آباد (آگرہ) کے قلعہ معلّے میں مردانہ اور
زنانہ بازار لگتا تھا۔ اس بازار کا نام اردو تھا۔ اس میں شاہی
عمائد ہندی۔ ترکی۔ ایرانی۔ عرب۔ افغانی وغیرہ خرید و فروخت
کرتے تھے۔ اور اس بازار میں مخلوط شدہ زبانیں مستعمل
تھیں جس کا نام اردو ہوا اور قلعہ معلّے کے تعلیمی سلسلہ میں
اس لشکری زبان کا نام اردوئے معلّے رکھا گیا۔ یہاں تک کہ
یہ بازار اردوئے معلّے کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اس بازار
کی رونق عہد جہانگیری میں بھی قائم تھی اور شاہجہان کے عہد میں
بھی دلّی (دہلی) کے قلعہ معلّے کی زبان (اردوئے معلّے) ترقی کر
کے شہری زبان بن گئی۔ پرتگالی اور فرانسیسی زبان کے الفاظ
بھی اسمیں مخلوط ہو گئے۔ کیونکہ اکثر پرتگالی اور فرانسیسی ہندوستان
میں بغرض تجارت اور ملازمت آ گئے تھے۔

گورنمنٹ برطانیہ کے عہد میں بھی آج تک یہ عام اور
مشترکہ زبان اردو مروج ہے۔ بلکہ گورنمنٹ برطانیہ کے حکومت
کے ابتدائی دور میں مسٹر فرگسن اور جنرل ولیم پاٹرک کا لغات
اردو کی خاص تصانیف میں شمار ہے جو بمقام لندن ۱۷۷۳ء
اور ۱۷۹۰ء میں شائع ہوئی تھیں۔ اس کے بعد انیسویں

صدی عیسوی میں بمقام کلکتہ (دارالسلطنت ہند) فورٹ ولیم میں اردو کا بیت الحکمت قائم ہوا۔ اور ڈاکٹر جان گلگرسٹ اس کے سیکریٹری مقرر ہوئے۔ انہوں نے ہندوستان کے مایہ ناز ادیب جمع کر کے اردو کی بہترین تصانیف تیار اور طبع کرائیں ۱۸۳۵ء میں شاہی دفتروں میں فارسی کی بجائے اردو مروج ہو گئی اور مدارس میں بھی اردو کی تعلیم عام جاری ہو گئی۔

عہدِ برطانیہ میں اکثر انگریزی الفاظ بھی اردو میں دخیل ہو گئے ہیں اردو کی ایک بڑی خصوصیت ہے کہ اس میں ہر زبان کے الفاظ اس طرح جذب ہو گئے ہیں جیسے کسی جڑاؤ چندن ہار میں جواہرات مناسب طور پر جڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ہندوستان کے ہندو مسلم اکابر علما مشائخ پنڈتوں اور شعرا نے بھی اردو میں مذہبی کتب تصنیف ترجمہ اور تالیف کیں اور آج بھی اردو ہی ایک عام اور مشترکہ زبان ہے بعض ناعاقبت اندیش لوگوں کا یہ غلط خیال ہے کہ اردو کو خواہ مخواہ مسلمانوں کی زبان بنا کر اس کج بحثی سے ملک کی فضا کو خراب کرتے ہیں۔ جب اس اردو کو عروسی لباس سے آراستہ کیا گیا تھا۔ تو اس وقت بھی ہندوستان کے ہندو مسلم بلکہ غیر ممالک سے آئے ہوئے لوگوں نے مل جل کر ترتیب دیا تھا۔ اسلئے اردو ہی ہندوستان کی مشترکہ اور عام زبان ہے اور رہیگی۔

رباعیات

مصورِ جذبات سید ضیا جعفری صدر دائرہ ادبیہ پشاور

تاثراتِ نغمہ

تارِ رگِ جاں ملی ہوئی ہے
یا دل کی فغاں ملی ہوئی ہے
بربط میں تڑپ رہے ہیں نغمے
تاروں کو زباں ملی ہوئی ہے

طلوعِ سحر

جاگا وہ افق صبح نمودار ہوئی
زینت دہ باغ و راغ و کہسار ہوئی
ڈوبی ہوئی شب بھر سے وہ نبضِ دریا
موجوں کا سفینہ لئے بیدار ہوئی

[1] افسوس ہے اس مباحثہ میں مہاتما گاندھی اور مالویہ جیسی ہستیاں بھی شریک ہیں۔ اور اردو کے فنا کرنے کیلئے ہندی سبھائیں قائم ہو رہی ہیں

حیات

از جناب خان اصغر حسین خان نظیر گورنمنٹ کالج لدھیانہ

عاشق نے ترے در پہ ہے بیٹھ کے کیا کرنا
جاں تجھ پہ لٹا دینا سر تجھ پہ فدا کرنا

زندان محبت سے مجھکو نہ رہا کرنا
اور اس کے سوا سب کچھ اے میرے خدا کرنا

آسان ہے آدم کا جنت سے نکلوانا
مجھ کو ترے کوچے سے مشکل ہے جدا کرنا

تم دل میں چلے آؤ داغوں سے فروزاں ہے
پھولوں میں پھرا کرنا پردے میں رہا کرنا

عشق اور وفا دونوں بیکار ہوئے رُسوا
تھا حُسن کو دنیا میں آئینہ نما کرنا

تقدیر کا مارا ہوں، اِک دھندلا ستارا ہوں
مجھ سے نہ کمی کوئی اے اہلِ جفا کرنا

گہ آگ میں ڈالا ہے گہ دار پہ کھینچا ہے
گردوں نے کیا کیا ہے تم اس سے سوا کرنا

اقوال محبت کے، افعال عداوت کے
ہونٹوں سے بھلا کہنا ہاتھوں سے بُرا کرنا

جنت تو تری یارب ہے مزد عبادت کی
رحمت کی تمنا میں سیکھے ہیں خطا کرنا

لب پر بھی ترا قابو، دل پر بھی ترا جادو
جو تو نے کہا کہنا جو تو نے کہا کرنا

اقبال نہیں سمجھا یہ شہرِ خموشاں ہے
بیدار نہ سوتوں کو اے بانگ درا کرنا

سو بار اجابت نے در کھولا نظیر اپنا
لیکن دل عاشق نے چاہا نہ دعا کرنا

الموسیقی

مولانا مولوی سید اولاد حسین شاداں بلگرامی سینئر پروفیسر اورینٹل کالج لاہور

ہمہ عالم صدائے نغمۂ اوست

کہ شنید این چنین صدائے دراز

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ فرمائیں دلگداز نمبر ۲ و نمبر ۱)

(دیکھو شکل مندرجہ ذیل)

کہ فی الحال ان کے معانی سے علی العموم ناواقفیت ہے نتیجہ یہ ہے کہ اصول اصوات جو بیس ہیں کہ یہی اب ایران میں گام کہلاتے ہیں جن کے فروع نو سو سے اوپر پہنچتے ہیں۔ بعد ازاں ابونصر فارابی استاد معروف صفی الدین عبدالمومن المتوفی ۱۲۹۴ء نے اپنے رسالہ مسمی بہ کتاب ادوار میں جسے اپنے شاگرد خواجہ بہاء الدین کے لئے لکھا ہے جو ایلخان پسر ہلاکو کی طرف سے عراق کا گورنر تھا بہت اس فن کے سہل بنانے کی کوشش کی ہے اور تعلقات مخارج صدا کی بنیاد پردہ ہائے تار کے موافق ہیں تا ہنگ اصل پر رکھی ہے اور ہر آہنگ کے آٹھ حصے متساوی کئے ہیں جن کا مجموعہ چوبیس پردے ہوتا ہے اور ہر پردہ کے پھر تین حصے کئے ہیں اس لئے اصول تمام اصوات کے بہتر صدائیں ہوتی ہیں۔

موسیقی قدیم ایران کی کوئی حالت اب نہیں معلوم ہوتی مسلّمہ امر ہے کہ جو چیز تمدن قدیم ایران یعنی قبل از اسلام سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی موسیقی ایران مفقود ہو گیا۔

موسیقی امروزہ ایران کا ایک اچھا حصہ وہی قدیم موسیقی کا ہے۔ اگر تاریخ کی طرف رجوع کر کے موسیقی قدیم یونان کا ملاحظہ کیا جائے اور زمانہ تمدن ٹھیک کر ایران میں پیش نظر رکھیں تو ہم کو معلوم ہوگا کہ ٹھیک وہی موسیقی یونانی اب بھی ایران میں موجود اور رائج ہے۔ درآنحالیکہ خود یونان سے بالکل مٹ گیا اور موسیقی بین الملی یا اروپائی نے اس کی جگہ لے لی ہے۔
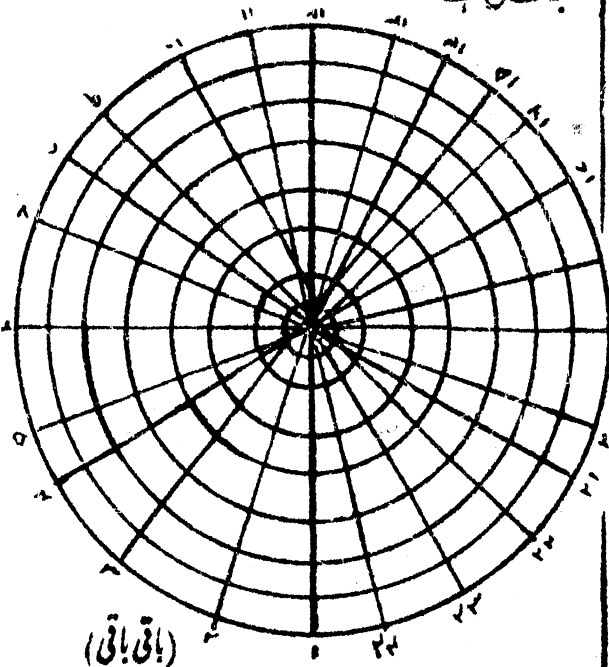
(باقی باقی)

شانِ تغزّل

جناب فخر الشعرا لالہ نند کشور صاحب اخگر وکیل فیروزپور شہر

آلام ہست و نیست سے گھبرا گیا ہوں میں
کیا جانے کیوں جہان میں لایا گیا ہوں میں

ہر لمحہ حشر خیزیوں کا تازہ دور ہے
حالاتِ گرد و پیش سے چکرا گیا ہوں میں

خود جبر مانگتا ہوں جفاؤں کی رات دن
ایسا ہی کچھ وفاؤں سے شرما گیا ہوں میں

اے انتظارِ مرگ مرا آخری سلام
کانوں میں کہہ رہا ہے کوئی "آ گیا ہوں میں"

اب اور گھر تلاش کر اے آرزوئے دید!
مہماں نوازیوں سے تو گھبرا گیا ہوں میں

کیوں چین آ گیا ہے مرے دل کو یک بیک
شاید کسی کو بھول کے یاد آ گیا ہوں میں

پھر کھینچتی ہے پاؤں کی زنجیر سوئے دوست
صحرا نوردیوں سے اب اکتا گیا ہوں میں

دنیا مری تلاش میں حیران ہو گئی
جب سے تری تلاش میں کھویا گیا ہوں میں

کن کن ندامتوں کا اٹھائے ہوئے ہوں بار
کیا جرم زندگی کی سزا پا گیا ہوں میں

راہِ عدم میں راہ نما کی تلاش کیا
سو بار اس مقام سے آیا گیا ہوں میں

اخگر دماغ سوزیوں سے کوئی فائدہ
خود اپنے ہی کمال سے شرما گیا ہوں میں

(جناب ایم اسلم صدیقی صاحب بہاولپور)

اس دنیائے ناہنجار میں کون ایسا شخص ہوگا جس کو اپنی زندگی میں تکالیف و مصائب اور رنج و الم کا سامنا نہ ہوا ہو۔ ہفت اقلیم کا بادشاہ ہو یا بے سروسامان فقیر امیر ہو یا غریب۔ زاہد و عابد ہو یا بد افعال و بدکردار شخص ہر ایک کسی نہ کسی مصیبت میں گرفتار نظر آئے گا۔ جس سے پوچھو وہ اپنے ہی دکھڑے روتا ہے۔ جہاں جاؤ اسی ایک دیوتا کی ستم شعاریوں اور جفاکاریوں کی داستان سننے میں آئے گی انسان کا یہی ایک دشمن ہے جو کہ بڑے بڑے منچلوں اور بہادروں کے چھکے چھڑا دیتا ہے۔ دل بیٹھ جاتا ہے اور دماغ کو اس قدر ضرر پہنچتا ہے کہ آسان اور سہل ترین امور جن کا حل کبھی منٹوں میں منکشف ہو جاتا تھا۔ ان تکالیف کے مسلسل صدموں سے قوت ادراک ان کی عقدہ کشائی سے عاجز آجاتی ہے۔

جب تمام کام یکے بعد دیگرے بگڑتے چلے جاتے ہیں تو یار آشنا اور دوست واحباب کی بھی نظریں تبدیل ہوتی دکھائی دیتی ہیں۔ گویا انسان جب خود مصیبتوں کے پے بہ پے حملوں سے مضمحل و نڈھال ہو جاتا ہے۔ تفکرات کے احساسات سے جب رگوں میں خون ساقط و جامد ہوتا ہے تو اس وقت کوئی مونس و ہمدرد اور غمخوار و غمگسار ہاتھ نہیں بٹاتا۔ اسی طرح انسان زیادہ متفکر ہو جاتا ہے۔ زندگی کے تمام ناکام تجارب کی یاد پھر سے تازہ ہو جاتی ہے۔ عمر بھر کی ناکامیوں اور نامرادیوں کے نقوش خاک کے ذروں کی طرح ابھرتے چلے آتے ہیں۔ زندگی اسے مسلسل مصائب و آلام کی اندوہناک داستان معلوم ہوتی ہے وہ اپنے آپ کو ایک بیکس و بے بس مجبور و مظلوم قیدی کی مانند سمجھتا ہے۔ جسے فطرت کی بیرحم ہستیوں نے جور و ستم اور آلام و شدائد کی المناک صعوبتیں جھیلنے کے لئے اس وحشتناک کرہ میں بھیجا ہے۔ دنیا کی ہر ایک چیز اسے ایک نئی مصیبت معلوم ہوتی ہے۔ جب وہ کسی وقت اپنے ماحول کا جائزہ لیتا ہے تو مسرت و شادمانی کی نورانی کرن کہیں جھلکتی نظر نہیں آتی اُسے ہر چہرہ تبسم ناآشنا اور ہر پیشانی غم آلود دکھائی دیتی ہے۔

والدین کا سایۂ عاطفت سر سے اٹھ جانا۔ جوان بھائی کی موت۔ مال و متاع کا ضائع ہو جانا۔ خوفناک آتش زدگی تباہ کن سیلاب یہ تمام ایک ایسے صدمے ہیں جن کی تلافی ناممکن ہے اور جو حقیقتاً دل کو پاش پاش کر دیتے ہیں۔ انسان اشک خونیں بہاتا ہے کبھی زندگی اس قدر تلخ محسوس ہوتی ہے کہ خودکشی پر آمادہ ہو جاتا ہے لیکن یہ تمام ایسی حرکتیں ہیں جو کسی حالت میں بھی سود مند ثابت نہیں ہوتیں۔ کئی دفعہ ایسے مواقع پر دق۔ جنون۔ مالیخولیا

مرگی اور ایسے مہلک امراض پیدا ہو جاتے ہیں جو صریحاً موت کا پیش خیمہ ہیں۔

ان اثرات سے زیادہ تر عورتیں جلد اثر پذیر ہوتی ہیں مردوں کی نسبت ان کا حوصلہ بہت کم ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اکثر مذکورہ بالا امراض میں بھی گرفتار نظر آتی ہیں۔ اگر قدرت ربی سے کوئی اچانک خوشی دیکھنے میں آئے تو بھی ان کی حیات موت سے مبدل ہو جاتی ہے۔ گویا طبقہ نسواں نہ تو زیادہ خوشی کو برداشت کر سکتا ہے اور نہ ہی غمی کو۔ اسی لئے بعض اوقات مرد ایسے معاملات کو عورت کے بتانے میں اجتناب کرتے ہیں۔ گو ان حالات میں مرد کے بھی چھکے چھوٹ جاتے ہیں۔ مگر وہ صبر و استقلال کو پیش نظر رکھتا ہے۔

بعض دفعہ ایک مفلس و نادار شخص ان قدرتی حوادث سے متاثر ہو کر خودکشی میں آرام و استراحت سمجھتا ہے۔ مگر اپنے معصوم بچوں اور رفیقہ حیات بیوی کی زبوں حالی دیکھ کر وہ اس امر پر قادر نہیں ہو سکتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ میرے بعد دنیا میں ان کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہوگا۔ ان کی ذلت و خواری کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ اپنے ارادے کو ملتوی کر دیتا ہے۔ چنانچہ چار و ناچار اسے اس صدمہ ناگہانی کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اصل میں وہ زندہ درگور ہوتا ہے۔ اور زندگی اسے نہایت بری معلوم ہوتی ہے۔

خدا نے کوئی ایسا مرض پیدا نہیں کیا۔ جس کا علاج نہ ہو آفرینشِ عالم میں کوئی ایسی چیز نہیں پائی جاتی جو انسان کے لئے مفید نہ ہو۔ اگر پھول کے ساتھ کانٹا نہ ہوتا تو ہم تازہ پھول کو دیکھ کر ایسا لطف محسوس نہ کرتے جتنا کہ وہ آج ہمیں بھلا دکھائی دیتا ہے۔ اگر رات نہ بنائی جاتی تو ہم دن کی خوبیوں سے یکسر بے بہرہ رہتے۔ اسی طرح مصیبتیں درحقیقت ہماری راحتیں ہیں انہی کے وجود سے ہم مسرت کو مسرت خیال کرتے ہیں۔ ورنہ دنیا میں خوشی و راحت کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوتی میرے خیال میں دنیا کا نظم و نسق امید پر ہے "دنیا بامید قائم" اور امید ہماری تکلیفوں کا ثمرہ ہے۔

زمانے کا دستور العمل یہی ہے کہ راحتیں تکلیفوں کے بعد میسر ہو سکتی ہیں یعنی خوشی محنت و مشقت اور رنج و الم کے درمیان گھری ہوئی ہے اور یہ اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب ہم ہر بلا کا ہمت و جوانمردی اور استقلال سے مقابلہ کریں ؎

زرنج و راحت گیتی مشو خنداں مرنجاں دل
کہ آئین جہاں گاہے چنیں گاہے چناں باشد

یعنی زمانے کے رنج و راحت سے متاثر ہو کر زیادہ رنج یا بہت زیادہ خوشی کا اظہار اچھا نہیں کیونکہ زمانے کی چال شطرنج کی سی ہے۔ کبھی تو خوشی آ کر قدم چومتی ہے اور کسی وقت افکار و حوادث انسان کو پریشان کر دیتے ہیں جب قانون قدرت یہی ہے تو پھر کسی رنجدہ موقعہ پر اسقدر متفکر ہونے کے کیا معنی کہ جان کے لالے پڑ جائیں۔ اپنے آپ کو بدبخت گردانتے ہوئے ہم اپنے لواحقین کو بھی رنج و بلا میں مبتلا کر دیں۔

ہمیں یہ روز روشن کی طرح معلوم ہے کہ دنیا میں ہر چیز کو فنا ہے۔ اپنی مقررہ میعاد پر اس کا نیست و نابود ہو جانا لازمی ہے۔ ہم خود بھی روزمرہ ان واقعات کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ جو ہمارے لئے فی البدیہ ایک عبرت ہے جب تمام باتیں ہمارے پیش نظر ہیں اور جن کے ٹھیک ہونے میں کوئی شک و شبہ بھی نہ ہو تو پھر بھی اگر ہم ان فانی چیزوں سے دائمی محبت کا خیال رکھیں تو وہ ہماری جاہلیت اور کم

عقلی زوال ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے دوست احباب مال و متاع اور زر و جواہر سے ہمیشہ عارضی محبت رکھیں اگر یہ چیز ہمارے رگ و ریشہ میں سما جائے تو یقیناً ہم اُن ناگہانی صدمات سے اثر پذیر نہیں ہو سکتے اور نہ ہی اپنی جانوں کو اس طرح بے فائدہ اور رائگاں ضائع کرنے کا مورد ٹھہریں۔

میرا اس مضمون سے مقصد اپنے ان بھائیوں کو تلقین کرنا ہے جو اپنے والدین کی ناگہانی اموات سے یا زر و مال کی چوری ہو جانے پر اپنے آپ کو مُردہ سمجھنے لگتے ہیں۔ کسی عزیز کی وفات پر تقاضائے بشریت صدمہ ضرور پہنچتا ہے۔ مگر نہ اس قدر کہ خود کو بھی تباہ کر لیں۔ یہ تمام چیزیں اپنی اصلی حالت قیام پر ڈالی جائیں گی۔ تم جب تک رہو۔ صبر و استقلال اور دانشمندی سے ان تکلیفوں کو برداشت کرو۔ اور جو کام تم سرانجام دینا چاہتے ہو۔ انہیں دانشمندی سے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کرو۔ تم کو راضی برضا ہونا چاہئے۔ کیونکہ جو قادر مطلق خدا کرتا ہے وہ انسان کے لئے بہتر ہوتا ہے۔ اگر دنیا میں اطمینان کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہو تو یہی ایک وسیلہ ہے۔

ایم اسلم صدیقی

اے کاش کہ تم ہوتے

(جناب ممتاز صاحب دیروی ملتان)

ساون کے مہینے میں
کیا لطف ہے جینے میں
سو داغ ہیں سینے میں
اے کاش کہ تم ہوتے

گھنگھور گھٹاؤں میں
پُرکیف ہواؤں میں
اور ٹھنڈی فضاؤں میں
اے کاش کہ تم ہوتے

بادل بھی برستے ہیں
ہم ہیں کہ ترستے ہیں
اور پھول بھی ہنستے ہیں
اے کاش کہ تم ہوتے

کیا وقت سہانا ہے
لب پر یہ ترانہ ہے
آجاؤ جو آنا ہے
اے کاش کہ تم ہوتے

ممتاز کی امیدیں
دل کی ہیں یہ سب عیدیں
اور عشق کی تمہیدیں
اے کاش کہ تم ہوتے

عبداللطیف تپش مدیر معاون "دلگداز"

وہ گھڑا ہوا دن، وہ گزری ہوئی ساعت اور وہ دلکش اور سہانا سماں مجھے کبھی نہیں بھول سکتا۔

اس گھڑی کی محبوبیت۔ خوبصورتی اور معطر فضا اہل دنیا کو نصیب ہونی محال ہے۔

آفتاب عالمتاب اپنی بہادرانہ شان و شوکت کے ساتھ منزل تمام کر چکا تھا۔ شفق کی سرخی سے جہت مغرب ہم رنگ مشعل بن چکی تھی۔

نسیم خوشگوار کا ایک دلربا جھونکا اس قدر معنبر و معطر آیا کہ میں کیف و مستی اور سرور و فرحت میں کھو گیا۔

طائران خوش الحان اپنی میٹھی میٹھی بولیاں بولنے لگے غنچے بے باکانہ کھل کھلا کر ہنس پڑے اور پھول اپنی پوری دلآویزیوں اور رعنائیوں سے موسم کی خوشگواری میں روح بہار پھونکنے لگے۔ ڈالی ڈالی، پتی پتی اور شاخ شاخ پر وجد طاری ہو گیا۔

اندرون چمن اور بیرون چمن محبت کی شراب ارغوانی سے سرشاروں پر بیخودی اور مستی چھا گئی۔

ذرے ذرے اور چپے چپے پر بکھرے ہوئے حسن کا دلچسپ نظارہ روح میں گداز پیدا کر رہا تھا۔

ہر آنکھ منظر کی دلفریبی سے میخانہ بن چکی تھی۔ گل بوٹے شجر حجر پر وجدان مسلط تھا گویا باغ کا ہر گوشہ نگار خانہ بنا ہوا تھا۔

جنت کی ہزاروں بہاریں اس گھڑی کے سامنے بے قیمت و بے حقیقت تھیں۔

میں رند کہنہ سال کی طرح اس وقت ایسا مدہوش و خود فراموش ہوا کہ دنیا و مافیہا سے غافل ہو گیا۔

اس حسین و جمیل ساعت کی خوبیوں سے بہرہ اندوز ہو کر میں نے بصد حسرت و یاس کہا

"اے کاش کہ میں شاعر ہوتا"

اکتساب

حضرت حالی پانی پتی مرحوم

لیجئے بھیک دوڑ کر گر ہے گداگر ہی کا یہ　　جس سے ملے جہاں ملے جو ملے اور جب ملے

ہے یہی اصل اکتساب ہوجیے سب سے مستفید　　زک ملے یا سزا ملے درس ملے ادب ملے

مثلث

از نتیجۂ فکر خان صاحب محمود علی خان ماہر اکبرآبادی۔ فراشخانہ دہلی

رکھ دوں بنائیں عشق و وفا کے مزار کی　　مجھ کو تلاش ہے ترے دل کے غبار کی
تربت بنا رہا ہوں دلِ سوگوار کی

ہیں ظلمتیں محیطِ غمِ ہجرِ یار کی　　تاریک کس قدر ہیں گھٹائیں بہار کی
شمعیں جلا رہا ہوں دلِ داغدار کی

اللہ کا کرم ہے کرم کی نظر تری　　کیا چیز ہے نگاہِ محبت اثر تری
اب دیکھتے ہیں سب مجھے نظروں سے پیار کی

کہنے کی تاب ہو تو کہوں اپنا حالِ غم　　کیا آپ سے میں عرض کروں اپنا حالِ غم
دل اختیار کا نہ زباں اختیار کی

کچھ تازگی ہو حسرتِ موہوم کی جگہ　　رکھ دے کوئی مرے دلِ مغموم کی جگہ
تازہ کلی کھلی ہوئی صبحِ بہار کی

مخمور ہوں دو آتشۂ سازِ عشق سے　　یوں مطمئن ہوں عشرتِ آغازِ عشق سے
گویا خبر نہیں مجھے انجام کار کی

تو آ کہ منتظر ہیں نگاہیں تیرے لئے　　آتا نہیں تو اپنے تصور کو بھیج دے
کٹتی نہیں ہے رات تری انتظار کی

اب شانہ زلف میں ہے، نہ آئینہ روبرو　　بے تاب اپنی بزم میں پھرتے ہیں چار سُو
یاد آ گئی ہے اُن کو کسی بیقرار کی

یہی تو ہے وہ درد کہ جس کی دوا نہیں　　اب تیرے سامنے بھی سکون آشنا نہیں
بے چینیاں تو دیکھ دلِ بیقرار کی

تاریکیٔ نگاہ کو اللہ! کیا کروں!　　کیا دیکھوں چاند سیرِ شبِ ماہ کیا کروں!
اس آئینے میں بھی نہیں تصویر یار کی

تیری ہر اک طرح کی ادا دیکھ دیکھ کر　　تیری نگاہِ مست و خفا دیکھ دیکھ کر

تمیز کر رہا ہوں سرور و خمار کی

صرف تجلیات ہوں اے اضطرابِ دل — محوِ تصورات ہوں اے اضطرابِ دل
اتنا ٹھہر کہ کھینچ لوں تصویر یار کی

ہے زندگی و موت کا یکساں معاملہ — جو زندگی کا میری اڑاتے تھے مضحکہ
اب خاک اڑانے آئے ہیں میرے مزار کی

سنبل کی خیر لالہ و ریحاں کی خیر ہو — یارب نشاطِ صبحِ گلستاں کی خیر ہو
کچھ آج مضمحل سی ہیں نبضیں بہار کی

دنیا کے دل میں رحم و مروت ذرا نہیں — ماہو کو بعد قتل کوئی پوچھتا نہیں
کیا دربدر ہے لاش غریب الدیار کی

جذباتِ حسرت

ایم یعقوب علی حسرت شاہجہان پوری

کبھی تو کرم مجھ پہ فرمایئے گا! — کبھی تو میرے گھر چلے آیئے گا
میری زندگی کا ہے کوئی سہارا — خدا کے لئے کچھ تو فرمایئے گا
مٹا دیجیے شوق سے میری ہستی — مگر ایک دن آپ پچھتایئے گا
یہ نیچی نظر مجھکو گھائل نہ کر دے — میں صدقے نہ اب اور شرمایئے گا
نہ منہ موڑیئے اپنے بیارِ غم سے — ادھر آیئے گا! ادھر آیئے گا

کوئی دم کا مہماں ہے بدبخت حسرت
نہ اب آیئے گا تو کب آیئے گا

حجامت

جناب ملک شمس بی اے

پریم ناتھ کی جیب میں صرف ایک دونی تھی جبکہ وہ سیلون میں حجامت بنوانے کی غرض سے داخل ہوا حجام نے اس کا بڑے پرجوش الفاظ میں خیر مقدم کیا۔ پریم ناتھ کا خیال تھا کہ اسے حجامت بنوائی صرف ایک آنہ دینا پڑیگا لیکن سیلون کے انتظامات صفائی اور شان و شوکت دیکھ کر اسے شک ہوا کہ شاید یہاں کی اُجرت کچھ زیادہ ہو۔

پریم ناتھ آئینے کے سامنے کرسی پر بیٹھا ہی تھا کہ اس کے لیئے بجلی کا پنکھا خاصی رفتار پر چھوڑ دیا گیا۔ سیلون تصویروں آئینوں اور پردوں وغیرہ سے خوب سجا ہوا تھا۔ بجلی کے قمقموں کی روشنی نہایت خوشنما اور شاندار تھی۔ حجامت بنانے کا سب سامان مکمل صاف ستھرا اور قیمتی تھا۔ پھر حجام بذات خود ایک اعلیٰ درجہ کا کاریگر تھا جو پریم ناتھ کی حجامت بڑی عمدگی اور نفاست سے بنا رہا تھا۔

پریم ناتھ زمانے کے حادثوں کا شکار قسمت کا مارا ہوا ایک ذہین تعلیم یافتہ نوجوان تھا۔ اس نے حجامت کی اجرت معلوم کرنے کے لئے حجام سے یونہی چند ایک سوالات کئے

"تم اس دوکان کا کیا کرایہ دیتے ہو؟"

"پینتیس روپے جناب"!

"یہاں حجامتیں زیادہ تر ہوٹل کے مسافر ہی بنواتے ہونگے"

"جی ہاں! ہوٹل کے مسافروں کے علاوہ بھی بہتیرے آدمی آتے جاتے ہیں"۔

"تمہارے سیلون کا انتظام تو بہت اچھا ہے ——— تم نے یہاں داڑھی منڈانے بال کٹانے وغیرہ کی شرح کہیں نہیں لگائی ہوئی۔ جتنے پیسے کسی نے دے لے لیتے ہوں گے؟"

"جناب! ہم داڑھی مونڈنے کی دونی لیتے ہیں اور چار آنے بال کاٹنے کے اور اگر کوئی اپنی خوشی سے زیادہ پیسے دے دے تو شکریہ کے ساتھ لے لیتے ہیں"۔

پریم ناتھ جب سیلون سے باہر نکلا تو دونی اسکی جیب سے نکل کر حجام کی ہو چکی تھی۔

پریم ناتھ جبکہ لاہور میں بی اے کے سال اول میں تعلیم حاصل کر رہا تھا تو اس کا باپ ناگہانی طور پر دل کی حرکت بند ہو جانے سے مر گیا۔ پریم ناتھ کے باپ کے دل کی حرکت بند ہونے کے ساتھ ہی اسکی تعلیم بھی بند ہو گئی۔ اور وہ اپنی ماں اور چھوٹی بہن کے پاس واپس وطن چلا گیا۔ اسکے باپ کی جو تھوڑی سی جائداد تھی وہ بھی قرضخواہوں نے اسکے مرنے کے فوراً ہی بعد قرق کرا لی۔ پریم ناتھ بیکسی کی حالت میں خدا کے بھروسے پر نوکری تلاش کرنے کے لئے جلد ہی وطن سے لاہور لوٹ آیا۔ یہاں اسے بڑی دوڑ دھوپ کے بعد ایک اخبار کے دفتر میں پندرہ روپے کی ملازمت ملی۔

وہ چار روپے ماہوار کی ایک تنگ اور اندھیری کوٹھڑی

میں رہتا تھا۔ پانچ روپے گھر بھیج دیتا اور باقی چھ روپے سے
مہینہ بھر زندہ رہنے کا بندوبست کرتا۔

ایک دن پریم ناتھ بازار سے گزر رہا تھا کہ دوسری طرف
سے اُسے مسٹر کمار آتا ہوا دکھائی دیا۔ اس نے چاہا کہ نظر
چرا کر نکل جائے لیکن کمار کی نظریں اسے بھانپ چکی تھیں۔
"اخوہ! تم لاہور میں ہو مسٹر پریم ناتھ" کمار نے ہاتھ ملا کر
بڑی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔
"مجھے لاہور آئے کئی مہینے ہو گئے ہیں۔ میں نے اخبار
تجلی کے دفتر میں ملازمت کر لی ہوئی ہے۔"
مسٹر کمار پریم ناتھ کے گہرے دوست تھے۔ دونو کالج
میں ایک ہی جماعت میں پڑھا کرتے اور ہوسٹل میں بھی ایک
ہی کمرے میں رہا کرتے تھے۔ آج اتفاق سے رات کے ۹½
بجے مسٹر کمار کے ایک دوست کے گھر پر گانے کی ایک
شاندار محفل تھی۔ باتوں باتوں میں کمار نے اسی کا ذکر کیا۔ اور
پریم ناتھ سے وعدہ لے لیا کہ وہ اس کے ہمراہ وہاں چلے گا۔
"اچھا! پریم ناتھ مجھے رات کے ٹھیک نو بجے ملنا"
کمار نے جاتے ہوئے کہا۔ "ہاں میں ضرور آؤں گا" پریم ناتھ
نے کمار کو یقین دلایا۔
"دیکھنا! ذرا خوب بن سنور کر حجامت وغیرہ بنوا کر
آنا پریم ناتھ"
کمار نے پریم ناتھ کے میلے اور معمولی کپڑوں اور اُسکی
بڑھی ہوئی داڑھی کیطرف نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

جب سے پریم ناتھ کا باپ مرا۔ اس نے کوئی کپڑا نہیں
سلوایا۔ اسکے پاس پیسے ہی کہاں تھے۔ لیکن اس کے پاس
طالب علمی کے زمانے میں بنوائے ہوئے عمدہ اور قیمتی کپڑے
کافی موجود تھے۔ پریم ناتھ نے کمار کے ساتھ گانے کی محفل
میں جانے کے لئے بہت اعلیٰ سوٹ نکال کر پہنا۔ سر پر
انگریزی ٹوپی رکھی نہایت نفیس ٹائی اور کالر لگایا۔ پاؤں میں
بوٹ بھی خوش وضع اور قیمتی تھے۔ لیکن پریم ناتھ کی حجامت
بنے پانچ دن ہو گئے تھے وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ داڑھی صفا
چٹ نہ ہونے سے اسکے لباس کی وہ شان نہیں جو ہونی
چاہئے۔ لیکن اس دن حجامت بنانے کے لئے اس کے
پاس بلیڈ نہ تھے۔ رہا دام دے کر بازار سے حجامت بنوانا تو
اسکے پاس صرف ایک دونی تھی جس میں سے ایک آنہ
کسی حجام کو دے دینا اس کے لئے تکلیف دہ تھا۔ لیکن کیا
معلوم تھا کہ ایک آنہ بچاتے بچاتے اسے اپنی ساری رقم دونی
ہی سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔
راستے میں اسکی تین چار آدمیوں سے ملاقات ہوئی۔ ہر ایک نے
اُسے خوش وضع انگریزی لباس میں دیکھ کر اسکی بڑھی ہوئی
داڑھی پر اعتراض کیا اور یہ تو اسے یاد ہی تھا کہ کمار نے بھی چلتی
دفعہ اسے حجامت بنوا کر آنے کو کہا تھا۔ پریم ناتھ نے اپنا
ارادہ بدل دیا اس نے سوچا کہ حجامت بنوا ہی لینا چاہیئے
اسلیئے وہ چلتے چلتے ایک ہوٹل کے پاس سیلون میں داخل
ہو گیا۔ جہاں اس غریب کو حجامت بنوائی دونی دینا پڑی

جگدیش کے مکان پر گانے بجانے کی مجلس گرم ہے
دو چوٹی کے گویے آئے ہوئے ہیں۔ ساز بجانے والونکو
بھی اپنے فن میں کمال حاصل ہے۔ کمار اور پریم ناتھ بھی برابر
برابر بیٹھے ہیں۔ گانے سے حاضرین پورا پورا لطف و حظ اٹھا
رہے ہیں۔ تمام کمرہ دلکش اور دلآویز نغموں سے گونج رہا

ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سننے والوں پر جادو ہو گیا ہے سرگم اور سروں کی اونچی نیچی الاپ کے ساتھ ساتھ واہ! واہ! بہت خوب! بہت اچھے! ہاہاہا! کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں اور سازوں کے ساتھ ساتھ سر اور جسم ہل رہے ہیں۔ تالیاں اور چٹکیاں بج رہی ہیں۔ پاؤں زمین سے اٹھا اٹھا کر مارے جا رہے ہیں۔ ہاتھوں آنکھوں اور جسم کی عجیب عجیب حرکتوں سے داد دی جا رہی ہے۔

سب کے سب جبکہ تمام جسم کو کان بنائے ہوئے گانا سننے میں غرق تھے۔ پریم ناتھ کا دھیان کسی اور طرف تھا۔ اسے گانے سے کوئی حظ حاصل نہیں ہو رہا تھا۔ ذرہ برابر لطف نہیں آ رہا تھا۔ اسلئے نہیں کہ وہ گانے کو پسند نہیں کرتا تھا یا گانا سمجھنے کی اس میں صلاحیت نہ تھی بلکہ اسلئے کہ اسے شدت کی بھوک لگی ہوئی تھی۔ اس نے صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا اسکی آنتیں قل ہو اللہ پڑھ رہی تھیں۔ مارے بھوک کے اُسے ضعف پڑ رہا تھا وہ بے جان اور اس کا جسم نڈھال ہو رہا تھا وہ بے انتہا کمزوری محسوس کر رہا تھا۔

بجلی کے پنکھوں کی ہوا، بجلی کی روشنی، زمین پر بچھا ہوا قالین دیوار پر لٹکی ہوئی تصویریں غرض سجاوٹ کا سب سامان سازوں کی آوازیں گانے کا اتار چڑھاؤ۔ سُر۔ تال۔ ٹھمریاں خیال، ٹپے، اغرض پریم ناتھ کے لئے سب کچھ بے معنی تھا

جب انسان کا پیٹ خالی ہوتا ہے تو اسکے حواس کسی بھی لطف دینے والی چیز سے لطف نہیں اٹھا سکتے اسکے لئے دنیا کی سب چیزیں بے لطف و بے کیف ہو جاتی ہیں۔

کبھی وہ زمانہ تھا کہ پریم ناتھ گانے کو روح کی غذا مانتا تھا۔ لیکن آج اسے معلوم ہوا کہ روح کو غذا دینے سے پہلے جسم کو غذا پہنچانا ضروری ہے۔ پریم ناتھ جب کالج میں پڑھا کرتا تھا تو گانے کا بڑا شوقین تھا۔ اسکے حساس کان گانے کی باریکیوں اور پیچیدگیوں کو خوب سمجھتے تھے وہ گانے کا بہت ہی دلدادہ تھا اور گانے کو "کانوں کی بہشت" کہا کرتا تھا۔

کمار کو پریم ناتھ کی کیفیت کا کچھ علم نہ تھا وہ سب کے ساتھ گانا سننے میں مگن تھا۔

پریم ناتھ رات کے ڈیڑھ بجے جب گھر آ کر بستر پر لیٹا تو اسے لاکھ کوشش کرنے پر بھی نیند نہ آتی تھی۔ بھوک اسے برداشت کی حد سے بڑھ کر ستا رہی تھی آج مہینے کا آخری دن تھا اسکے پاس صرف ایک دونی ہی بچی تھی سو وہ بھی حجام کی نذر ہو چکی تھی۔

پریم ناتھ پر بھوک کی زیادتی کی وجہ سے عجب کیفیت طاری تھی وہ پہلے تو بستر پر کروٹیں لیتا رہا۔ جب اُسے نیند بالکل نہ آئی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کمرے میں روشنی کر کے ٹہلنے لگا۔ پریم ناتھ کو اپنی غلطی اور بے وقوفی پر رہ رہ کر افسوس اور غصہ آ رہا تھا وہ چاہتا کہ اس غلطی کی سزا میں جسکی وجہ سے وہ بھوک کی مصیبت سے دوچار ہو رہا تھا۔ خود کو ہلاک کر دے۔

دلگداز نواز حضرات مضامین بھیجنے میں جس قدر عجلت فرمائیں گے۔ کارکنان دفتر کو اسی قدر سہولتیں ہوں گی یعنی رسالہ بہت جلد تیار ہو جایا کرے گا۔ اور یہ خیال رہے کہ مختصر مضامین کو ترجیح دیجائیگی — مینیجر۔

زمزمۂ تغزّل

از حضرت سیماب مدظلہ

جب تک نہ آئیں وہ مجھے جھولا حرام ہے
گایا کریں ملہار گھٹائیں بہار کی

نادم ہوں اعتبار پر اپنے کہ اب نظر
خمیازہ کش ہے حوصلۂ انتظار کی

یارب بقدر لمحہ عطا کر شگفتگی
تاریخ لکھ رہا ہوں حیاتِ بہار کی

آخر میں حد صبر و رضا تک پہنچ گیا
طے کر کے منزلیں ستمِ روزگار کی

اے دودِ آہ صحنِ گلستاں پہ پھیل جا
کچھ دیر نقل ہی سہی ابرِ بہار کی

دونوں نظر فریب و فریبِ نگاہ تھے
میرا شباب اور جوانی بہار کی

یہ نقص اہتمامِ قفس! اے قفس تراش
آزاد ہے نگاہ اسیرِ بہار کی

رکھیئے مری نزاکتِ احساس کا لحاظ
پھولوں کا ہوں مزاج طبیعت بہار کی

یوں ہے مرے خیال میں اک پیکرِ شباب
جیسے ہوں جمع سینکڑوں صبحیں بہار کی

ہوں محوِ رنگ و بُو میں ابھی صحنِ باغ میں
یہ کون کھینچتا ہے طنابیں بہار کی

یاد آئیں گی خزاں میں رگِ گل کی شوخیاں
کھٹکیں گی اپنے وقت پہ پھانسیں بہار کی

پاکیزگی شگفتِ نظر کی نہ پوچھیئے
ہر پھول پر پڑھی ہیں نمازیں بہار کی

سیماب احتجاج خلافِ غم و خوشی
توہین ہے مشیتِ پروردگار کی

افسانہ

ہمدردی

ایم اے لطیف سلیم نواں کوٹ لاہور

(گذشتہ سے پیوستہ)

سامنے اختر دلبر گلشن کی ایک روش پر کھڑا یہ اندوہناک حادثہ دیکھ رہا تھا۔ پاؤں سر پر رکھ کر بھاگا لیکن اس کے پہنچنے تک موٹر بہت دور نکل چکی تھی۔ اس نے نہایت حزم و احتیاط سے شکنتلا کو اٹھایا اور کار میں جا لٹایا۔

اختر۔ شکنتلا۔ زیادہ چوٹیں تو نہیں آئیں

شکنتلا۔ بھائی ناقابل برداشت چوٹیں لگی ہیں۔

اختر۔ فکر نہ کریں۔ اللہ ابھی آرام دے گا۔ یہ کہتا ہوا تیزی سے کار چلا کر اکبر یہ شفاخانہ میں پہنچ گیا۔ ڈاکٹر نے بڑی احتیاط سے مرہم پٹی کی۔

شکنتلا (تشویشناک ہو کر) مسٹر اختر میں گھر نہیں جاؤنگی میرا دل سخت گھبرا رہا ہے اور آپ بھی نہ جائیں۔

اختر۔ شام ہو چکی دونو گھروں میں بے چینی اور بے کلی ہو گی۔ تم آرام کرو۔ میں تمہارے اور اپنے گھر خبر کر آؤں۔

شکنتلا۔ گھر جانے کی چنداں ضرورت نہیں۔

اختر۔ نامعلوم وہ کیا خیال کریں۔

شکنتلا۔ صبح دیکھا جائے گا۔

اختر۔ کسی آدمی کے ہاتھ پیغام بھجوا دوں۔

شکنتلا۔ میں مر نہیں چلی۔

اختر۔ اچھی شکنتلا صرف میل ڈیڑھ میل کا فاصلہ ہے خبر کر دینا ضروری ہے۔ نامعلوم میری اور تیری غیر حاضری سے تمہارے پتا کیا نتیجہ اخذ کریں۔ کاش تم مسلمان ہوتیں اور مجھے اس درجہ پریشان نہ ہونا پڑتا۔

شکنتلا۔ اُف! ہائے کتنا قیامت خیز درد ہے۔ اختر

. . . .

اختر۔ صبر کرو۔ آرام آیا چاہتا ہے۔

شکنتلا۔ سانس تک بھی تو درست نہیں۔ ہائے . . . . .

ہائے . . . . . اختر ذرا سر دباؤ۔

اختر سر دبائے جا رہا ہے اور اپنی غیر حاضری کے متعلق اپنی والدہ کی قیاس آرائیوں پر غور کر رہا ہے۔

جب آدھی سے زیادہ رات گزر گئی تو اختر کی والدہ کو یہ خیال بار بار تسکین دلاتا کہ شاید کسی دوست کے ہاں سو رہا ہو مگر آج تک بغیر اطلاع اس نے ایسی حرکت کبھی نہیں کی الہی خیر ہو۔ میں تو سمجھ چکی ہوں کہ کوئی حادثہ ہوا ہو گا۔ میرا بیٹا اتنا بے پروا نہیں۔

رات کے دو بجے کے قریب شکنتلا کی ماتا اختر کے گھر پہنچی اور یوں گویا ہوئی۔

"دوپہر کے قریب شکنتلا ساڑی خریدنے کار پر گئی تھی ابھی تک واپس نہیں آئی۔ اسکے پتا بے حال ہو رہے ہیں" شکنتلا کا باپ اسکی گمشدگی کی اطلاع اخبارات میں چھپوانا چاہتے ہیں۔ میں ڈرتی ہوں کہ ناک کٹ جائیگی۔ بے آبروئی ہو گی۔ لوگ باگ مذاق اڑائینگے۔

اختر کی والدہ۔ کس وقت گئی تھی۔

ماتا شکنتلا۔ تقریباً دو بجے

والدہ اختر۔ بہن میرا لڑکا صبح چھ بجے کالج گیا تھا۔ وہ بھی نہیں آیا۔ راہ تک رہی ہوں۔ خدا جانے اسے کیا ہوا؟ وہ تو ایسا نہیں تھا عقل دنگ۔ اور حواس مختل ہیں ہاں صبح تک پتہ نہ چلا تو پھر اسکے باپ کو تار دوں گی۔

ماتا شکنتلا۔ کہیں دونوں ....

والدہ اختر۔ ناممکن۔ کہاں صبح اور کہاں دوپہر۔ تھوڑا بہت وقفہ ہوتا تو گمان کیا جا سکتا تھا۔

ماتا شکنتلا۔ اچھا خدا حافظ!

گھر پہنچتے ہی شکنتلا کے باپ کو یہ اطلاع دی گئی کہ اختر بھی غائب غلا ہے۔

شکنتلا کا باپ۔ بس! بس! وہی میری لڑکی کو لے بھاگا ہے میں ابھی پولیس میں اطلاع دیتا ہوں۔ اُسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اس نے میری آبرو خاک میں ملا دی ہے پہلے اخبارات میں خبر بھیجتا ہوں۔

جناب مہتمم نیشنل نیوز سروس

بعد پرنام کے واضح ہو کر مندرجہ ذیل سطور تمام اخبارات میں بھجوا دیں۔ آپ کا داس

(سیٹھ جمنا داس)

میری لڑکی مسمی شکنتلا جو دسویں جماعت میں تعلیم حاصل کر رہی ہے کل دوپہر سے عدم پتہ ہے۔ کار پر ساڑی خریدنے گئی تھی۔ تاحال نہ ڈرائیور نہ کار اور نہ ہی شکنتلا کا پتہ چلا ہے جس صاحب کو پتہ ہو وہ کرپا کر کے مجھے خبر دیں۔ یا خود لائیں ... مقدور روپیہ انعام اسکی ماتا نے منظور کیا ہے۔ لڑکی نہایت خوبصورت۔ گوری چٹی۔ قدآور۔ کم گو۔ مسکراہٹ مفقود نقش تیکھے۔ سرخ پیراہن۔ دائیں گال پر تل۔ بے حجاب گلے میں ست لڑا ہار۔ دونوں ہاتھوں میں انگشتریاں پیروں اونچی ایڑی کی گرگابی۔ عمر ۱۸ سال سے کچھ زیادہ۔

سپہر نیلگوں کی پیشانی پر نورانی موتی چمک رہے تھے سیر و تفریح اور نسیم و شمیم کے والہ و شیدا نیستانوں کی معطر فضاؤں، دریا کے کناروں اور چٹیل میدانوں کی جانب اکیلے دکیلے رواں تھے۔ اذانوں کی آوازیں مساجد اور ناقوس کی مندروں سے گونج رہی تھیں۔ اخبار بیچنے والے بازاروں میں بلند آوازیں لگا کر اخبار بیچ رہے تھے۔

اختر کمرے سے باہر نکلا اور ہاکر کو اخبار خریدنے کیلئے آواز دی۔

اختر نے جونہی اخبار کے ورق ادھر اُدھر پلٹے تو آخری صفحہ پر شیخ غلام علی اینڈ سنز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور کے لمبے چوڑے اشتہار کے نیچے شکنتلا کی گمشدگی کی خبر پر نظر پڑی۔ شکنتلا کو سنائی۔

شکنتلا۔ دیکھا پانچ ہزار کی کثیر رقم کے تم مستحق ہو گئے ہو

اختر۔ دولت پرست شکنتلا! شاباش! انسانی ہمدردی پانچ ہزار پر کتنا ارزاں سودا ہے۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ میں نے کسی لالچ کے پیش نظر ایسا کیا ہے؟ میں لعنت بھیجتا ہوں دولت پر اور ایسی ہمدردی پر جو قیمتاً حاصل کیجائے۔

شکنتلا۔ پیارے اختر! میں مذاقاً کہہ رہی تھی۔ ورنہ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ پرماتما کا دیا سب کچھ آپ کے پاس ہے

اختر۔ مجھے کوئی سونے اور چاندی کے پہاڑ بھی دیتا تو بھی میں اپنی والدہ کی ناراضگی مول نہ لیتا۔ یہ ایک اسلامی فرض تھا بہ حیثیت ہمسائیگی و انسانی ہمدردی کے۔

شکنتلا۔ تو گویا آپ کو مجھ سے محبت نہیں۔

اختر۔ تھی۔

شکنتلا۔ اور اب

اختر۔ نہیں

شکنتلا۔ کیوں۔

اختر۔ اسلیئے کہ محبت بے قیمت جنس ہے۔ اور تم نے اسے دیگر جنسوں سے مابہ الامتیاز نہیں رہنے دیا۔ تم کو تمہارے خیال کے مطابق بیشمار صاحب دولت نہ صرف پانچ ہزار بلکہ لاکھوں اور کروڑوں والے مل جائیں گے۔

شکنتلا۔ اچھے اختر! مجھے معاف کرو۔ میں نے تو ازراہ تمسخر وہ الفاظ کہے تھے۔ جن کو تم نے اتنی شدت کے ساتھ محسوس کیا ہے۔ ہاں اختر! اس مذہب کے تقدس و احترام کے پیش نظر معاف کر دو جس نے تمہارے دل میں بلا قیمت خدمت خلق کا بے پناہ جذبہ ودیعت کر رکھا ہے۔

اختر۔ (متبسم لبوں سے) آخر شکنتلا بچپن ایک جگہ گزارا ہے ہنس کھیل کر شباب کی سرحد کو پہنچے ہیں۔ جو کہو سننے کو تیار ہوں۔

شکنتلا۔ میں تمہاری رنجیدگی مول لینا نہیں چاہتی جو کہو گے۔ کروں گی۔ مگر اختر۔ بچپن کے شاہانہ زمانہ میں تم میری سب باتیں گوارا کرتے تھے۔ اچھے اختر! اب کیا ایسا انقلاب رونما ہوا ہے۔ جو تمہاری طبیعت میری باتوں پر رنجش وکاوش محسوس کرنے لگی ہے۔

اختر۔ ہماری بے سمجھیوں کا زمانہ منقلب آسمان کے نیچے بہت جلد اختتام پذیر ہوا۔ بڑوں کی مشفقانہ نظریں اب ہمیں اکٹھا بیٹھنے کی اجازت نہیں دیتیں۔ اور اگر ایسا ہو تو ہم مجرم سمجھے جائیں گے۔

شکنتلا۔ کیا اب بھی ہم مجرم ہیں؟

اختر۔ ضرور۔

شکنتلا۔ تمہاری اس نیکی کا بدل

اختر۔ یہ نیکی اخلاق و ہمدردی کے بازار میں کوئی قیمت نہیں رکھتی۔ چلو جانے دیں۔ اب تو خدا نے تمہیں صحت دے دی ہے۔

شکنتلا۔ زندگی کے بازار میں کوئی چیز بے قیمت نہیں۔

اختر۔ بعض کی قیمتیں انسان دیتے ہیں اور بعض کی خدائے بزرگ و برتر۔ اگر فی الواقع تم اس نیکی کا بدل دینے پر مصر ہو تو کسی غریب بیکس اور مظلوم کے آڑے وقت کام آنا۔ یہی میرا حقیقی انعام ہے شکنتلا!

شکنتلا۔ مجھے محبت ہے تم سے

اختر۔ مجھے بھی نفرت نہیں۔

شکنتلا۔ کیا میری خاطر مذہب ومت ....

اختر۔ میں اس مذہب کا فرد ہوں جو عرف عام میں بت شکن ہے۔ بت رام کر سکتا ہوں۔ بت پرور و بت پرست نہیں بن سکتا۔

شکنتلا۔ اچھے اختر مان جاؤ۔

اختر۔ جوانی کی امنگیں۔ شباب کا سنگھار۔ ارمانوں بھرا دل۔ دنیا کی دولت سب کچھ نثار کر سکتا ہوں۔ مگر ایمان کی دولت نہیں لٹا سکتا۔

شکنتلا۔ پیارے اختر میرا دل نہ توڑو۔

اختر۔ اچھی شکنتلا میرا ایمان نہ چھینو۔

شکنتلا (گلے میں باہیں ڈال کر) کیا تمہارے مذہب میں محبت کی کوئی قیمت نہیں۔

اختر۔ بہت زیادہ۔

شکنتلا۔ مگر تمہارا عمل اس کی تائید نہیں کرتا۔

اختر۔ تم غلط سمجھ رہی ہو۔ ہماری محبت مقدم ہے اللہ اور اس کے رسول کے لئے۔ اور اللہ کی خاطر ہی ہم اس کے بندوں سے محبت کرتے ہیں۔

شکنتلا۔ اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اختر۔ تو کیا

شکنتلا۔ میری آرزوؤں کے باغات ہمکنار بہار ہو جائینگے

اختر۔ بے شک۔

شکنتلا۔ پیارے اختر آٹھ دس سال سے میں تیری زندگی کا مطالعہ کر رہی ہوں۔ تیرا اخلاص۔ ایثار اور صداقت میرے لئے ایک کھلی دعوت اسلام ہے۔

اختر۔ ہر مسلمان ایسا ہی ہوتا ہے۔ بشرطیکہ وہ اسلامی قوانین پر کاربند ہو۔

شکنتلا۔ ایک دو روز تک مزید غور کروں گی اور متوقع ہوں کہ کڑی سے کڑی قربانی دے کر بھی تمہیں اپنا بنانے میں دریغ نہ کروں گی۔

اختر۔ چلو۔ جلدی کرو۔

اختر نے شب بسری علاج و معالجہ کا مختانہ دیتے ہوئے گھر کی راہ لی۔

شکنتلا کا باپ (بیٹی کو دیکھکر اور بیچین ہوکر) کیوں اختر کیا ہوا تھا؟

اختر تمام واقعہ بیان کرتا ہے۔

شکنتلا کے والدین اختر کو دعائیں دیتے اور شکر گزار ہوتے ہیں۔ اختر کی والدہ اپنے نیک سرشت بچے کی بلائیں لیتی ہے۔

اسی اثناء میں ایک سپاہی سیٹھ صاحب کے مکان پر آتا ہے اور ڈرائیور کی ضمانت کے لئے کہتا ہے سیٹھ تھانہ میں پہنچ کر اپنے ڈرائیور کی مصیبت بھری داستان سن کر اسے نجات دلاتا ہے۔

جب شکنتلا بالکل تندرست ہو گئی تو ایک روز رات کو اختر کے کمرے میں جبکہ وہ کتاب کے مطالعہ میں کھویا ہوا تھا داخل ہوئی۔ تقریباً اس وقت رات کے گیارہ بج چاہتے تھے۔

شکنتلا۔ چونکہ صحت ہو گئی۔ اسلئے بعد غسل صحت شکریہ کے لئے حاضر ہوئی ہوں۔

اختر۔ آج تو کچھ طور بدڈھب سے ہیں سراپا قیامت ہو مجسمہ جادو ہو۔ ہر آن انداز تیز اور خونریز ہے خنجر ابرو کام تمام کر رہا ہے۔ گیسوئے مشکیں کاٹے کھاتا ہے۔ آرائش و زیبائش کی نمائش ہے یا اہل دل کے ارمانوں کا طشت لالہ زار۔ زاہد دیکھ پائے تو لامحالہ پھسل جائے۔ پیر فرتوت تماشا کرے تو خود تماشا بن جائے۔ اصنام دیکھ پائیں تو سروں کو جھکائیں۔

شکنتلا۔ کیوں بناتے ہو۔

اختر۔ سچ کو جھٹلاتے ہو۔ یہ نئی بات نہیں حسینوں کی عادت اور ماہوشوں کی فطرت ہے۔

شکنتلا۔ چھوڑو کتاب ذرا ادھر تو آؤ۔

اختر اٹھتا ہے مگر پلنگ کے پاس کھڑا ہوکر۔ فرمائیے

شکنتلا۔ بیٹھ جاؤ

اختر نیچے دری پر بیٹھنے لگتا ہے۔

شکنتلا گلے میں حائل ہو جاتی ہے

پر میرے ساتھ بیٹھو۔

اختر۔ پیاری شکنتلا۔ اس میں شک نہیں کہ چودھویں کا چاند بھی ماند ہے اور گل لالہ کا منہ بھی کالا ہے۔ گلاب آب آب ہے ؎

لاتے فلک بنا کے اگر سو ہزار چاند
ہو جاتے تیرے چہرے پہ اک اک نثار چاند
پیشانی چاند' چاند' ذقن اور عذار چاند
حق نے لگائے ہیں ترے چہرے کو چار چاند

مگر مسلمان کا ایمان اتنا سستا اور ارزاں نہیں۔ اپنے سوزِ غم کو بدل دو۔ راہِ خرافی اختیار نہ کرو۔ ورنہ ندامت کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

شکنتلا۔ تم اس کنیز کو پامال نہ کرو۔

اختر۔ تم بھی ہوس کو چنڈال نہ کرو۔

شکنتلا۔ رحم کھاؤ۔ دکھے دل کو اور نہ دکھاؤ۔

اختر۔ باتیں نہ بناؤ۔ راہِ راست پر آؤ۔

شکنتلا۔ میرے نازک جذبات کا احساس کرو۔

اختر۔ میری غیرت اور میرے ایمان کا پاس کرو۔

شکنتلا۔ میں دل کے ہاتھوں سخت مجبور ہوں

اختر۔ قانونِ الٰہی توڑنے سے معذور ہوں

شکنتلا پاؤں پر گر پڑتی ہے اور عہد کرتی ہے کہ صبح جامِ رحمت سے سرشار ہو کر ہمیشہ کے لئے خادمہ بننے کی عزت حاصل کروں گی۔

نغمۂ ساز سے مسرور رہیں اہلِ طرب!
دردمندوں کیلئے میری فغاں حاضر ہے

الغرض پہلے پہل آئینہ کا حاضر ہے
مہرِ الفت کا مرے دل پہ نشاں حاضر ہے

(جناب حبیب احمد بیدل بٹالوی)

داستانِ غم

جناب ضیا فتح آبادی ایم اے

رات کو جب تارے اپنے روشن گیت سنائینگے
ہم بھی دل کی گرمی سے دنیا کو گرمائینگے

پھول ذرا کھل جائیں تو صحنِ گلشن میں ساقی
اِک پیمانہ چیز ہے کیا میخانہ پی جائینگے

اُن کے دیوانوں کا ہے کوچے کوچے میں چرچا
وہ اپنے دیوانوں کو کب سمجھانے آئینگے

ساقی کو بیدار کرو میخانہ کیوں سونا ہے
بادل گھِر کر آئے ہیں میکش بھی آجائینگے

اُن سے کہتے جاتے ہیں بیتابی دل کی لیکن
وہ رُودادِ غم سُن کر دیکھیں کیا فرمائینگے

پھولو تم محفوظ رہو بادِ خزاں کے جھونکوں سے
اب ہم رخصت ہوتے ہیں پھر کب واپس آئینگے

ساون کی برساتوں میں تیرا ملہاریں گانا
یہ لمحے یاد آئینگے یاد آکر تڑپائیں گے

وہ سوتے ہیں سونے دو وا ہے آغوشِ الفت
کہتے کہتے افسانہ ہم بھی تو سو جائیں گے

باقی اِک رہ جائیگا نقش ضیائے الفت کا
دنیا بھی مٹ جائیگی اور ہم بھی مٹ جائینگے

پان والی

جناب ارشاد احمد صاحب لاہور

تھوڑے عرصہ کا واقعہ ہے کہ ایک پان والی نے کلکتہ شہر میں ایک دوکان کو لوٹولہ میں لے رکھی تھی۔ چونکہ وہ ایک عام گذرگاہ تھی۔ اسلئے صبح اور شام اسکی دوکان پر دفتر کے ملازمین کا خاصہ میلا لگا رہتا تھا۔ بعض آدمیوں کا معمول ہو گیا تھا۔ کہ دفتر جاتے وقت اور دفتر سے آتے وقت ضرور اسکی دوکان سے پان کھاتے تھے اور ہر کس و ناکس اس کے پان کی تعریف کیا کرتا تھا۔

پان والی کی عمر پچیس چھبیس سال کے لگ بھگ تھی۔ اگرچہ اس کے منہ پر ہر وقت گھونگٹ رہتا تھا مگر اس کا سڈول جسم اسکی خوبصورتی ظاہر کرنے کے لئے کافی تھا وہ ہر وقت اپنے سر کو نیچا کر کے اپنے کام میں مشغول رہتی۔ کبھی قینچی سے پانوں کی کتر بیونت اور کبھی چھالیہ کو کترنا اور کبھی پان لگانا غرضیکہ وہ اسی کام میں مشغول رہتی تھی اور کبھی بھول کر بھی اس نے اپنے سر کو اونچا نہیں اٹھایا تھا۔ اور نہ ہی کسی نے اس کو کسی گاہک سے بات کرتے دیکھا تھا۔ وہ ہر وقت اپنے کام میں مگن رہتی تھی۔ اسی وجہ سے اسکے اخلاق کا چرچا شہر کے ہر ایک آدمی کی زبان پر تھا۔ نوجوان دل پھینک کلرک اسکے ساتھ دل لگی کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ مگر ان کی ہمت ان کو جواب دے دیتی تھی۔

پان والی کا نام منیا تھا اور اسکی کہانی بھی عام ہندوستانی مستورات کی کہانیوں کی طرح تھی۔

وہ اپنے والدین کی اکلوتی لڑکی تھی۔ اس کی شادی دس سال کی عمر میں کر دی گئی تھی۔ اگرچہ یہ بالکل صحیح ہے کہ اس وقت وہ شادی کی اصل غرض و غایت کو نہ سمجھ سکتی تھی مگر اس رسم کی شان و شوکت اور اپنی تبدیل ہیئت اس کے دل پر نقش ہو گئی تھی اور وہ اپنے نئے ریشمی اور رنگدار کپڑے اور زیورات دیکھ کر دل میں خوش ضرور رہتی۔ اور اپنے خاوند کی یاد میں محو ہونے کی کوشش کرتی تھی مگر جگت کی تصویر (جو کہ بچپن میں اس کے ساتھ کھیلا کرتا تھا) اس کے دل میں اس طرح سمائی تھی کہ وہ اسکو اپنے دل سے نکال نہیں سکتی تھی اور اس کا دل ہر وقت اسی کی ٹوہ میں لگا رہتا تھا اور کسی فیصلے پر نہ پہنچنے کی وجہ سے وہ اکثر پریشان رہتی تھی۔

اس وقت بھی منیا یعنی پان والی اپنے دل میں ان واقعات کو دوہرا رہی تھی کہ کسطرح وہ خوشی حاصل کرنے کے لئے اپنے خاوند کو چھوڑ کر جگت کے ساتھ کلکتہ آ گئی تھی اور کس طرح اسکے عزیز ترین خواب تباہ و برباد ہو گئے تھے۔ کلکتہ پہنچنے کے جلد ہی بعد منیا کو معلوم ہوا کہ وہی پہلے والی بے چینی اس کے دل پر دوبارہ قبضہ کر رہی ہے وہ نہیں جانتی تھی کہ پہلے اس کا دل کیا چاہتا تھا اور اب کیا چاہتا ہے یہ بات اسکی سمجھ میں بالکل نہیں آئی تھی۔ البتہ یہ بات ضرور تھی کہ اب اس کا دل اکثر اپنے خاوند کی یاد میں بے چین

رہتا تھا۔ اور یہ زندگی بھی اس کو خوش نہیں کرسکتی تھی اور
وہ اب اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتی تھی کہ اپنے خاوند
کے پاس ہی چلی جائے کیونکہ اپنے کئے پر نادم تھی کس منہ سے
خاوند کے پاس جائے۔ آخرکار اس نے حکمت کو بھی چھوڑ
دیا اور دنیا میں اکیلے رہ کر زندگی بسر کرنے کی ٹھان لی
یہ ہے کہانی جس طرح اس نے پان والی کا پیشہ اختیار کیا تھا
اس کی دوکان کے ساتھ ہی ایک نوجوان کتب فروش
نے دوکان لے رکھی تھی۔ اس نے بہت سی نئی اور سیکنڈ
ہینڈ کتابیں جمع کرکے نہایت سلیقہ سے مختلف الماریوں میں
سجا رکھی تھیں۔ لیکن کتابوں کی عام بکری نہ ہونے کی وجہ سے
بیکار بیٹھا ہوا صرف پان والی کی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھتا
رہتا تھا۔ اور پان والی کو ہمیشہ اپنے کام سے کام تھا۔

کتب فروش بیکاری اور تنہائی کو بری طرح محسوس
کرتا تھا اور اسکے دل کی بڑی خواہش یہ تھی کہ کسی طرح
اس پان والی سے راہ و رسم پیدا کرکے اس تنہائی کی تکلیف
کا ازالہ کرے مگر اسکو یہ جرأت نہیں ہوتی تھی کہ پان والی
سے کوئی بات کرے۔ اس کے دل میں ایک ڈر سمایا ہوا
تھا۔ جو اسے پان والی سے دور رہنے پر مجبور کرتا تھا اور وہ
اپنے دن نہایت خاموشی بے چینی کے ساتھ گزار رہا تھا

ایک دن دوپہر کے وقت پان والی اپنا کام ادھورا
چھوڑ کر خلاف معمول ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ کتب فروش
موقعہ کو غنیمت جان کر آرام سے اسکی دوکان پر گیا۔ اور
اسکے قریب ہی بیٹھ گیا۔

اس نے آہستہ سے کہا میرے لئے ایک پان لگا
دو۔

آواز اور شکل سے شناسا ہونے کی وجہ سے حیران ہوکر
پان والی نے اسکی طرف دیکھا اور اپنے گھونگٹ کو ذرا اور نیچے
سرکا لیا اور پان لگا کر نہایت سریلی اور میٹھی آواز میں کہا۔ کہ
پان حاضر ہے۔ کتب فروش نے پان لے لیا اور بغیر کچھ کہے
چلا گیا۔ جو کچھ اس نے پان والی کو کہنے کے لئے سوچا ہوا تھا
وہ دل کا دل ہی میں رہا۔ اسکو جرأت ہی نہیں ہوئی کہ اظہار
مافی الضمیر کرسکے۔

اگرچہ بات کچھ بھی نہیں تھی مگر ساتھ ہی اسکے لفظ (پان
لگا دو) نے اس کے دل پر ایک گہرا اثر کیا۔ جس کے سبب
وہ اظہار ناراضگی سے قاصر رہی۔ ان دو لفظوں میں جادو کا
اثر تھا۔ یہ آواز اسکی پہچانی ہوئی آواز تھی۔ چند برس
پہلے وہ ہر روز ایسی آواز سنا کرتی تھی۔ اس کا خاوند اس کو
پان تیار کرنے کے لئے اسی طرح اور اسی لہجہ میں کہا کرتا تھا
غرضیکہ کتب فروش کی آواز بالکل اس کے خاوند کی آواز سے
ملتی تھی۔ یہ آواز اس کے دل کی گہرائیوں میں گھر کر گئی۔ اور
اسکے پرانے زخم از سر نو تازہ ہوگئے۔ آنسو آنکھوں سے نکلنے
کے لئے بے تاب ہو رہے تھے۔ لیکن اس نے حوصلہ سے
کام لیتے ہوئے آنسوؤں کو روکا۔ وہ چاہتی تھی کہ تمام
دنیا کو اس کے روگ کا علم ہو جائے مگر وہ ایک عجیب
کشمکش میں تھی اور ایک عجیب قسم کی بے چین کر دینے والی
حالت اس پر طاری تھی اور کتب فروش چپ چاپ بیٹھا
ہوا دیکھ رہا تھا۔ مگر اسکے چہرہ پر کسی قسم کی حیرانی کے آثار
نہ تھے۔ اس رات پان والی جب اپنے گھر گئی تو تنہائی میں
بیٹھ کر خوب روئی اور روتے روتے ہی اسکو نیند کا غلبہ
ہوا اور وہ سو گئی۔ رات بھر اسکو خاوند اور کتب فروش
کے خواب آتے رہے۔ صبح کو جب اٹھی تو اسکی طبعیت
بالکل درست تھی۔ اور اب وہ اس قابل تھی کہ گرہست

رونی کی باتوں کو صحیح طور پر سمجھ سکے۔ پہلا خیال جو اسکے دل میں پیدا ہوا وہ یہی تھا کہ کتب فروش بالکل بے قصور ہے اس لئے کہ اسنے صرف ایک پان مانگا تھا، پھر کیا ہوا؟ میں ہوں بھی تو ایک پان والی۔ پھر اگر کوئی مجھ سے پان مانگے۔ تو کیا وہ قصوروار ہے۔ ہرگز نہیں۔ میری ناراضگی غلط اور بیجا تھی۔

مندرجہ بالا خیالات کو دماغ میں لئے ہوئے وہ اپنی دوکان پر پہنچی۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنی دوکان کھولے اس نے کتب فروش کی دوکان پر نظر ڈالی۔ مگر دوکان بند دیکھ کر ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔ مگر کتب فروش کو نہیں دیکھا لہذا وہ اپنی دوکان کھول کر پان تیار کرنے میں مشغول ہوگئی کتب فروش اس دن تو کیا بلکہ ایک ہفتہ تک غائب رہا۔

میں بغیر وجہ کے اس سے رنجیدہ ہوگئی ہیں اپنے برتاؤ کی وجہ سے نادم اور قصوروار ہوں۔ غرضیکہ ہر روز کتب فروش کا قصور پان والی کی نگاہ میں کم ہو رہا تھا۔

ایک ہفتہ کے بعد کتب فروش اپنی دوکان پر آیا۔ اس کے چہرے پر بیماری کے آثار نمایاں تھے۔ پان والی نے نہایت شیریں اور جادو بھری آواز میں کتب فروش سے مخاطب ہوکر کہا۔

حضور کے مزاج کیسے ہیں۔ کتب فروش اس غیرمتوقع سوال پر سخت حیران ہوا۔ اور کچھ دیر سوچنے کے بعد اسنے جواب دیا کہ مجھے بخار تھا۔ اسلئے اتنے دن یہاں نہیں آسکا اس سکوت کے ٹوٹنے کے بعد وہ ایک دوسرے سے رسمی گفتگو کرتے رہے۔

جوں جوں پان والی اسکی باتیں سنتی اسکو اپنا خاوند یاد آجاتا۔ وہ خاموشی کے ساتھ اسکی باتیں سنتی اور گزشتہ واقعات اس کی آنکھوں کے سامنے آتے رہتے کتب فروش نے اسی طرح اپنی زندگی کے تمام حالات کہہ ڈالے۔

ایک دن موقعہ پاکر پان والی کی خاموشی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کتب فروش نے اس سے کہا کہ چونکہ میں تنہائی کی زندگی کو بری طرح محسوس کرتا ہوں۔ اس لئے ضروری ہے کہ آپ بھی تنہائی سے تکلیف میں ہونگی۔ لہذا کیا یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم دونو ملکر زندگی بسر کرنی شروع کردیں۔ اس نے اپنی بات منوانے کے لئے بہت دلائل بھی دئے اور جواب کا انتظار کرنے لگا۔ مگر پان والی خاموش رہی۔

کتب فروش اسکی خاموشی کو سمجھ نہ سکا اور اس نے کہا بہتر ہے اگر آپ اس وقت جواب نہیں دے سکتیں تو کوئی مضائقہ نہیں ان کا خوب غور و خوض کے بعد کل جواب دے دینا۔ لیکن اس کے جواب میں اس نے ایک سرد آہ بھری اور چپ ہو رہی۔

دوسرے دن وہ اپنی دوکان پر معمول سے جلدی آگئی اسلئے کتب فروش کے لئے جواب کا کوئی فیصلہ نہ کرسکی۔

تھوڑی دیر کے بعد کتب فروش بھی آگیا اس نے اپنی کتابیں قرینے سے سجائیں اور پان والی کے پاس آکر دریافت کیا کیا آپ نے فیصلہ کرلیا ہے۔

"نہیں ابھی نہیں" اس نے جواب دیا۔

"کیوں کس لئے؟" کتب فروش نے تعجب سے پوچھا اس کا جواب سنے بغیر کتب فروش نے پوچھا۔ تب آپ میرے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتیں؟

"نہیں" اس نے جواب دیا

"کیوں"

"کیونکہ میں نہیں جانتی کہ آپ مجھے کیا خیال کرتے ہیں"

کتب فروش نے طنزاً کہا "میں تمہیں کیا خیال کرتا ہوں تم ....

کتب فروش کے اس فقرہ کو ختم کرنے سے پیشتر ہی پان والی نے اپنی قینچی اس کی طرف پھینکنی چاہی۔ یہ دیکھ کر کتب فروش قینچی چھیننے کے لئے اس پر جھپٹا۔ یہ جھپٹ پان والی کو پیچھے گرانے کے لئے کافی سے زیادہ تھی۔ وہ کھمبے سے ٹکرائی اور اس کا سر پھوٹ گیا۔

اس کو گرتے دیکھ کر لوگ دوڑے اور ان دونوں کے گرد جمع ہو گئے۔ ایک سپاہی بھی موقع پر آ گیا اور معاملہ کے متعلق تفتیش کرنے لگا۔ لوگ بھی اپنے اپنے خیال کے مطابق رائے زنی کر رہے تھے۔

سپاہی نے پان والی سے سوال کیا" اس نے گھونگھٹ سیدھا کیا اور کہا
میں اس سے باتیں کر رہی تھی کہ اچانک میں بے ہوش ہو کر گر پڑی۔
اس نے مجھے کچھ نہیں کہا یہ بالکل بے قصور ہے
لوگ حیران تھے اور کتب فروش فاصلہ پر کھڑا چپ چاپ دیکھ رہا تھا۔ اس دن کے بعد سے پانوالی اور کتب فروش دونوں غائب تھے کسی کو معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کہاں گئے۔

رباعیات

ٹھٹک ٹھٹک کے جو بیٹھا ہوں صدا کی صورت
لوٹ آیا ہوں جا جا کے دعا کی صورت
آشفتگی زلف پریشاں کی قسم
آوارہ ہوں ہر سو کے صبا کی صورت

(۲)

پھر قافلۂ ابر رواں ہے ساقی!
دل سینے میں اک برق تپاں ہے ساقی
ساون کے یہ دن اور یہ بھیگی راتیں!
پیمانہ [illegible] گراں ہے ساقی

حضرت ضیا جعفری
پٹنہ

رباعیات

سامان قیام زندگی لایا ہوں
مضبوط نظام زندگی لایا ہوں
اے ملک اجل گرفتہ اے کشور ہند
خوش ہو کہ پیام زندگی لایا ہوں

(۲)

مذہب کی نگاہ میں خدا خالق ہے
حکمت کی نظر میں مادہ خالق ہے
لیکن کسے معلوم یہی خالق ہیں
یا اور کوئی ان کے سوا خالق ہے

از حکیم آزاد انصاری
دہلوی

آئینۂ غمِ دل

جلوۂ افکار حضرتِ رفیق عزیزی مدیر ماہنامہ "کامیاب" دہلی

مجھ سے یہ پرسشِ جرم اُن کو سزاوار نہیں
کہ میں ہوں بندۂ تقدیر گنہگار نہیں

کفر پر ہے ترے ایمان کی بنیاد اے شیخ
تیری تسبیح میں کیا رشتۂ زنّار نہیں؟

میں جو چپ ہوں بھی تو اسرارِ محبت نہ کھلیں
دل ہے آگاہ، مگر والبِ اظہار نہیں

ایک میں ہوں کہ تری یاد کا سودا ہے مجھے
ایک تو ہے کہ مرے غم سے خبردار نہیں

اس طرح چھیڑ نہ اسکو خلشِ لذتِ جور
یہ لبِ زخم ہے ظالم! لبِ سوفار نہیں!

یاد ہے اسکو مری چشمِ تصور کی ضیا
مجھ سے چھپنا مرے قاتل کو سزاوار نہیں

میں بنوں غیر تو ہے وصل کا وعدہ کیا چیز
یہ نہ کہیے کہ وہ آمادۂ اقرار نہیں

آپ سے یوسفِ کنعاں کو ہو نسبت کیونکر
آپ کا حسن متاعِ سرِ بازار نہیں

اہلِ عالم مجھے دیوانہ بتاتے ہیں مگر
میں یہ کہتا ہوں جہاں میں کوئی ہشیار نہیں

میرے اشعار غمِ دل کا ہیں آئینہ رفیقؔ
میرے اشعار بجز جلوۂ افکار نہیں

موٹر والی

ترجمہ:

از مرزا محمد اسلم بیگ تبسم مدیر معاون "دلگداز" لاہور

"اگر آپ نے کرسمس کبھی لگزوپیس[1] میں نہیں گزارا۔ تو آپ جانتے ہی نہیں کہ کرسمس درحقیقت کیا ہے"!

یہ تھا وہ اشتہار جو مذکورہ ہوٹل کی طرف سے کرسمس کے موقع پر شائع کیا گیا تھا۔ "لگزوپیس" سمرفیلڈ میں ساحل سمندر پر ایک چھوٹا سا نہایت نفیس ہوٹل تھا اس میں ہر اس آرائش و آسایش کا درحقیقت خیال رکھا جاتا تھا جس سے اس کے نام کی لاج رہ جائے۔

ہر ایک کمرے کو اکاس بیل اور دوسرے سدا بہار پھول اور پتوں سے سجایا گیا تھا۔ یہاں کے کھانے روح کو تازگی دیتے تھے۔ ہوٹل کے باہر ہاکی اور سکیٹنگ[2] کھیلنے کے لئے جھیل کے کنارے انتظامات کئے گئے تھے اور ہوٹل کے اندر برج بلیرڈ اور بیڈمنٹن وغیرہ کھیلنے کا سامان موجود تھا۔ رقص ہر شب نصف شب تک جاری رہتا تھا یا اگر آپ چاہیں تو کمرے کے اندر بھڑکتی ہوئی آگ کے سامنے اپنے آپ کو گرمی پہنچاتے رہیں۔ آپ کے ایک طرف مرکب شراب رکھی رہے اور دوسری طرف مصور رسالوں کا ایک ڈھیر۔

آپ خیال کرینگے کہ بل آبونز جیسا ایک آدمی جو تنگ و تاریک کمروں میں گیس کی جھنجھنی اور سنسناتی ہوئی آگ کے سامنے رہنے کا عادی ہو اور جسکی مالکہ مکان رات کے کھانے میں بھی خشک ران اور گوشت وار سمبوسے کھانے کو دے۔ وہ جب ایسے لطیف اور دلکش ہوٹل میں آیا ہو گا تو اپنے آپکو ایک جنت میں محسوس کرتا ہو گا۔ لیکن یہ تو آپ ہی کا خیال ٹھہرا کیونکہ اسے یہاں بھی سکون و اطمینان حاصل نہ تھا۔

جب بل نے سنا کہ اس کے مالک مسٹر ونگٹ نے اپنے تمام ملازمین میں سے صرف اسی کو منتخب کیا ہے تاکہ وہ اس کے ساتھ سمرفیلڈ جائے جہاں وہ اپنی فرم کی شاخ کھول رہا تھا۔ تو وہ خوشی کے مارے درحقیقت اچھلنے لگا۔

دفتر کے دوسرے تمام ملازمین اسے رشک کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

"واہ وا! یار ذرا خیال تو کرو لگزوپیس میں کیا ہی اچھی زندگی ہوتی ہوگی" ڈونوون نے کہا جس کو امید تھی کہ مالک کے ساتھ جانے کا قرعہ اسی کے نام پڑے گا۔

"یار کاروبار کے معاملہ میں مسٹر ونگٹ بڑا ہوشیار ہے غلطی کبھی نہیں کھاتا"

"اور عین کرسمس کے موقع پر جبکہ تمام ہوٹل میں رنگ رلیاں منائی جا رہی ہوں گی" تھومپسن نے کہا "دیکھ لینا آبونز تم بھی کسی کروڑپتی کی لڑکی کے ساتھ گلچھرے اڑا رہے ہو گے"!

بل نے بڑی خوشی اور جوش میں بنک سے اپنا تھوڑا بہت جمع شدہ روپیہ نکلوایا۔ ایک نیا سوٹ سلوایا اور ارادہ کر لیا کہ وہ کرسمس کے بعد تک ہوٹل میں اپنے خرچ پر رہیگا

---

[1] عشرت نواز

[2] برف بازی

بشرطیکہ اس کا وقت دلچسپی میں گزر گیا۔

لیکن بل کو جلد ہی معلوم ہو گیا کہ امیر آدمیوں میں رہنا آسان نہیں ہے۔ اور نہ ہی ایک لمحہ کے لئے اپنے آپ کو امیر آدمی سمجھا جا سکتا ہے۔

وہ اکیلا تھا۔ اس کے پاس کچھ نہیں تھا اور اب اس عشرت پسند ہوٹل میں جو اُن نوجوان انسانوں سے بھرا پڑا تھا۔ جنہیں سیر و تفریح اور عیش و عشرت کے سوا اور کوئی کام نہیں تھا۔ اس کے دل میں بھی تین ہفتے گزرنے کے بعد ایک زبردست حسرت پیدا ہوئی کہ کاش میرے ساتھ بھی ایک ایسی رفیقۂ حیات ہو جو بالکل میری طرح ہو۔ جو اپنا گذارہ خود کر سکتی ہو جس طرح میں کر سکتا ہوں اور جو یہ بخوبی سمجھ سکتی ہو کہ ایک آدمی کو دنیا میں اپنا راستہ بنانے کے لئے کس قدر مصائب و آلام سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

سیڑھیوں سے اترتے وقت بل کے دل میں اسی قسم کے خیالات جاگزیں تھے اس نے سوچا کہ چلو کھانا کھانے سے پہلے تھوڑی دور تک سیر کر آئیں۔ اسی وقت اسکی نظر ایک چھوٹی سی سُرخ کار پر پڑی۔ وہ ٹھٹک گیا۔ کیونکہ موٹر کو چلانیوالی لڑکی بالکل اسی قسم کی لڑکی تھی جس کے تخیل کے ساتھ وہ ابھی ابھی دنیائے دل آباد کر رہا تھا۔

موٹر والی لڑکی کی بھوری آنکھیں بڑی شوخ اور چمکدار تھیں۔ اس کی مدور ٹھوڑی میں ایک خاص قسم کا جھکاؤ تھا اور اسکے خوبصورت منہ اور ہونٹوں سے شرارت ٹپکی پڑتی تھی۔ " ہاں یہی وہ لڑکی ہے جسے میں اپنی رفیقۂ حیات بنانا چاہتا ہوں"!

بل نے سوچا اور پھر خود ہی ہنس پڑا۔ ایک مفلس و قلاش سیکرٹری کو ایسا سنہری موقعہ ملا تھا کہ وہ ایسی عورت کو رفیقۂ حیات بنائے جس کے پاس ایسی خوبصورت کار تھی۔ جو بذاتِ خود جواہرات کی ایک ڈبیہ تھی۔

اس عرصے میں لڑکی نے عین ہوٹل کے سامنے گاڑی کو بڑی پھرتی سے بریک لگائی۔ اندر سے ایک ملازم دوڑتا ہوا آیا۔ لڑکی نے اس کو ایسی صاف اور شیریں آواز میں آرڈر دیا جو اس کے مکمل حسین ہونے کا ثبوت دے رہی تھی۔

" میری کار کو گیراج میں لے جاؤ ذرا صاف ہونے والی ہے۔ اور پیٹرول کی ٹینکی کو بھی بھروا دینا۔ میرا نام ونٹر ہے مس اوڈرے ونٹر"

" ملازم نے جھک کر سلام کیا" محترمہ! میں ابھی ہوٹل کے شوفر کو بھیجتا ہوں"

اوڈرے بڑی نزاکت سے کار سے نیچے اتری۔ اس نے ڈرائیوری کا لباس پہنا ہوا تھا۔ ایک چمڑے کا گلابی کوٹ جس کے کالر پر اعلیٰ درجہ کا سمور لگا ہوا تھا اور سر پر اسی قسم کی ایک ٹوپی تھی۔ اور بل نے جو اس ڈرائیوری کے لباس کی قیمت کا اندازہ دو کانوں کی کھڑکیوں سے باہر کھڑے ہوئے لگایا کرتا تھا۔ ایک آہ بھری کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس قسم کا ایک لباس خریدنے میں اس کی ایک ماہ کی پوری تنخواہ صرف ہو جائے گی۔

اس نے اس لڑکی کی جی بھر کر تعریف کی جبکہ وہ لچکتی ہوئی اور بل کھاتی ہوئی سیڑھیاں چڑھکر اسی کیطرف آ رہی تھی۔ اس نے سوچا کہ دنیا کی ہر لڑکی کی چال ایسی ہی ہونی چاہیئے۔ یعنی اس کے ہر ہر قدم پر سو سو مرتبہ لچک پیدا ہو اور اسکی ٹھوڑی اسی طرح اوپر کو اٹھی ہوئی ہو گویا وہ تمام دنیا پر حکمران ہے۔

لیکن اوڈرے نے ابھی کافی دور نہیں پہنچی تھی کہ نیلے

رنگ کے لباس میں ملبوس ایک لڑکی ہوٹل کے اندر سے بھاگتی ہوئی آئی اور اس نے آتے ہی اپنی بانہیں اس کے بازوؤں پر رکھ دیں۔

" اوڈرے ! کیسی خوش قسمتی ہے ۔ میں نے تمہیں کھڑکی سے ہی دیکھ لیا تھا لیکن مجھے تو اپنی آنکھوں پر اعتبار نہیں آتا تھا کیا تم مجھے پہچانتی ہو ؟ ضرور پہچانتی ہوگی میرا نام بیبس سٹینپس ہے"

" بے شک میں تمہیں پہچانتی ہوں بیبس ! ہم پچھلے سال باتھ میں ملی تھیں ۔ ہیں نا !"

" ہاں تمہیں وہ بھی یاد ہے نا جب ہم تمہاری کار میں سیر وسیاحت کے لئے اتنے اتنے لمبے چکر کاٹا کرتی تھیں ؟ اوہو تم تو بڑی خوش قسمت ہو ۔ یہ نئی کار اور لے لی ؟"

" ہاں یہ ننھی منھی سی کار بڑی خوبصورت لگتی ہے ۔ آؤ میں تمہیں دکھاؤں۔"

دونوں لڑکیاں پھر آہستہ سے واپس ہوگئیں اور اچانک ہی بل بھی سر ہتھیلی پر رکھ کر ان کے پیچھے ہو لیا ۔ اگرچہ اوڈرے بڑی دولتمند تھی وہ کسی کام کاج پر بھی مامور نہ تھی ۔ پھر بھی بل چاہتا تھا کہ اس سے تعارف حاصل کرے اور متعارف ہی ہونے کے لئے وہ جا بھی رہا تھا۔

" عصر بخیر مس سٹینپس" ! مسکراتے ہوئے وہ بیبس سے مخاطب ہوا۔

" اوہ عصر بخیر !" بیبس نے اس کا نام سوچتے ہوئے رک کر کہا۔

" مسٹر ---- ار ---- یہ مسٹر ایونز ہیں مس ونٹرا"

"بہت خوب ! خیریت ہے مسٹر ایونز ؟" اوڈرے نے ننھا سا خوبصورت ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا "میں انہیں اپنی کار دکھانے کے لئے لے جا رہی ہوں ۔ آپ بھی آئیے گا ؟"

بل بھی دونوں لڑکیوں کے ساتھ کار کی طرف چل پڑا ۔ کار درحقیقت دلکش تھی ۔ اس کا رنگ روغن خوب چمک رہا تھا اور اس کا دوسرا ساز و سامان بھی نہایت نفیس تھا ۔ اس کے ریڈی ایٹر پر بیٹھا ہوا ایک خوبصورت ابابیل دکھایا گیا تھا جو پروں کو تول کر مائل پرواز ہو ۔ یہ موٹر کی خوبصورتی اور رفتار کے نشان کے طور پر تھا۔

" تم ہمیشہ سوالو گاڑیاں ہی خریدتی ہو اوڈرے ! یہ عجیب بات ہے ؟" بیبس نے پوچھا

" ہاں کچھ ایسی ہی بات ہے ! یہ ایسی کار ہے کہ دوسری کوئی کار اسے مشکل ہی سے جیت سکتی ہے ۔ اس کا انجن تو ہلکا پھلکا اور چلنے میں نہایت تیز ہے ۔ اور اس سال تو کمپنی والوں نے اس کے اندرونی حصے میں بہت زیادہ ترمیم و اصلاح کر دی ہے ۔ بس اب تو آدمی ہے جیسے کوئی پروں کے بستر پر سفر کر رہا ہو ۔ ہاں خوب یاد آیا تم نے یہ چھوٹا سا علیحدہ خانہ بھی دیکھا ہے بیبس ؟"

اس نے کار کے اندر ایک سپرنگ کو چھوا پھر ایک چھوٹی سی لکڑی کو کھینچا فوراً اس کے ہاتھ میں ایک سلگا ہوا سگریٹ آگیا۔

" اوہ کمال ہے" بیبس نے چلا کر کہا تم تو ہمیشہ نئے نئے ڈیزائن کے خانے موٹروں میں لگواتی رہتی ہو ۔ اچھا میں بھی ابا سے کہوں گی کہ وہ مجھے بھی ایسا ہی ایک لگوا دیں"

" اور تم نے ابھی چھوٹا سا میخانہ تو دیکھا ہی نہیں ادھر دیکھو"

---

۵ سوالو Swallow.

اس نے موٹر کا پچھلا دروازہ کھولا تاکہ انہیں چھوٹی سی الماری دکھائے اس میں چھ گلاس تھے اور اسی قسم کے دوسرے لوازمات بھی موجود تھے۔ جیسے کہ یہ ایک مکمل مے خانہ تھا۔

ہیتس حیران و ششدر کھڑی تھی۔

"یقیناً آبا ایک ایسا ہی سیٹ خریدیں گے" اس نے کہا "وہ ہمیشہ جب دیہات میں جاتے ہیں تو جو خمریات انہیں وہاں ملتی ہیں وہ بہت ردی اور گھٹیا درجے کی ہوتی ہیں اس لئے وہ ہمیشہ اس بات پر ناک بھوں چڑھایا کرتے ہیں۔ اب وہ یہ خرید کر خود ہی تمام انتظام کرلیا کریں گے۔ ہیلو! یہ میری دوست لڑکیاں جارہی ہیں۔ ہیلو میبو! ہیلو وی!" اس نے لڑکیوں کے ایک گروہ کی طرف ہاتھ ہلا کر اشارہ کیا جو ہوٹل کے اندر جارہی تھیں "ذرا ادھر آنا میں یہ چھوٹی سی کار تمہیں بھی دکھانا چاہتی ہوں"۔

تھوڑے ہی عرصے میں اوڈرے اور اسکی کار کے گرد ٹھٹ سا لگ گیا اور بل اس چیز پر برافروختہ سا ہو کر چپکے سے کھسک گیا کہ کھانے کے لئے دوسرا لباس تبدیل کرے۔ اس نے اپنے دل میں کہا۔ ہے تو چوٹی کی حسین! لیکن کاش! یہ کبھی اتنی حیثیت کی ہوتی جتنی حیثیت کا میں ہوں۔

جب وہ نیچے اترا تو سب سے پہلے جس شخص پر اسکی نظر پڑی وہ اس کا مالک مسٹر ونگٹ تھا۔ جو کہ ہوٹل کے نچلے حصے کے ایک کونے میں بیٹھا ہوا شغلِ مے نوشی کر رہا تھا۔ اسکے ہاتھ میں شام کا اخبار تھا۔

بل اپنے مالک کو سراہتا بھی تھا اور اس سے نفرت بھی کرتا تھا۔ سراہتا تو اسلئے تھا کہ مسٹر ونگٹ اپنا کاروبار کرتا تھا لیکن نفرت اس لئے کرتا تھا کہ اسکو اپنی دولتمندی پر ناز تھا اور اس ناز کا خمیازہ دوسروں کو بھگتنا پڑتا تھا۔ اگرچہ وہ اپنے سکرٹری کے ساتھ عام طور پر نہایت اچھا سلوک کرتا تھا اور اکثر پیچیدہ معاملات میں اسی سے صلاح و مشورہ بھی لیا کرتا تھا لیکن اچانک ہی اس کو یاد آجاتا کہ اسکی حیثیت ایک مالک کی سی ہے اور وہ اس حیثیت کو قائم رکھنے کے لئے بیچارے کو ذرا جھاڑ ڈال دیتا۔

اس نے اب بل کو دیکھا اور سلام کے جواب میں اپنے گلاس کو ہلایا۔ "ہیلو ایونز!" اس نے ایک لمبا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا "تم نے وہ ٹائپ کا کام ختم کرلیا ہے؟ خوب! ہاں بھئی سنو تو۔ ایک بڑی چلبلی اور نہایت خوبصورت لڑکی ابھی ابھی اندر آئی تھی۔ اس نے سرخ موٹر چلانے والا کوٹ پہنا ہوا تھا۔ اور اسکی چال تو ایسی تھی۔ جیسے کوئی شہزادی جارہی ہے کیا تمہارا کسی طریقے سے اسکے ساتھ تعارف ہے؟"

"میرا خیال ہے۔ اس کا نام مس ونٹر ہے" بل نے نہایت ترشروئی سے جواب دیا "مس مسٹلیس نے ابھی ابھی مجھے اس سے متعارف کرایا ہے۔"

"خوب! اچھا جب تمہیں موقع ملے تو میرا بھی اس سے تعارف کراؤ۔ آہا وہ آرہی ہے۔ خدا کی قسم کیسی اچھی چیز ہے کوئی نقص تو اس میں نظر ہی نہیں آتا۔"

یہ اوڈرے ہی تھی وہ کھانے کے ایک سیاہ فراک میں ملبوس اس وقت قابل پرستش معلوم ہوتی تھی۔ اس کی آنکھیں بل کی آنکھوں سے چار ہوئیں اور ایک شیریں مسکراہٹ اس کے لبوں پر کھیل گئی۔ بل جلدی سے اسکے پاس جا کھڑا ہوا۔

"اب آپ نے موٹر کی جدائی کیسے برداشت کرلی!" اس نے مسکراتے ہوئے کہا

"ہاں" اس نے ہنستے ہوئے جواب دیا "کیا میری کار

فی الواقعہ خوبصورت نہیں ہے۔"

"بہت خوبصورت ہے" لیکن بل کاروں کے متعلق باتیں نہیں کرنا چاہتا تھا۔ خواہ وہ خوبصورت ہوں یا بدصورت

"آپ کو معلوم ہے لوگ رات کو کھانا کھا کر یہاں رقص میں بھی حصہ لیتے ہیں" اس نے بڑی بیتابی سے کہا "کیا میں بھی آپ کے ساتھ ایک دو مرتبہ ناچنے کا شرف حاصل کر سکتا ہوں"

"ہاں ہاں ضرور، میں تو رقص کو دل و جان سے پسند کرتی ہوں کیا آپ بھی رقص میں شامل ہوا کرتے ہیں؟"

"ہاں جب کبھی موقع ملتا ہے۔ لیکن میرے مالک کو ایک یہ بری عادت ہے۔ کہ وہ عین درمیان میں ہی آ کر کوئی نہ کوئی کام بتا دیتا ہے"۔

"آپ کا مالک؟" اس نے نہایت حیران ہو کر پوچھا۔

"ہاں" بل چاہتا تھا کہ اسکی حیثیت بالکل ظاہر ہو جائے "میں مسٹر ونگ کا سیکرٹری ہوں۔ وہ آدمی جو وہاں کونے میں بیٹھا ہوا ہے وہ اپنے کارخانے کی ایک شاخ یہاں کھولنا چاہتا ہے اور اسی لئے مجھے اپنے ساتھ لے آیا ہے۔ یہاں مجھے گدھے جتنی محنت کرنا پڑتی ہے"۔

"اچھا!!" لڑکی نے اسے سر سے پاؤں تک گھورتے ہوئے کہا پھر اس نے اچانک بات کا رخ بدل دیا۔

"کیا آپ یہاں کافی دنوں سے قیام پذیر ہیں؟ بڑی عنایت ہو گی۔ اگر آپ مجھے ان تمام لوگوں کے متعلق تھوڑی تھوڑی واقفیت بہم پہنچائیں جو یہاں ٹھیرے ہوئے ہیں"۔

دونو وہاں کھڑے ہو کر کچھ دیر باتیں کرتے رہے۔ حتیٰ کہ بل کو اپنے کندھے پر ایک بھاری سا ہاتھ محسوس ہوا "ایونز میرا ان سے تعارف کراؤ" مسٹر ونگ نے آہستہ سے کہا

"اوہ" بل چاہتا تھا کہ اپنے مالک کو جان سے مار دے لیکن اس کے پاس "بڑی خوشی سے" کہنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ اس نے کہا

"مس ونٹر! یہ مسٹر ونگ ہیں"

"آپ کے مزاج تو اچھے ہیں مس ونٹر؟" مسٹر ونگ نے اس کا ننھا سا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا "میں نے ابھی ابھی آپ کو کار چلاتے ہوئے دیکھا تھا۔ مجھے آپ کی چھوٹی سی کار بڑی پسند آئی ہے۔ مجھے یہ تو بتائیے کہ ــــــــ"

اس کے بعد بل مسٹر ونگ کی گفتگو سے برگشتہ خاطر ہو کر پیچ و تاب کھاتا ہوا غصے اور غضب کا ایک طوفان اپنے دل میں لئے کھانا کھانے اندر چلا گیا لیکن جونہی کہ کھانے کے بعد گزک اور پھل وغیرہ کا دور ختم ہوا بل مسٹر ونگ کو قہوہ اور برانڈی پیتے چھوڑ کر سیدھا رقص گاہ میں گیا۔ او ڈرے پہلے ہی سے وہاں موجود تھی وہ اسے دیکھ کر مسکرائی۔ اور بل نے اسے اپنے ساتھ ناچنے کی درخواست کی۔

پہلے ناچ کے بعد بل نے خیال کیا کہ ہم دونوں اکٹھا ہی ناچنے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اور دوسرے ناچ کے بعد تو اس کا یہ خیال یقین کی حد تک پہنچ گیا۔ او ڈرے ان چند اعلیٰ درجے کی ناچنے والی عورتوں میں سے تھی جو بالکل خاموشی سے ناچتی ہیں اور کبھی دوسرے دوران رقص میں تھکاوٹ کا اظہار نہیں کرتیں اور جب ساز کے ترنم کی آخری تان ہوا میں گونجی۔ اس نے خوشی کی ایک آہ بھری۔

باقی باقی

جذباتِ الفت

نقاشِ سیرت محمد احمد اللہ خان منصور حیدرآبادی جانشین حضرت مولانا عبدالحلیم شررؒ

جس رخِ زیبا کے آگے مہر و مہ ہیں شرمسار — جس قدِ رعنا پہ قربان شاخِ طوبیٰ بار بار
جس نگاہِ فتنہ زا پر فتنۂ محشر نثار — گوہرِ دندان پہ صدقے لاکھوں درِ شاہوار
بھولنے کے کب ہے قابل جلوۂ دیدارِ یار

ہو چکی تیری محبت جب سے دل میں جاگزیں — دل ہیں تو آنکھوں میں تو سینے میں تو ہے بالیقیں
غیر ممکن ہے کہ ہو تیرا کوئی اب جانشیں — غیرِ دیدارِ صنم واللہ کچھ حسرت نہیں
بھولنے کے کب ہے قابل جلوۂ دیدارِ یار

رات دن تڑپاتا ہے شوقِ لقا دیوانہ وار — آشکارا ہو رہا ہے جذبِ دل بن کر بخار
تا بکے ضبط و تحمل تا کجا یہ اضطرار — دید سے تصویر کے آتا نہیں دل کو قرار
بھولنے کے کب ہے قابل جلوۂ دیدارِ یار

رہروانِ جادۂ الفت کی منزل ہی نہیں — یہ وہ بحرِ بیکراں ہے جس کا ساحل ہی نہیں
لذتِ پیکاں سے جو غافل ہو بسمل ہی نہیں — آرزوئے غیر ہو جس دل میں وہ دل ہی نہیں
بھولنے کے کب ہے قابل جلوۂ دیدارِ یار

ابتدا و انتہا سے عشق کو کیا کام ہے — مخزنِ جذبات کا ادنیٰ سا یہ اک نام ہے
صبحِ صادق ہے یہ وہ جس کی نہ کوئی شام ہے — گوشۂ تربت ہی اس آغاز کا انجام ہے
بھولنے کے کب ہے قابل جلوۂ دیدارِ یار

کو بکو رسوائے الفت کی حکایت ہو تو کیا — بے مروت کی زباں پر شکایت ہو تو کیا
بے رخی سے بے التفاتی کی عبارت ہو تو کیا — حشر برپا ہو تو کیا سر پر قیامت ہو تو کیا
بھولنے کے کب ہے قابل جلوۂ دیدارِ یار

آپ پابندِ وفا اور بے وفا میں ہی سہی — کج ادا کہتے ہیں مجھ کو کج ادا میں ہی سہی
خود غرض خودکام مطلب آشنا میں ہی سہی — مجرم و ملزم سزاوارِ سزا میں ہی سہی
بھولنے کے کب ہے قابل جلوۂ دیدارِ یار

بھول جا مجھکو جب اس سے دل تیرا مسرور ہو چھوڑ دے جب چھوڑ دینا ہی تجھے منظور ہو
کچھ بھی ہو لیکن تو مرے دل سے کیونکر دور ہو سامنے نظروں کے تو اور دار پر منصور ہو
بعد لٹنے کے کب ہے قابل جلوہ دیدار یار

واردات قلب

جناب آثم نظامی صاحب

اے دل وہ فسانہ مجنوں کا تو غور سے سنتی رہتی ہیں
آج اپنی کہانی بھی کہدے یہ دیکھ بھلا کیا کہتی ہیں

کب رنج و الم سے واقف تھی آزاد تھا جبکہ دل اپنا
اب ہر دم لب پر آہیں ہیں آنکھوں سے دریا بہتے ہیں

محتاج زبان و گوش نہیں الفت کا فسانہ محفل میں
وہ آنکھوں سے کچھ سنتے ہیں ہم آنکھوں سے کچھ کہتے ہیں

یا دن تھے کہ چین سے کٹتے تھے یا شب ہے کہ جس کی صبح نہیں
یا وصل کی دولت حاصل تھی یا ہجر کے صدمے سہتے ہیں

جو الفت کا دم بھرتے تھے اب چپ ہیں انہیں معلوم نہیں
کیا اپنے جی پہ گزرتی ہے کس حال میں آثم رہتے ہیں

ایک خاص خط کی نقل

مرسلہ مولانا محمد تقی گجرات

لفظ بہ لفظ بلا ترمیم

(گذشتہ سے پیوستہ)

وہ کہہ رہی ہے۔ جو نسیم کا جی چاہے کرے مجھ دکھیاری کی خوشی یہی ہے کہ اس پر کوئی آنچ نہ آنے۔ اس کا ایک بال بیکانہ ہو۔ اتنا ہی کہنے پائی تھی کہ فرط غم سے اسکی دونوں آنکھوں سے دو موٹے موٹے آنسو ڈھلک آئے۔ نسیم ماں کی ماستا کی قدر کر وہ ماستا جو تجھ سے باوجود دکھی ہونے کے تیرے دکھ کو نہیں دیکھ سکتی۔ نسیم یہ دو آنسو! جو تیری بوڑھی ماں کی آنکھوں سے تیری یاد میں بہ نکلے ہیں۔ یہ آنسو نہیں یہ موتی ہیں جنکا مقابلہ دنیا کے سارے موتی مل کر بھی نہیں کر سکتے۔ ان کو زمین پر نہ گرنے دے۔ تاکہ یہ خاک میں ملکر خاک نہ ہو جائیں۔ ان کو ریشمی رومالوں میں لپیٹ کر رکھ لے۔ اور یاد رکھو کہ اگر ان کی قیمت میں تو جان بھی دے دے تو سستے لے سکتے ہیں۔

نسیم جوانی مجھ پر بھی آئی۔ اور میں نے ایک چھوڑ دو دو بیبیاں بھی کیں ایک تمہاری ماں ایک اس سے پہلے ...... میں سچ کہتا ہوں دو تو چندے آفتاب چندے ماہتاب تھیں میں پروانے کی طرح ان پر نثار بھی تھا۔ مگر میں اس بات کو نہیں بھولا کیونکہ بی بی اگر خدانخواستہ ایک ضائع ہو جائے تو دوسری مل سکتی ہے۔ آسانی سے یا مشکل سے مگر ماں اور باپ میں سے جب کوئی چلا جائے تو آہ! دوسری ماں یا دوسرا باپ دنیا کے کونے بھی چھان ڈالے جائیں اور اس جہان کا گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ بھی ناپ لیا جائے تو نہیں پر نہیں ملتا۔ ماں کی گود کا حال اس معصوم سے پوچھ جسکو ازل نے اس سے بے نصیب کر دیا۔ اور باپ کی نعمت اس دل سے دریافت کر جسکو قدرت نے اس نعمت سے بچپنے سے ہی محروم کر دیا۔ یاد رکھ ماں اور باپ یہ دو وہ نایاب چیزیں ہیں جو ایک دفعہ کھو جانے کے بعد دوسری دفعہ انکی مثل بھی میسر نہیں۔ دنیا میں تجھے سینکڑوں دوست اور ہزاروں رفیق ملیں گے مگر اس جیسا غمگسار اور غم نواز دنیا کے کسی حصے میں نہیں ملیگا۔ یاد رکھ نسیم یہ وہ ہستیاں ہیں اگر تیری انگلی میں کانٹا چبھے تو انکے سینے میں پھانس لگتی ہے

اس سے ہمارا مطلب یہ نہیں کہ تو اپنی چہیتی بیوی کو چھوڑ دے۔ نہیں ہرگز نہیں! وہ تیری اور تو اس کا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ ہم تو بابا صرف چند روز کے مہمان ہیں۔ ہمیشہ بیٹھنے والے نہیں کوئی دن جاتا ہے کہ ہمارے وجود جنکو تو آج کل نفرت سے دیکھتا ہے اور ناکارہ اور فضول سمجھتا ہے۔ اس دنیا سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ناپید ہو جائیں گے۔ تو آئے گا اور سوائے دو مٹی کے ڈھیروں کے اور کچھ نہ دیکھیگا اور اس وقت گو ہم دونو منوں مٹی کے نیچے ہونگے مگر تیری درد بھری آواز ہمارے کانوں تک پہنچ جائے گی۔ (باقی باقی)

تہذیبِ نو

عبدالمجید شمیم وزیری "مدیر"

بلند آفتاب اپنی تیز دھوپ سے ارضِ کائنات کے ذرّے ذرّے کو گرما رہا تھا۔ ہوا بالکل بند تھی۔ ہر متنفس پسینے سے تر اور بتر تھا۔ کسی کے ہاتھ میں کاغذ، کسی کا پنکھا تھا اور کوئی برقی گھومنے والے پنکھے کے نیچے یا سامنے گھبرائے ہوئے قلب کو مطمئن کر رہا تھا۔ "خدا کی نعمت بے مثل ہے" بجلی کے پنکھوں کی گرم گرم ہوائیں دل کی گھبراہٹ اور پسینے کی بہتات کا تسلی بخش مداوا نہ کر سکیں۔ منصور اٹھا اور سامنے کے کمرے میں داخل ہوا۔ کوٹ اور پتلون پہن کر چمن میں ہواخوری کو نکلا۔ بھلا دو بجے گلزار میں کیا تھا جس نے منصور کو گھر سے قوتِ مقناطیس کی طرح کھینچا۔ یہ آپ جان کر شاید خود اپنی اصلاح کر سکیں یا اچھے والدین اپنے پیارے بچوں کی حفاظت کے فریضہ سے غافل ہونا بھول جائیں اور موجودہ تہذیب سوسائٹی جو فی الاصل گندی اور بیہودہ ہے۔ اس کے اثرات سے اولاد کو بچا سکیں۔

منصور باغ کے جنوب و مشرق میں خوب گھوما اور کسی کے انتظار میں دیوانہ وار ہر گل اور بوٹے سے دل بہلانے کی کوشش کرتا۔ مگر دل کو جو مرغوب اور محبوب چیز تھی وہ وہاں نہ تھی۔ مسلسل ڈیڑھ گھنٹہ تک چکر کاٹتا رہا۔ یہاں تک کہ تھکاوٹ محسوس کرنے لگا۔ ناچار سبزۂ قدرت پر مایوس ہو کر بیٹھ گیا۔ اور عجیب غریب خیالات میں منہمک ہو گیا۔

بیٹھے بیٹھے بھی آدھ گھنٹہ گزر گیا مگر اسکے دل کی مسرت نواز اور سرور آمیز دنیا سے یاس و نا امیدی کے بادل نہ چھٹے اور نہ ہی انتظار کا گرماتا ہوا سورج غروب ہوا۔ مضطربانہ اور بے تابانہ جادۂ انتظار سے الوداع کہہ کر ایک غیر متوقع راہ اختیار کرنے پر مستعد ہوا۔ یکایک کیا دیکھتا ہے کہ چار سائیکل سوار اسکی جانب نہایت تیزی سے آ رہے ہیں۔ منصور ٹھٹکا۔ رکا اور غور کرنے لگا کہ معلوم تو وہی ہوتے ہیں مگر یہ الٹا راستہ انہوں نے کیوں اختیار کیا؟

تھوڑی دیر کے بعد ہیلو! ہیلو مسٹر منصور کہیئے۔ آپ کب سے آئے ہوئے ہیں۔

منصور۔ (غصے سے) یار عجب قسم کے جانور ہو۔ اتنا غلط وعدہ۔ اتنا شدید انتظار۔ میری تو آنکھیں بھی پک گئی ہیں

مقصود۔ یار کچھ ایسا ہی واقعہ تھا ورنہ کبھی ایسی غلطی کا ارتکاب ممکن تھا۔

منصور۔ (پھر بھی) کہو جلد کہو۔ میں دھوپ میں جل گیا ہوں۔ بتاؤ کچھ تو بتاؤ۔

مقصود۔ یہ تینوں میرے گھر حسبِ وعدہ پہنچ گئے تھے مگر میرے والد نے کچھ ایسا کام میرے سپرد کیا جسکی تکمیل سے پہلے میں گھر سے نہیں نکل سکتا تھا۔ اسی لئے ہم اس راہ سے آ رہے ہیں۔

مصطفےٰ۔ اچھا تو کہاں چلیں۔

مظفر۔ پہلے کچھ کھانا چاہیئے۔ شغلِ تفریح بعد میں ترتیب دیا جائے گا۔

باتفاق رائے پانچوں فرزندان توحید پیٹ پوجا کرنے کے لئے وسٹر ہوٹل کیطرف چلے۔

کاظم نے مظفر سے کہا کہ بھئی کچھ سرخ گوشت بھی پلاؤ گے یا خالی خولی گوشت چپاتی۔

مظفر۔ واہ! اگر مستی آور پانی نہ پینا ہوتا تو اکٹھے ہو کر گھر سے کیوں نکلتے۔

کاظم۔ مگر مصطفےٰ تو صوفی منش ہیں ان کا کیا بنے گا؟

مظفر۔ مقصود اُن کے پارۂ جگر ہیں راضی کر لینگے۔

کاظم۔ یہ ناممکن ہے۔

مظفر۔ سوسائٹی کے خلاف اصول مہذب انسان نہیں چلا کرتے۔

کاظم۔ دیکھا جائے گا۔

باتیں کرتے کرتے ہوٹل کے ایک الگ تھلگ کمرہ میں قیام پذیر ہوئے۔ کمرہ نہایت خوشنما اور صاف تھا۔

کھانا طلب کیا گیا

اور ساتھ ہی مے بھی!

یہ سگ فر!!! انہیں مسلمان۔ باپ دادہ سے مسلمان گھرانہ اسلام میں کھیلے ہوئے۔ عالی خاندان اور نیک نام، مگر انگریزی تہذیب کے دیوانے، مغربی طرز معاشرت کے متانے۔ اسلام کے نام نہاد فرزند، اسلامک ہسٹری سے ناواقف، مغربی کلچر سے بیگانے۔ نیکی سے متنفر۔ بدی پر مر مٹنے والے، باغی، سرکش کوتاہ اندیش اور ہوس نفس کے غلام، والدین کی آنکھوں سے دور مسلم یونیورسٹی کے احاطہ سے پرے گناہ پرور چار دیواری میں چھپ کے کتاب جرم وتعزیر شروع کر رہے ہیں جس کا ایک ایک ورق اور ہر ورق کی ایک ایک سطر اور ہر سطر کا ایک ایک حرف اخلاق انسانی کے لئے مہلک اور تباہ کن ہے۔

مظفر۔ بھائی جلدی کرو۔ ہاتھ بڑھاؤ۔ وقت بہت تھوڑا ہے۔ ---- دیکھو نا! وہ کریٹ بخش بوتل کہاں ہے؟

منصور۔ وہ پڑی ہے۔

کاظم۔ آج کون سی ہستی فرائض ساقی کی تکمیل کرے گی

منصور۔ مسٹر مقصود سے زیادہ کوئی مستحق نظر نہیں آ رہا۔

کاظم۔ بالکل صحیح۔

مصطفےٰ۔ ہیں! شراب۔ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ ناممکن اور بالکل ناممکن ہے

ہم مسلمان ہیں۔ نہ باپ نے پی۔ نہ دادا نے سونگھی نہ ہم نے دیکھی قہر، غضب کیسے لوگ ہو۔ جاؤ جہنم کو۔ باز آئے ہم سیر وتفریح سے۔

مقصود۔ شراب بری بھی، ناپاک بھی مگر ہمیں کیا۔ نہ ہم پیتے ہیں نہ پلاتے ہیں۔ بھائی مصطفےٰ جو کرے سو بھرے۔

کاظم۔ ٹھیک، ٹھیک۔ آپ نہ پئیں۔

منصور (آنکھ سے اشارہ کرتے ہوئے) ٹھیک ہے

مظفر نے ارغوانی بوتل کے سر سے کاک اڑایا اور نازک نازک ساغروں میں انڈیلا۔ مصطفےٰ اور مقصود کے منہ تکتے تک بوتل ختم ہو گئی۔ کاظم نے اور منگوائی اور سوڈے کی بوتلوں میں قدرے ملا کر شرارتاً مقصود و مصطفےٰ کو بھی پلا ڈالی۔

مقصود۔ ذائقہ کچھ اچھا نہ تھا۔

مصطفےٰ۔ پانی بہت ہی ناقص ہے خدا جانے کس بے نام سوڈا فیکٹری کا ہے۔

اتنے میں مقصود اٹھا اور تھوکتا ہوا کمرے سے باہر نکل آیا۔ کاظم نے پھر شراب میں سوڈا ڈال کر میز پر الگ دو گلاس رکھ دیئے۔ جب مقصود اندر آیا تو اس نے کہا یار منہ بے مزہ

سا ہو گیا ہے۔

کاظم۔ لیجئے۔ اور پانی منگا یا ہے۔ پیجئے اور ساتھ میوہ جات کھائیے۔ ابھی طبیعت درست ہوئی چاہتی ہے۔

مقصود اور مصطفٰے نے ادا کر جو ہلکہ تلخی کا احساس ہوا مگر اتنا نہیں جتنا پہلے۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد کاظم نے پھر شراب اور سوڈا دونوں کو پلایا مگر اب تو مقصود و مصطفٰے بھی مصداق ع

ہر چہ در کان نمک رفت نمک شد

جب وحشت و جہالت اور حماقت و بربریت نے محفل کے سب افراد پر تصرف جمایا تو فرشتوں نے کہا

" اے ننگ اسلام آدم زادو! تم پر خدا کی مار!

تم نے اپنے آپ کو ظل الٰہی سے محروم کر لیا۔

شیطان کی راہ پر چلنے والو ٹھوکروں کا نشانہ بننے کو تیار ہو جاؤ۔

محمدؐ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والو ضلالت کا طوق تمہاری خوبصورتی بڑھائے گا۔

اخلاق کے دشمنو! اپنے باعزت دوستوں سے دور رہو۔ اور دو گھڑی کی لذت پر ہمیشگی رسوائی کو ترجیح دینے والو دیار گناہ میں قیام کرو۔ پاکیزگی تم سے ہمیشہ کیلئے دور ہو گئی۔ اور تم پاپ کیلئے ابدالاباد تک زندہ رہو۔

یہاں ذلت۔ رسوائی اور معصیت تمہارا جسم موٹا تازہ کریں گی جو جہنم کا ایندھن بنے گا۔

جاؤ! جاؤ! نورانی ماحول کو ٹھکرانے والو حدِ پاکیزگی سے ایکدم نکل جاؤ۔ اب تمہارا قیام بے عزتی اور بے غیرتی کے ملک میں ہوگا۔ جہاں رذیلوں اور نفس پرستوں کی حکومت تمہیں شوق سے پناہ دے گی۔"

شیطان آگے بڑھا اور یوں خیر مقدم کرنے لگا

" اے خدا کے بندو! شیطان کی بیعت تمہیں مبارک۔ آؤ آؤ۔ سر آنکھوں پر آؤ ع

چشم ما روشن دلِ ما شاد

بے غیرتی کے بادشاہو! لذت۔ حظ اور تلطف کے پروانو خوش رہو۔ گناہ تمہارا خدمتگار اور بے حیائی تمہاری کنیز ہے۔

عورتیں۔ حوریں۔ پریاں۔ انعام۔ شراب خانے قمار خانے۔ ہوٹل۔ اور بائسکوپ سب تمہارے ادنٰے خادم ہیں۔ تم پر کوئی پابندی نہیں۔ تم آزاد ہو۔ جس پر ہاتھ ڈالو تمہیں روا ہے۔

جنت کے مزے لوٹنے والو یہ دنیا تمہاری جنت ہے جو چاہو کرو۔

دنیا کا سب سے حسین اور جمیل محبوب "گناہ" ہے اور تم "گناہ پرست"۔ کھاؤ۔ پیو اور جیو۔

غم کو چھوڑو۔ رنج سے منہ موڑو ع

بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

ابلیس نے پانچوں نام نہاد مسلمانوں کو ایک ہی قطار میں اکٹھا کیا۔ بے غیرتی نے پیار دیا۔ بے شرمی نے منہ چوما اور بے آبروئی نے دلاسا دیا۔

گالی گلوچ اور بیہودگی نے زبان چومی۔ دنگا فساد نے ڈیل ڈول میں خون دوڑایا۔ بدکاری نے سر جھکایا اور بے رحمی نے دل کو حوصلہ و جرأت بہم پہنچائی۔

اب یہ بے تمیز لشکر لیلا روڈ پر ایک ہوٹل میں جا گھسا جہاں عصمت و عفت فروشی کی عظیم الشان دکانیں سجی ہوئی تھیں۔ ایک ایک کر کے اندر داخل ہوئے۔ انگریزی کھیل جو ایک خاص قسم کا جوا ہے سب ملکر کھیلنے لگے۔ ایک اینگلو انڈین لڑکی سے دو ابلیس پرستوں کا پیار کرنے کو جی چاہا۔

تو تو میں میں۔ شروع ہوئی۔ پھر گالی گلوچ اور بالآخر لڑائی اور ہاتھا پائی تک نوبت پہنچی۔ کچھ ہوٹل کی کانچ کی چیزیں ٹوٹیں۔ کچھ الماریاں شیشے۔ انگریزی کھیل کے تماشے دکھاتے ہوئے جتنے آسمان پر تارے۔

کسی کا منہ سوج گیا، کسی کے ناک پر چوٹ آئی۔ کسی کا سر خون بہانے لگا۔ ایک کی تو ایک آنکھ ہی جاتی رہی اور دو لیڈیاں تو اسقدر زخمی ہوئیں کہ شاید انہیں لندن ہی کی دوائیں راس آئیں۔

یہ سب کچھ ہو چکا تو شیطنت کے قلع و قمع کرنے والے سرخ عمامے پہنے چند قدآور نوجوان داخل ہوئے اور گناہ ولذت کے شیدائیوں کو تھانہ میں لے گئے۔

تھانیدار ان مشرقی تہذیب کے باغیوں کو دیکھکر خوب ہنسا۔ اور پوچھنے لگا کہ اے مغرب زدہ نوجوانو یہ کھیل جو تم ابھی ابھی کھیل کر آئے ہو اسکی علت غائی کیا ہے۔ سب لگے بغلیں جھانکنے اور لگے نہیں حضور نہیں حضور کرنے!

تھانیدار۔ (سپاہیوں سے) لٹا دو زمین پر اور لگاؤ ہنٹر۔ یہ سنتے ہی ان سب کا نشہ ہرن ہوا۔ اور لگے معذرت پر معذرت کرنے۔

تھانیدار نے اُن سب گناہ کے پجاریوں کے والدین کو اطلاع دی۔ بیچاروں کے باپ سہمے ہوئے تھانہ میں پہنچے۔ حالات سے واقف ہوئے اور خجالت وندامت سے گردنیں جھکائے لگے منت و خوشامد کرنے۔

طالب علمی میں سزایاب ہونا طالب علم کی زندگی کے ختم ہونے کے مرادف ہوتا ہے۔ بالکل ناکارہ اور بیکار ہو جاتا ہے اسی لئے منصور، مقصود، مصطفےٰ، مظفر اور کاظم کے باپ یہ چاہتے تھے کہ ان کا مستقبل تاریک ہونے سے بچا لیا جائے۔

رات کے دس بجے تک مذکورہ نوجوانوں کی نجات بالخیر کی کوئی صورت نہ بن سکی۔ ہوٹل والوں نے تین ہزار اور آبرو ریزہ عصمت باختہ لڑکیوں نے دو ہزار اور تھانیدار صاحب نے پانچ ہزار روپیہ طلب کیا۔ لڑکوں کے باپ گڑگڑائے۔ چلائے۔ مگر جہاں دولت کاٹ کر سکتی ہے وہاں خالی خولی زبان کی ملائمت اور عاجزانہ الفاظ کی دال کب گل سکتی ہے۔

منصور کے باپ نے تھانیدار سے کہا ہم بھی شہر دار اور باعزت آدمی ہیں دیکھئے ہوٹل والوں کو کچھ کم دلوا دیجئے مگر تھانیدار صاحب کے گھر کی ادنیٰ ترین کنیز "رشوت بیگم" جو تکبر و تفاخر کے لحاظ سے انہیں کی والدہ محترمہ تھیں اتنے بڑے گناہ کے بدل میں حقیر رقم کب گوارا کر سکتی تھیں۔ بگڑ گئیں اور ٹکا سا جواب دئے بغیر نہ رہیں۔ ۱۰ ہزار سے کم نہیں ہو سکتا۔ منظور ہو تو بصورت بچوں کے گناہ کے بدلے دو اور اور بچوں کو لیجائیے۔ ورنہ انہیں جیل کی ہوا کھانے دیجئے۔ اور خود گھروں کی راہ لیجئے۔

یہ سن کر سب نوجوانوں کے ہوش درست ہو گئے کسی کے باپ نے قرض اٹھایا۔ کسی نے زیور گرو رکھا اور کسی نے زمین بیچی۔ اِس طرح تہذیب حاضر کے علمبردار اور اسلامی درسگاہ کے نوجوان طالب علم اپنے اپنے گھروں کو سدھار رہے۔

مبارک ہو انگریزی معاشرت کے عاشقوں کو کہ اُن کے بچے بھی انگریزی اوصاف سے متصف ہونے لگے اور مبارک ہو اُن پروفیسروں کو جو بظاہر مسلمان ہیں اور باطن انگریز نیز جو انہیں درس دیتے بچوں کو بغیر شراب پیئے کے۔

کیفِ بہار

مصوّرِ جذبات سید ضیا جعفری صدر دائرہ ادبیہ پشاور

جامِ ایسا شراب ایسی حسن ایسا شباب ایسا
ہم نے تو نہ دیکھا تھا ساقی کبھی خواب ایسا

مینا میں ہو مے جیسے اور مے میں ہو بیہوشی
آغوشِ تخیل میں پلتا ہے شباب ایسا

لی موج نے انگڑائی ذرّے بھی تڑپ اُٹھے
کس مہر شمائل نے الٹا ہے نقاب ایسا

یہ کھول دیئے کس نے پھرتا بہ کمر گیسو
میخانہ پہ گھر گھر کے آیا ہے سحاب ایسا

یہ بھیس میں کرنوں کے گلزار میں کون آیا
کلیوں نے سحر ہوتے چھیڑا ہے رباب ایسا

وہ حسن کے قرباں ہوں رنگینیاں فطرت کی
اور لوٹ ہوں میخانے مستانہ شباب ایسا

دن آئے ہیں پینے کے دن آئے ہیں جینے کے
آئی ہے بہار ایسی اٹھا ہے سحاب ایسا

نسائیات

صالحات

مرتبہ:- ح۔ ب صاحبہ
غازی عبدالمجید تمیم

"صحابیات" "مشاہیرِ نسواں" وغیرہ کتابیں بازار میں موجود ہیں جن میں ازمنۂ قدیم کی مشہور اور قابل عورتوں کے حالات نہایت وضاحت سے تکلمبند ہیں۔ نیک اطوار اور خوش خصال بہنوں کے لئے ان کتابوں میں بہت سی عبرت و نصیحت کی قابلِ تقلید باتیں پائی جاتی ہیں۔ مگر صالحاتِ حاضرہ کے متعلق کوئی مکمل اخلاقی پہلوؤں سے لبریز کتاب تاحال بازار میں موجود نہیں۔ بعض دخترانِ ترحید ایسی ہوتی ہیں کہ اُن کی ساری زندگی گمنامی میں ہی کٹ جاتی ہے حالانکہ وہ اس قابل ہوتی ہیں کہ صفحۂ عالم پہ آفتابِ ہدایت بن کر ابدالآباد تک چمکتی رہیں مگر زمانے کی ناسازگاریاں اور غریبی و تنگدستی ان کا ساتھ نہیں دیتی۔ میں نے اپنی بہنوں کے نیک نام کو زندہ رکھنے اور قوم کی بچیوں کی اصلاح کی خاطر یہ مناسب سمجھا کہ "صالحات" کے نام سے ایک ایسی کتاب لکھوں جو کامل طور پر طبقۂ نسوان کی خانگی، علمی، ادبی، اخلاقی، اسلامی اور صنعتی اصلاح کی حامل ہو۔ الحمدللہ نصف سے زیادہ ترتیب دے چکی ہوں۔ ہر وہ بہن جس کی زندگی کے چند اہم واقعات ایسے ہوں جو مشعلِ ہدایت کا کام دے سکتے ہوں درج کرا سکتی ہیں ہر غریب بہن اپنے حالاتِ زندگی بھیجنے کے ساتھ ہی تین روپے اور امیر بہن پانچ روپے روانہ کرے بغیر ترسیلِ زر کے کسی بہن کے حالات و واقعات درج نہ ہونگے۔ سوانح حیات خوشخط اور بالتفصیل ہونے چاہئیں۔ مزید معلومات کیلئے ٹکٹ آنا ضروری ہے۔ نیز ضروری امورات مدیر دلگداز کشمیری بازار لاہور کے نام سے دریافت فرمائیں اور ترسیل زر بھی اسی پتہ پر ہونی چاہئے۔ (ح۔ ب)

"صالحات" ایک صفحہ بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں

زبیدہ سلطانہ

بنت مولانا عبدالغنی بیقرار مدیر اخبار دیہاتی گزٹ لاہور اور اخبار مختار عام قصور۔ تعلیم خانگی اسلامی۔ سکونت و ولادت ضلع لمبانوالی ضلع گوجرانوالہ۔ ذہین۔ معاملہ فہم۔ سلیقہ شعار۔ امورات خانگی کی ماہر۔ نماز پڑھتیں (مگر پابندی کے ساتھ نہیں) قرآن باقاعدہ اور روزے مسلسل رکھتی ہیں۔ طبیعت تیز اور غصیلی

شوہر کی فرمانبردار۔ پانچ بچوں کی ماں تھیں دو طفولیت میں داغ مفارقت دے گئے اور تیسری بچی سعیدہ خاتون عنفوانِ شباب میں ایک سال تقریباً شوہر کے ساتھ منزل زندگی میں ہمسفر رہ کر ہمیشہ کے لئے جدا ہوگئی۔ ایک بچہ یادگار تھا وہ بھی کچھ دنوں کے بعد شیرخوارگی کے عالم میں اپنی ماں کی تلاش میں ایسا کھو گیا کہ پھر اسے کوئی نہ پاسکا) ایک لڑکی اکتساب علم میں مصروف جو اپنی نجابت و اصالت اور شرافت و کم گوئی پر درستہ البنات جالندھر شہر کی مشفق و مہربان اور لائق و فائق استانیوں کی منظورِ نظر ہیں۔ اب بھی حصول علم میں صبح و شام سرگرم عمل ہے۔ لڑکا فوج میں ملازم ہے۔ باپ اور ماں کی شریفانہ گود میں پروان چڑھی ہوئی اولاد فطرتاً نیک ہے۔

اہم واقعات

پہلا واقعہ! شوہر کی بے وقت موت، چھوٹے چھوٹے یتیم بچے۔ غریب الوطنی۔ نہ کوئی غربت میں واقف نہ رشتہ دار آجاکر صرف ایک انا (بچوں کو کھلانے والی) یوپی کی رہنے والی تیز زبان تیز طبیعت۔ شفقت و محبت بچوں سے اسقدر کہ حقیقی والدہ معلوم ہو۔ مالکوں کی خیرخواہ۔ لڑاکی اور امین اور مرنے والے کا اخلاق۔ ہر بیگانہ بیگانہ حادثۂ انتقال پر آموجود ہوا۔ جن کی ہمدردی عملاً اس طرح ثابت ہوئی جیسے اندھیری رات میں چودھویں کا چاند۔ یا مصیبتوں میں محصور، مصائب غربت سے مجبور کے گرد حقیقی رشتہ داروں اور سچے غمخواروں کا جمِ غفیر اس نازک وقت میں معصوم اولاد۔ کثیر مال و متاع کی پوری پوری حفاظت صرف آپکی ہی تیز فہمی کی مرہونِ منت تھی بھرے عالم شباب میں بیوگی کو ترجیح دیتے ہوئے عمر گزارنا۔ اور نامراد حریص رشتہ داروں کی ناقابلِ برداشت باتوں کو سننا اور برضائے الٰہی راضی رہنا آپ ہی کا حصہ ہے اگر رشتہ داروں کا جائداد سے بیدخل کرنے پر مستعد ہوکر حیلے تراشنا بچوں کو تنگ کرنا بھکانا مگر ؎

نورِ حق شمع الٰہی ہے بجھا سکتا ہے کون
جس کا حامی ہو خدا اسکو مٹا سکتا ہے کون

دوسرا واقعہ! جب والد کے مقربین قضائے مبرم کی طرح پیچھے پڑ گئے یعنی ؎

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ با من ہرچہ کرد آں آشنا کرد

تو آپ کی طبیعت یادِ الٰہی کی طرف زیادہ راغب ہوتی چلی گئی۔ چنانچہ آپ نے مختلف اوراد و وظائف شروع کئے

ایک روز بعد نماز عشا آپ اپنے عالی شان مکان کی چھت پر تخت پوش پر وظیفہ میں مشغول تھیں یکایک ایسی تاریک آندھی آسمان پر چھائی کہ ہاتھ کو ہاتھ بھی سجھائی دینا مشکل ہوگیا۔

گرد و غبار سے اچھے بھلے انسانوں کے حلیے بگڑ گئے اور ایسے بگڑے کہ کفن پھاڑ کر بھاگے ہوئے مردے نظر آنے لگے۔ ہوا کے زور سے تخت پوش جو اٹھا تو نیچے صحن میں آگرا۔ موصوفہ خاتون تخت پوش کے اوپر بیٹھی رہی۔ خدا کے شان کوئی ضرب اور چوٹ موصوفہ کو نہ لگی۔

اب وہ بقید حیات زندہ ہیں مصیبتیں سہہ سہہ کر دل پہلے سے زیادہ قوی ہوچکا ہوا ہے۔ جوں جوں پیری اور انحطاط کا عالم قریب آتا جارہا ہے تلاوتِ قرآن میں اضافہ کر رہی ہیں۔ کئی بھائی ہیں جو برسرِ روزگار ہیں۔ مگر کسی قسم کی معاونت نہیں کرتے۔ اگر چاہیں تو سب کچھ کر سکتے ہیں۔ موصوفہ گوجرانوالہ میں مقیم ہیں صرف ایک لڑکا اور ایک لڑکی ان کی خدمت بجالاتے ہیں۔ (۵ جون ۳۳ء)

فاضل ادیب بہنوں کے اہم مکاتیب

غازی عبدالمجید شمیم کے نام

واجب الاحترام غازی صاحب

بعد آداب گزارش کرتی ہوں کہ ماہنامہ دلگداز فی الحقیقت مرد عورتوں کے لئے یکساں مفید ہے۔ ہدیہ مبارکباد قبول فرمائیے دیگر مضامین کی نسبت اخلاقی اور اصلاحی مضامین کی طرف زیادہ دھیان دیجئے۔ فقط

آپ کی ناچیز بہن

مسودہ شریفہ

برادر مکرم مولانا شمیم مدظلہٗ

سلام مسنون۔ آپ کی محنت و کاوش قابل داد۔ مضامین کی ترتیب و تدوین دلپسند۔ معیار بلند۔ سرورق جاذب اور دلکش۔ خدا آپ کو آپ کے عزائم میں کامران کرے۔

سرورق پر حدیث یوں ہونی چاہئے تھی۔ التاجر الصادق یحشر یوم القیامۃ مع الصدیقین والشہداء

آپکی بہن　(پ۔ ب۔ بی اے)

جناب مدیر سر دبیر شمیم صاحب

السلام علیکم۔ میری بہن کیطرف سے یہ سطور پیش خدمت ہیں۔

(ایم' فاضل متعلم بی اے)

رسالہ ہر لحاظ سے اچھا ہے۔ اللہ آپ کو کامیابی عطا فرمائے۔ آپ نے اس ضرورت کو پورا کیا ہے جس کے لئے قوم بے تاب تھی۔ کھانا پکانے کے متعلق بھی مضامین کا اندراج ضروری ہے۔

ناچیز عاصیہ روزگار　(ایزی)

مولوی عبدالمجید صاحب شمیم

سلام مسنون۔ آپ کا رسالہ دلگداز دیکھ رہی ہوں۔ اگرچہ نظمیں طویل ہوتی ہیں مگر کچھ نہ کچھ دلچسپی ضرور ہوتی ہے پھر بھی چاہیئے یہی کہ بہتر اور مختصر نظمیں درج ہوں۔ ٹھوس مضامین زیادہ ہونے چاہئیں۔ اللہ میاں آپ کو کامیابی و کامرانی کے پھولوں سے لدا رکھے۔

آگرہ　(غم خوردہ عاصیہ) معراج النساء

مدیر مکرم صاحب

سلام مسنون! آپ کی اور ح۔ ب صاحبہ کی مبارک کوششوں پر مبارکباد کہتی ہوں۔ اگر اسی توجہ۔ محنت اور کاوش سے آپ نے رسالہ کو نوازا تو انشاء اللہ "دلگداز" مرد و عورت کے لئے بہترین مصلح ثابت ہوگا۔

لڑکوں۔ لڑکیوں کے اخلاق نئی تہذیب اور فیشن کی لغویات سے پامال ہو رہے ہیں۔ نوجوان بچے خدمت والدین سے عاق ہوتے جا رہے ہیں ان کی درستی کیلئے زوردار مقالے لکھیئے۔ یہی بچے آخر پروان چڑھکر قوم کے وقار کے محافظ بننے والے ہیں۔

شائستہ بیگم (مولوی) حیدرآباد

افسانہ

ادیبہ جلیلہ انور سلطانہ ماہرخ اکبرآبادی

وہ سٹی مجسٹریٹ درجہ اوّل تھا۔ بہت سے ملزموں کی قسمتوں کا فیصلہ اس کے ہاتھ میں۔ اسکی مرضی پر اور اسکے قلم کی خفیف سی جنبش میں پوشیدہ تھا۔ مگر اس کا اصول ہمیشہ انصاف کے برخلاف رہا۔ ملزم کو بری کرنا تو غالباً اس نے سیکھا ہی نہ تھا۔

ایک بذات خود۔ ایک اسکی بیوی سمتھ تین لڑکے اور ایک لڑکی۔ یہ اس کا خاندان تھا۔ مگر کچھ عرصہ سے بڑا لڑکا رڈلیف (جو آئی سی ایس کی تیاری کر رہا تھا) اور خود میاں بیوی تین آدمی ہندوستان میں موجود تھے۔ لڑکی جو رڈلیف سے چھوٹی تھی اسکی شادی کر دی گئی تھی اور وہ مع اپنے دونوں چھوٹے بھائیوں کے۔ شوہر کے ہمراہ جرمنی چلی گئی تھی۔

مئی کی ایک دوپہر کو سٹی مجسٹریٹ گھبرایا ہوا بنگلے میں داخل ہوا۔ چہرے پر پریشانی کے آثار دیکھکر سمتھ نے پوچھا "خیر تو ہے" سٹی مجسٹریٹ نے جواباً کہا "افسوس کہ کورٹ انسپکٹر نذر محمد کا انتقال ہو گیا" سمتھ نے استفسار کیا "کب کس طرح"؟ وہ بھی کچھ پریشان ہو گئی۔ مجسٹریٹ نے جواب دیا "کل کچہری میں حاضر تھا۔ آج سنا ہے صبح دس بجے گزر گیا۔ گرم ہوا لگ گئی تھی۔ میں چاہتا ہوں سمتھ! کہ تم آج شام کو اسکی یتیم بچی کے پاس تھوڑے وقت کے لئے ہو آؤ وہ بالکل تنہا ہے" "میں ضرور چھ بجے کے بعد جاؤں گی۔ افسوس معصوم بچی کتنی غمزدہ ہوگی" یہ کہکر سمتھ نے ایک سرد آہ کھینچی اور آرام کرسی پر دراز ہو گئی۔

چھ بجے کے بعد سمتھ نذر محمد کے مکان پر روانہ ہوئی۔ یتیم و بے سہارا زبیدہ اپنے مکان میں تنہا آنسو بہا رہی تھی۔ کہ ملازم لڑکے نے وزیٹنگ کارڈ دیا۔ زبیدہ نے کارڈ ہاتھ سے لے کر پڑھا۔ دوپٹے سے اشک صاف کرکے دروازے پر استقبال کے لئے آئی۔ سمتھ نے جیسے دروازے میں قدم رکھا زبیدہ نے کہا "خوش آمدید میڈم" اور ہاتھ پکڑ کر برآمدے میں لا بٹھایا۔

سمتھ نے کہا "بی بی انسپکٹر صاحب کی ناگہانی موت کا شدید صدمہ ہوا۔ خدا تم کو صبر عطا کرے"

زبیدہ نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا "جس خدا نے مجھے اس بے پناہ غم کو برداشت کرنے کے لئے زندہ رکھا ہے وہی صبر بھی دے گا"

سمتھ۔ انسپکٹر مرحوم کی تم واحد اولاد ہو؟

زبیدہ۔ نہیں ہم تین بہنیں تھیں۔ سب سے بڑی بہن اپنے شوہر کے ہمراہ افریقہ کئی سالوں سے گئی ہوئی ہیں ان کی تو اب کچھ خیر خبر نہیں ملتی۔ منجھلی بہن کی شادی اسی شہر میں ہوئی تھی۔ مگر ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ اب تو میں کم نصیب تنہا ہی ہوں۔

سمتھ۔ یہ مکان تمہارا اپنا ہی ہے۔

زبیدہ۔ یہ مکان والد مرحوم نے میرے نام وقف کر دیا ہے۔ ان کا اپنا ہی ہے۔

سمتھ۔ تم پڑھتی ہو کہیں؟
زبیدہ۔ جی ہاں کل تک میں کالج میں پڑھتی تھی فورتھ ایر میں۔ مگر آج سے میری تعلیم ختم ہو گئی۔
سمتھ۔ کیوں؟ اس صدمے کا اثر تمہاری تعلیم پر کیوں ہو گا۔

زبیدہ۔ میں صرف والد کی خوشنودی کے لئے پڑھ رہی تھی۔ ورنہ مجھے جس تعلیم کی ضرورت تھی وہ حاصل کر چکی۔ بی اے۔ ایم اے کی ڈگریوں کے لئے میں بیکار وقت اور پیسہ ضائع کرنا دانائی نہ سمجھتی۔

اس موقعہ پر سمتھ کو سکوت اختیار کرنا پڑا۔ کچھ دیر بیٹھ کر سمتھ نے واپس جانے کی اجازت چاہی۔ زبیدہ نے موثر الفاظ میں اس کے آنے کا شکریہ ادا کیا۔ رخصت ہوتے ہوئے سمتھ نے کہا "اگر کچھ مضائقہ نہ ہو تو میری طرف آجایا کرو میرے پاس آنے میں تمہیں کچھ اعتراض تو نہ ہو گا؟" زبیدہ نے فوراً کہا "ہرگز نہیں میں ضرور حاضر ہوا کروں گا۔ آپ کی سرپرستی میرے لئے باعثِ افتخار ہو گی" سمتھ چلی گئی اور زبیدہ پھر اپنی ادھیڑ بن میں مشغول ہو گئی۔ زبیدہ صورت و شکل کے لحاظ سے نہ تو حسین تھی اور نہ ہی اتنی بدصورت کہ دیکھ کر کوئی منہ بسورے۔ تعلیم کے بارے میں اوپر بتایا جا چکا ہے کہ بی اے میں پڑھ رہی تھی۔ حسن سیرت میں بھی کچھ ایسی یگانہ نہ تھی یعنی خانہ داری اور دستکاری جو عورت کا زیور ہے اس سے وہ معمولی طور پر واقف تھی۔ بس ہاں ایک صفت اس میں ضرور تھی جس سے وہ تمام مسلمان لڑکیوں میں ممتاز تھی وہ صوم اور صلوٰۃ کی پابند تھی۔ دل سے اسلام کی شیدا تھی۔ جس کے دل میں اسلام کی وقعت اور محبت ہوتی ہے چند صفات اس میں خود بخود پیدا ہو جاتی ہیں۔ غریبوں کا درد، محتاجوں کی امداد۔ اور قوم کی فلاح۔ اسلام پرست انسان دولت کا بھی چنداں طلبگار نہیں ہوتا اور قدرت کے دست فیض سے وہ خود کبھی بھوکا بھی نہیں مرتا۔ ایک کہاوت ہے "نیت ثابت تو منزل آسان" زبیدہ کے دل کو ایک طرح تقویت تھی لیکن جب کبھی اس کو اپنے نالائق بہنوئی کا خیال آجاتا تو خوف سے کانپ جاتی تھی۔ بڑے بہنوئی سے تو صرف دو ایک مرتبہ زبیدہ کی ملاقات ہوئی تھی پھر وہ افریقہ چلا گیا چھوٹا بہنوئی نہایت پاجی تھا۔ زبیدہ اس سے بہت کھنچتی تھی مگر پھر بھی اس سے اکثر سامنا ہو ہی جاتا تھا۔

زبیدہ کی بہن جب تک زندہ رہی اپنے شوہر کی طرف سے غمگین ہی رہی۔ شریف عورت ایک شرابی اور بدچلن آدمی کے ساتھ کبھی خوش نہیں رہ سکتی۔ تمام اخلاقی کمزوریاں اس نااہل انسان میں پائی جاتی تھیں۔ مرحومہ کے بعد سے یہ شخص اس فکر میں تھا کہ زبیدہ سے عقدِ ثانی کر لے۔ مگر نذر محمد نے اسکو کامیاب نہ ہونے دیا۔ نذر محمد کے انتقال کے بعد سے اسکو موقعہ ملا اور اس نے زبیدہ کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ اس کے ہر وقت نکاح کر لینے کے پیامات آتے رہتے۔ پہلے پہل تو زبیدہ ان تحریروں کو جن میں نکاح کرنے کے مشورے ہوتے، پڑھکر روتی تھی مگر اب تو کچھ عرصے سے ہر پیام کو پڑھ کر ہنستی تھی اور اسی لئے اس نے سمتھ سے میل جول بہت بڑھا لیا تھا کہ ممکن ہے کسی بُرے وقت میں یہ لوگ میرے حامی ہو جائیں۔ سمتھ نے زبیدہ کو بالکل اپنے عزیزوں جیسے سمجھا اگر کسی دن زبیدہ سمتھ کے پاس نہ جاتی تو وہ فوراً واقفیت حال کے لئے ملازم کو بھیجتی۔

زبیدہ کی ملاقات مجسٹریٹ کی کوٹھی پر دوسری مرتبہ جانے پر رڈلیف سے ہوئی۔ رڈلیف بہت خوش رو، نفیس، تعلیم

اور نہایت مہذب نوجوان تھا۔ عام انگریزوں کی طرح اس
نے ہندوستانیوں کو کبھی ذلیل نہ سمجھا۔ غرور کس چیز کا نام
ہے۔ وہ واقف ہی نہ تھا۔ ہندوستان اور ہندوستانیوں
سے اسکو محبت تھی۔ بے روزگار لوگوں کو دیکھ کر اس کا
دل دکھتا اور کسی ہندوستانی کے متعلق وہ جب یہ سنتا۔ کہ
اس نے پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی کرلی ہے
تو اکثر آزردہ ہوجاتا تھا۔

مذہب اسلام کو وہ تمام مذہبوں سے افضل سمجھتا تھا

زبیدہ اور رڈلیف کی پہلی ملاقات دوچار رسمی باتوں پر ختم ہو
گئی مگر اس کے بعد دونوں کے درمیان بے تکلفی ہوگئی کبھی
بوشریٹ کے بنگلے پر۔ زبیدہ رڈلیف کو مل لیتی۔ کبھی خود
رڈلیف زبیدہ کے مکان پر آجاتا ——— سراپا النقائص
انسان اپنی پارسائی دوسروں کو جتانے کے لئے بے گناہوں
کے عیب تلاش کرنے کی جستجو میں رہتے ہیں۔ ممکن ہے
ناظرین کو اس سے اختلاف ہو لیکن تجربہ کیجیئے تو ثابت ہوجائیگا
کہ جو شخص کسی دوسرے کے ایک فعل کو نہایت حقارت سے
بیان کرتا پھرتا ہے خود اس برائی کا شکار ہوگا اپنا عیب چھپانے
کا اس سے بہتر اور موقع کیا مل سکتا ہے کہ جو عیب اپنے میں
موجود ہے دوسرے کے سر منڈھ کر حقارت سے اسکو آشکارا
کیا جائے رکم از کم ہندوستانی مردوں کا عموماً اور ہندوستانی
عورتوں کا خصوصاً یہی وطیرہ ہے۔ زبیدہ اور رڈلیف کا میل
جول بدتر بن لوگوں کے لئے پیشینگوئیاں کرنے کا خاصا
موضوع بن گیا کوئی کہتا "دیکھنا تھوڑے دن بعد ہی زبیدہ
عیسائی ہوجائے گی" کوئی یوں کہتا "بیٹی ہو تو ایسی اب
مرحوم باپ دادا کا نام روشن کرے گی۔ اس کو کوئی مسلمان
نہیں جرتا" "تیسرے حضرت فرماتے" کون بے شرم مسلمان
ہوگا۔ جو ایسی بدچلن لڑکی کو پوچھے گا۔ بی اے۔ ایم اے کرانے
کے یہی نتیجے ہیں۔ اب تو اسکی نظر میں کوئی جچتا ہی نہیں لعنت
ہے ایسی تعلیم پر اور تف ہے ایسی لڑکیوں پڑ وغیرہ وغیرہ
غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ زبیدہ تک بھی یہ باتیں پہنچیں اور
وہ سرد آہ بھر کر خاموش ہوجاتی۔ بسا اوقات دل میں کہتی
رڈلیف کتنی شرافت سے مجھ سے ملتا ہے میری عزت کا
کتنا احترام کرتا ہے اور یہ نالائق لوگ مجھے بدنام کرتے ہیں میرے
بہنوئی کی تمام نالائقیاں دیکھتے ہیں اور خاموش رہتے ہیں الٹا
مجھے مشورہ دیتے ہیں کہ میں اس سے نکاح کرلوں۔ اس وحشی
درندے کی ہوس کا شکار بن جاؤں۔ مجھے رڈلیف سے
محبت نہیں وہ میرا ہمدرد ہے۔ میں اس سے صرف ملتی ہوں
تو اسلئے کہ کسی بُرے وقت میں انسانیت کے نام پر میری
مدد کرے۔ مجھے مصیبت سے بچانے کے لئے کیا یہ لوگ
میری مدد کریں گے؟ ہرگز نہیں ان لوگوں کی تو منشا یہی ہے۔ کہ
بے کس عورتیں مردوں کے مظالم کا شکار ہوتی رہیں۔ یہ
مسلمان ہیں توبہ توبہ جن کا ہر ہر قدم اسلام کے احکام کیخلاف
اٹھتا ہے۔ کیا میں اس شخص کی زوجیت قبول کروں جس نے
میری حقیقی بہن کو گیلی لکڑی کی طرح سلگایا۔ ازدواجی زندگی
کے آغاز کے ساتھ میری بہن مجسم غم بن گئی اور آخر اس سفاک
انسان پر نثار ہوکر جنت کو سدھاری۔ ہاں میں اب جوان
ہوں میری عمر بیس سال سے زائد ہوگئی۔ ہندوستان
میں اتنی عمر تک لڑکیاں کنواری نہیں رہتیں میرے سر
پر کوئی بزرگ نہیں۔ اپنی قسمت کا فیصلہ مجھی کو کرنا ہے اب
اس مفت کی بدنامی سے نجات کی یہی صورت ہے کہ میں
کسی شریف سچے مسلمان سے خواہ وہ کنگال ہی کیوں نہ ہو
نکاح کرلوں مگر اس شہر میں رہ کر ایسا نہیں ہو سکتا۔

اپنی پیاری مرحوم ماں کی سہیلی کے پاس جانا چاہیے اور میرے ہندوئی تک اس بات کی خبر مطلق نہ پہنچنی چاہیے۔"

زبیدہ ان ہی تخیلات میں غلطاں تھی کہ رڈلیف آیا حسب معمول اس نے بات چیت کی مگر رڈلیف نے محسوس کر لیا کہ زبیدہ آج کسی اندرونی خلش میں مبتلا ہے اور بغیر کچھ سوچے سمجھے پوچھ بیٹھا "آج خلاف معمول میں آپ کو اداس دیکھتا ہوں۔ تمام دن گزر گیا آپ والد کے پاس ہی نہیں گئیں خیر تو ہے؟"

زبیدہ۔ آپ کا اندازہ صحیح ہے میں کچھ پریشان ہوں۔

رڈلیف۔ کیا میں معلوم کرسکتا ہوں کہ آپ کی پریشانی کی کیا وجہ ہے؟

زبیدہ۔ میری ایک خالہ کاشمیر میں ہیں انہوں نے مجھے بلایا ہے۔ میں انشاء اللہ کل یہاں سے چلی جاؤں گی۔ چاہتی ہوں کہ میرا یہ مکان کرائے پر چلا جائے اور میں کچھ عرصہ اطمینان سے کاشمیر میں رہ سکوں۔

رڈلیف مسکرا کر بولا۔ چلئے بہتر ہوا ساتھ رہیگا۔ آپ نے سنا ہوگا والد صاحب ریٹائر ہو گئے ہیں۔ چند مہینے کاشمیر میں ہم سب ٹھیریں گے۔ والد پھر جرمنی چلے جائینگے

زبیدہ۔ ریٹائر ہونے کی اطلاع تو مجھ تک پہنچ چکی ہے مگر کاشمیر جانے کی کوئی خبر نہ تھی مجسٹریٹ صاحب جرمنی کتنے عرصے کے لئے جا رہے ہیں؟

رڈلیف۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زبیدہ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ میں عنقریب آئی سی ایس کا امتحان دینے والا ہوں۔ میری ہمشیرہ اور اسکے شوہر نے مشورہ کیا تھا کہ میں آئی سی ایس جرمنی میں کروں۔ مگر مجھے بہ نسبت یورپ کے ہندوستان سے محبت ہے میں اپنی زندگی یورپ میں بسر کرنا پسند نہیں کرتا اور میں حصول تعلیم کے لئے اپنی ہند سے جرمنی نہ گیا۔ اب ہندوستان سے مجھے ہمیشہ کے واسطے جدا کرنے کی یہ سکیم میرے والدین نے تیار کی ہے۔ کہ پہلے مجسٹریٹ تنہا جرمنی چلے جائیں امتحان سے فارغ ہوتے ہی مجھ پر جرمنی جانے کے لئے والدہ اصرار کریں اور مجھے ہمیشہ کے واسطے ہندوستان کو چھوڑنا پڑے۔ آپ کا کیا خیال ہے۔ مجھے کیا کرنا چاہیے؟

زبیدہ۔ والدین کی نافرمانی ٹھیک نہیں معلوم ہوتی

رڈلیف۔ اگر میرا کوئی صحیح اصول والدین کی نافرمانی ہے تو میں ایسی نافرمانی سے ذرا نہیں چوکونگا۔ آپ ایک ہفتہ صبر کیجئے۔ پھر ہمارے ساتھ کاشمیر چلئے گا۔ یہ سفر کار پر ہوگا۔ اور پُرلطف رہے گا۔

باقی آئندہ

آغوشِ مادر

(محترمہ بلقیس فاطمہ صاحبہ بیکس گوالیاری)

ہے تری توصیف سے قاصر زباں ای میری ماں
مہرباں دلسوز ماں روحِ رواں اے جانِ جاں

ماں ترے آغوشِ زریں کو مری ماں کیا کہوں
اِک خوشی کا آسماں یا عیش کی دنیا کہوں

جنّتِ ارضی کہوں یا کیا کہوں اس عہد کو
اب گزرتا ہے ترے آغوشِ فردوسی میں جو

تاجِ عزت ہے مری تو اور سرمایۂ عیش زا
منہ کہاں سے لاؤں اے ماں میں تری تعریف کا

ماں ہمہ نعمت میں تو اک نعمتِ عظمیٰ ہے ماں
تجھ سے بڑھکر اور نعمت اس جہاں میں ہی کہاں

تیری جانِ پاک میری ناز برداروں میں ہے
چاند کی مانند رخشاں ماں تو ہی تاروں میں ہے

جنتِ دنیا میں تو ہی وہ گلِ خوشرنگ ہے
جاذبیت تری گویا مرکزِ صد رنگ ہے

تو ہی الفت آفریں ای ماں بصد انداز ہے
تیری شفقت کی تری ہر ہر ادا غمّاز ہے

میرے ہر انداز پر مفتوں ہے تیری جانِ پاک
تیری رگ رگ میں ہے پیوستہ محبت کا تپاک

میرا اک قطرہ خوں لعلِ بدخشاں تجھکو ہی
گرمجوشی کا تری احساس پورا مجھکو ہے

تیری الفت نے مجھے بیباک کر ڈالا ہی یوں
دیکھ کر صورت تری کہتا ہے کیا دل کیا کہوں

عود کر آتے ہیں پھر جذباتِ طفلانہ مرے
لوٹنے لگتا ہے دل پھر عہدِ طفلی کے مزے

دل تڑپتا ہے ترا آغوشِ زریں دیکھکر
ضد کروں ہر بات پر تجھ سے مچل کر روٹھ کر

غریب ماں کا امیر بیٹا

مخدومہ وزیر بیگم صاحبہ حیاؔ منشی فاضل

(۱)

جب آسمان آگ برسا رہا تھا۔ دوپہر کا وقت اور گرمی ناقابل برداشت تھی۔ ہوا بالکل بند اور پسینے کا یہ عالم تھا کہ لباس تر بتر تھے۔ ہر گھر سے ملتے گرمی۔ اُف گرمی — قیامت قیامت کی آوازیں آ رہی تھیں۔ پرندے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔ وحوش جنگلوں میں پانی کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے۔ درختوں کی ٹہنیاں اور پتے سکوت سے مردہ ہو چکے تھے۔ غضنفر کی ماں چکی پیس رہی تھی۔ ایک ہاتھ سے چکی پیستی اور دوسرے سے غضنفر کو تھپک تھپک کر سلا رہی تھی۔ غضنفر کا باپ کسی دور دراز شہر میں ملازم تھا۔ جو دس روپیہ ماہوار گھر بھیجتا تھا۔ غضنفر کی ماں کفایت شعاری سے دس روپوں میں سارے گھر کا خرچ چلاتی۔ قحط ملک میں نہ تھا ہر چیز بہ آسانی تھوڑے پیسوں پر کافی مقدار میں مہیا ہو جاتی۔

سورج کے روز طلوع و غروب کے تسلسل سے غضنفر بڑھتے بڑھتے جوان ہو گیا۔ روز صبح اٹھتا جنگل میں چلا جاتا۔ گھاس پھوس اپلوں اور لکڑیوں کی گٹھڑی لاتا۔ ماں روٹی دوٹی کرتی اور غضنفر قرآن کی تلاوت کرتا۔ پھر فارغ ہو کر مدرسہ چلا جاتا۔ یہ ساتویں جماعت تک اس کا معمول رہا۔

(۲)

آٹھویں جماعت سے اسکی زندگی میں تبدیلی واقع ہوئی یعنی کبھی جنگل جاتا اور کبھی نہ جاتا۔ اب اسکے دوست اُسے پیارے لگنے لگے۔ کچھ دوست امیر اور کچھ متوسط الحال تھے ان کو دیکھ دیکھ کر اور ان سے مل جل کر غضنفر نے کچھ استفادہ کیا۔ ایک تو یہ کہ چھٹی کے بعد۔ بلاناغہ کھیلنا اور شام تک گھر سے غیر حاضر رہنا۔ دوسرے سپید اور صاف لباس پہننا۔ تیسرے بائسکوپ دیکھنا۔ چوتھے بازار سے ادھار کھانا۔ پانچویں سیر و تفریح کے لیئے ان باغات میں جانا جہاں بے مول پھول مہیا ہوں۔

ایک دن غضنفر مبارک احمد کے گھر گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ نفیس صوفے۔ عمدہ کرسیاں۔ رنگین گدیاں و تصویریں نیز پیارے دلکش تصویریں اور خوبصورت خوبصورت گلدستے بیٹھک کے حسن کو دوبالا کر رہے ہیں۔ اس کے جی میں آیا کہ کاش میری بھی بیٹھک ایسی ہوتی اور میں بھی بڑی شان سے اسمیں بیٹھا پڑھتا۔ سوتا۔ دوستوں کو بلاتا۔ ان کی دعوتیں کرتا۔ انہی خیالات کی رو میں بہتا ہوا غضنفر گھر پہنچا۔ اور ماں سے کہنے لگا۔ ہم کیوں ایک کمرہ نہ سجائیں جہاں آنے جانے والے اٹھیں۔ بیٹھیں لوگوں کے گھروں میں ایسے مخصوص کمرے اکثر ہوتے ہیں۔

ماں۔ بیٹا! غریب لوگ کہاں سے اتنی وسعت لائیں یہ امیروں کو ہی زیبا ہے۔

بیٹا۔ تو میں پھر مبارک احمد کے گھر جا کر پڑھ آیا کروں۔

ماں۔ پڑھا کرو مگر اپنا آپ نہ بھول جانا۔

بٹیا۔ میں آپکا مطلب نہیں سمجھا۔

ماں۔ ہم غریب ہیں۔ ہمیں اپنی غریبی میں ہی اللہ کی رضا پر راضی رہنا چاہیئے۔ بڑوں کو بڑی بڑی خواہشیں زیب دیتی ہیں اور چھوٹوں کو چھوٹی چھوٹی۔ کل کوئی امیر لڑکا سائیکل لے تو تم کو اسکی ریس نہ کرنی چاہیئے۔ جتنی چادر ہو اتنے ہی پاؤں پھیلانے مناسب ہوتے ہیں۔ کل تم کہو کہ مجھے شلوار سلوا دو۔ بوٹ لے دو۔ ہیٹ پہنواؤ۔ گھڑی منگوا دو یہ سب امیروں کی زینت ہیں نہ کہ غریبوں کی۔

بٹیا۔ اماں تو بوٹ اور شلوار میں کیا خرابی ہے۔

ماں۔ (پیار سے) تمہارا باپ پندرہ روپے تنخواہ پاتا ہے پانچ وہ اپنے لئے رکھتا ہے اور دس ہمارے لئے۔ اس میں اتنی گنجائش نہیں نکل سکتی کہ غیر ضروری چیزیں بھی خرید لیجائیں

بٹیا۔ شلوار اور بوٹ تو غیر ضروری نہیں۔

ماں۔ ہم جاٹ لوگ ہیں۔ زمینداری باپ دادا کا پیشہ ہے۔ ہمیں تہمد اور جوتا ہی چاہیئے۔ یہ دیرپا اور مضبوط ہیں۔

بٹیا یہ جواب سنکر خاموش ہوگیا۔

(۳)

ماں (بیٹے سے) آج کئی دن سے ایندھن ختم ہے۔ صبح تمہاری روٹی کیسے تیار کروں گی۔ جاؤ تھوڑا بہت جلدی جلدی پڑھ لو۔ پھر لکڑیاں اُپلے لے آنا۔

بٹیا۔ اماں! پڑھنے کے بعد میں ہاکی کھیلنے جاؤں گا اور شام کے بعد ایک دوست کے ساتھ تماشا دیکھنے۔

اماں۔ بٹیا۔ غریبوں کے لڑکے کھیلا نہیں کرتے ان کا سارا وقت محنت و مزدوری کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ میں بڑی مشکل سے دس روپیہ ماہوار میں گذارہ کرتی ہوں۔ پانچ آدمیوں کا دس روپے سے کچھ نہیں بنتا۔

بٹیا۔ میں ضرور جاؤں گا۔

ماں۔ تم نافرمانی کس سے سیکھے ہو۔ بے حیا دور ہوجاؤ میری نظروں سے۔

بٹیا چیں بجبیں ہوکر اپنے دوست کے گھر چلا گیا۔

(۴)

رات کے بارہ بجے کے قریب غضنفر واپس آیا۔ ماں ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھی تھی گوناگوں خیالات میں پریشان تھی۔ ماں نے ڈنڈا اٹھا کر غضنفر کی ایسی خاطر کی کہ وہ ایک دفعہ پھر غریب ماں کا غریب بیٹا بن گیا اور پہلے کیطرح اطاعت گذاری کرنے لگا۔

جب کبھی غضنفر دیر سے آتا تو ماں ناراض ہوتی اور بار بار اپنی مفلسی اور غریبی کا دردانگیز افسانہ سناتی۔ کبھی تو ماں کی باتیں سنکر غضنفر بے اختیار رونے لگتا اور کبھی ماں کو اتنی تسلی آمیز باتیں کہتا کہ اس دکھیا کا دل باغ باغ ہوجاتا

دسویں جماعت پاس کرتے ہی غضنفر ملازم ہوگیا۔ اور ساری تنخواہ ماں کو لاکر دیتا۔ گھر بھر کا افلاس خوردہ اور فلاکت زدہ نظام دنوں میں اچھا ہوگیا۔ ماں نے بہت آفرین و تحسین کہی۔ اب غضنفر کو امیر گھروں کی زینت کے اسباب جو کبھی بچپن میں اس نے دیکھے تھے ایک دفعہ پھر یاد آئے اور اس نے ماں کو لمبی چوڑی فہرست بناکر دی کہ بیٹھک کی آرایش کے لئے یہ یہ چیزیں درکار ہیں۔ یہ بہت جلد بنوانی چاہئیں۔ ماں نے کہا کہ جتنی عمدہ چیزیں ہوتی ہیں اس سے زیادہ انکی سنبھال ہونی چاہیئے۔ ضرور بناؤ اور بالضرور بناؤ۔

(۵)

اب غضنفر کی زندگی ہر گزرتے ہوئے دن کی نسبت روز بروز اچھی بنتی جارہی تھی۔ ماں نے اب غضنفر کی سدھری

ہوئی حالت کے پیش نظر شادی کا اہتمام شروع کر دیا۔

سال بھر کے بعد نہایت شان و شوکت کے ساتھ غضنفر کی شادی رچائی گئی۔ دلھن بی اے تھی۔ اور انگریزی تہذیب کی ہزار جان سے والہ و شیدا۔

(۶)

غضنفر اپنی بیگم کے ساتھ نہایت پرتکلف کمرے میں محو گفتگو ہے۔

بیگم۔ میرے خیال میں آج سے ہم علیحدہ کھایا پکایا کریں۔ مجھ سے سارے مسافر خانہ کی روٹیاں نہیں پک سکتیں۔

خاوند۔ میری والدہ اور بہنیں ....

بیگم۔ میں نے ٹھیکہ نہیں کر رکھا

خاوند۔ خبردار اگر ایسی نفاق و پھوٹ کی باتیں کیں۔ تو پھر تمہارے ساتھ گذارہ نہ ہو سکیگا۔

بیگم۔ کوئی اور لے آؤ۔ مجھے اسکی پرواہ نہیں۔

خاوند کا چھوٹا بھائی۔ بھابی جی امی جان بلاتی ہیں۔

بیگم۔ میں کسی کی ملازم نہیں ہوں۔ اسکو کہو یہاں آجائے

سکندر (غضنفر کے چھوٹے بھائی) نے اسی طرح جاکر کہدیا۔

سکندر کی ماں آتی ہے۔

"کیوں بیٹی کیا بات ہے؟ کسی نے کچھ کہا ہے یا مجھ سے ناراض ہو۔ اونچے گھرانے کی بہو بیٹیاں اونچے اخلاق کی مالک ہوتی ہیں لیکن تم رہے ایک طرف وہ غیروں کو بھی اپنا بنالیتی ہیں۔ آخر بات کیا ہے؟

فہمیدہ (غضنفر کی بیگم) سچی سچی بات تو یہ ہے کہ میں کوئی باورچن کی بیٹی تو نہیں مجھ سے سب گھر کی روٹیاں نہیں پک سکتیں۔

غضنفر کی ماں۔ بیٹی یہ کونسی بات ہے۔ نہ سہی جتنا کام آسانی اور سہولت سے کر سکا کرو۔ کیا کرو۔

یہ کہکر غضنفر کی ماں چلی گئی اور بقول "عاقل را اشارہ بس است" سمجھ گئی کہ فہمیدہ اپنے میاں کو ساتھ لے کر الگ ہونا چاہتی ہے۔

کچھ دنوں کے بعد میاں بیوی کو الگ کر دیا گیا۔

(۷)

فہمیدہ ایک تنہا خور اور غیر ہمدرد عورت تھی۔ وہ سوائے اپنے خاوند کے کسی دوسرے انسان سے ملنا جلنا گناہ سمجھتی غضنفر کی چھوٹی بہنیں اور بھائی جب اداس ہوتے اپنے بھائی کے گھر کی راہ لیتے۔

غضنفر ملازمت پر گیا ہوتا۔ گھر میں وہی فہمیدہ ہوتی جو نہ کسی سے بولتی نہ چالتی۔ نہ کسی سے یہ پوچھتی کہ تم کیوں آئے اور کیا کام ہے۔ بالکل روٹھے ہوئے بچے کی طرح ایک کونے میں گھسی رہتی۔ کئی بار غضنفر کے بھائی اور بہنیں پیاسی اور بھوکی آئیں۔ مگر فہمیدہ کے بے درد دل کو کبھی احساس نہ ہوا کہ میری بے مہری میرے ننگ و ناموس کے لئے اچھے نتائج نہ پیدا کر سکیگی وہ ہر طرح بے نیاز و بے پرواہ تھی۔

ماں نے جب فہمیدہ کو حد سے زیادہ روکھا پایا۔ تو اس نے اپنے پسر کلاں کو بڑی شفقت اور محبت سے سمجھایا کہ تمہارے یہ اطوار اچھے نہیں۔ بیٹا! دنیا تمہیں برا کہیگی کوئی رشتہ دار منہ نہیں لگائیگا۔

بیٹا سب کچھ سنتا مگر ماں کے احکام نہ مانتا۔

ماں نے سمجھانا بجھانا تو کیا ملنا جلنا قطعاً چھوڑ دیا اور خدا حافظ کہدیا۔ (باقی دارد)

سلوار کے پہنچے
ٹکوزی
موزوں جگہ پر مناسب رنگ کے
ریشمی دھاگے سے کشیدہ کیا جائے تو
نہایت عمدہ معلوم ہوتا ہے۔
(ح-ب)
پیٹی کوٹ
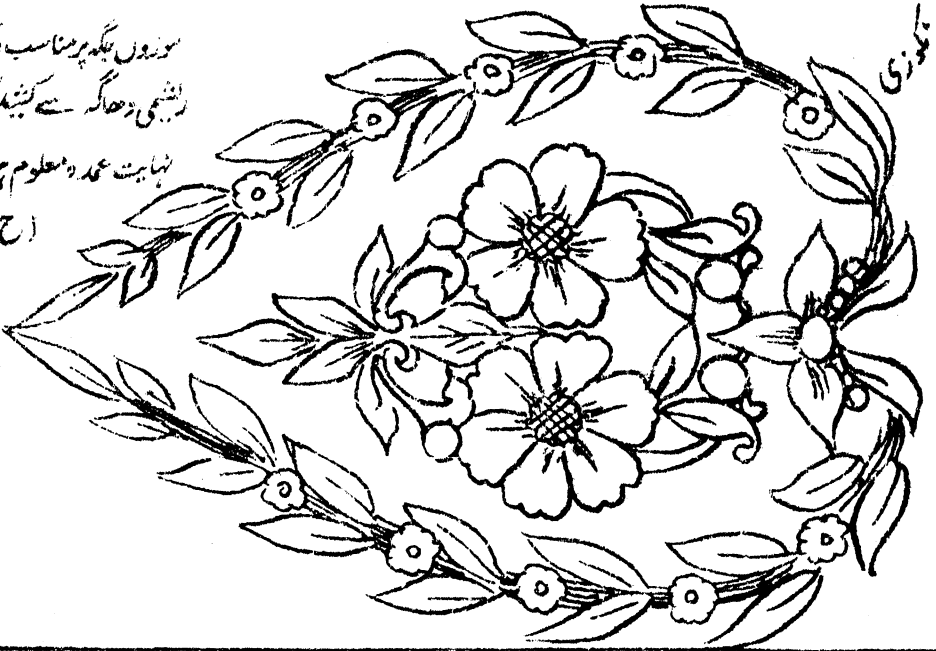
نقد و نظر

کامیاب ۔ یہ ماہوار رسالہ مولانا ظفر نیازی کی سرپرستی میں دہلی سے ایک عرصہ سے شائع ہو رہا ہے۔ ادارت میں حضرت نسیم فدائی اور جناب رفیق عزیزی شامل ہیں۔ مضامین نہایت مفید۔ دلچسپ اور بلند پایہ ہیں۔ رسالہ ہا اسم با مسمیٰ ہے حجم ہر ماہ ۶۲ صفحات یا اس سے زیادہ پر مشتمل۔ خوبصورت لکھائی چھپائی خوب ہے۔ ان تمام خوبیوں کے باوجود چندہ سالانہ صرف ایک روپیہ ہے اور فی پرچہ ۲؍ شائقین حضرات دفتر کامیاب دہلی سے طلب فرمائیں۔

پیام ادب ۔ حضرت نشتر جالندھری ملک کے مشہور ترین ادبا میں سے ہیں۔ پیام ادب آپ کی زیر ادارت شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ چار پرچے ہماری نظروں سے گزر چکے ہیں۔ پرچہ بلحاظ صوری و معنوی خوبیوں کے بہت ہی قابل تعریف ہے اسمیں علمی۔ ادبی اور اسلامی بلند پایہ مضامین درج ہیں مضمون نگار اصحاب میں مشہور اہل علم اور قابل حضرات شامل ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ یہ رسالہ ہمیشہ علم و ادب و مذہب کی خدمت کرتا رہے اور ترقی کی شاہراہ پر گامزن رہے۔ سہ رنگا خوبصورت ٹائٹیل۔ کاغذ اچھا حجم ۴۳ صفحات چندہ سالانہ ایک روپیہ۔ مینجر رسالہ پیام ادب کشمیری بازار لاہور سے طلب فرمائیں۔

محقق ۔ ریاست بہاولپور سے اس نام کا رسالہ ماہوار شائع ہوتا ہے جسمیں علمی۔ ادبی اور تاریخی مضامین شائع ہوتے ہیں۔ اس کے ڈائرکٹر خواجہ شجاع منعمی اور مدیر رازی عرفانی صاحب ہیں۔ علاوہ ازیں اور حضرات بھی اسکے ادارہ تحقیق میں شامل ہیں۔ خواتین اور بچوں کے لئے بھی رسالے کا ایک حصہ وقف ہے۔ حصہ نسواں کی مہتمم محترمہ بیگم خ۔ ش رفعت صاحبہ دہلوی بی اے ہیں حجم ۸۴ صفحات۔ کاغذ عام صحائف جیسا۔ لکھائی۔ چھپائی اچھی ہے۔ چندہ سالانہ تین روپے۔ طلبہ سے دو روپے۔ فی پرچہ ۴؍ رسالے ملنے کا پتہ:۔ مینجر رسالہ محقق بہاولپور ریاست۔

الزہرا ۔ یہ رسالہ جالندھر شہر سے محترمہ شمیم آرا بیگم شمیم صاحبہ جالندھری کی ادارت میں ماہوار شائع ہوتا ہے محترمہ موصوفہ ہندوستان کی مشہور انشا پرداز خاتونوں میں سے ہیں۔ آپ کا رسالہ کامیاب رسالہ ہے۔ عورتوں کے لئے نہایت مفید سبق آموز اور اصلاحی مضامین کا حامل ہے۔ ادبی علمی اور دستکاری کے مضامین اسمیں شائع ہوتے ہیں حجم ۴۶ صفحات۔ کتابت طباعت اچھی۔ سالانہ چندہ عہ روپے فی پرچہ ۳؍ شائقین بھائی بہنیں الزہرا جالندھر شہر سے خط و کتابت کریں۔

سلطان المشائخ ۔ یہ ماہوار رسالہ بیادگار حضرت قبلہ سید شاہ علی حسین صاحب جیلانی جاری کیا گیا ہے مدیر سید عبد اللطیف شاہ صاحب بخاری ہیں۔ اس رسالہ کا بڑا حصہ متصوفانہ مضامین کا حامل ہوتا ہے۔ خالص مذہبی پرچہ ہے۔ خصوصاً جن حضرات کو اولیا و صوفیا سے عقیدت و محبت ہے۔ ان کے لئے یہ پرچہ نہایت مفید ہے۔ اولیائے

گذشتہ کے سوانح اور دوسرے مذہبی مضامین کے علاوہ نظمیں اور ادبی مضامین بھی درج ہیں۔ لکھائی چھپائی اور کتابت متوسط۔ چندہ سالانہ عہ فی پرچہ ۲ر۔ منیجر سلطان المشائخ بھاٹی دروازہ کوچہ جوگیاں لاہور سے طلب کریں۔

ہومیوپیتھک میگزین - زیرادارت ڈاکٹر محمد مسعود صاحب قریشی ہیملٹن روڈ لاہور سے شائع ہوتا ہے۔ اس کے مضامین جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے طبی اور خصوصاً ہومیوپیتھک موضوعات پر مشتمل ہیں اس میں امراض علاج۔ تحقیق ادویات اور اسی قسم کے دوسرے طبی مضامین درج ہوتے ہیں۔ رسالہ ہذا ان حضرات کے لئے خاص طور پر مفید ہے جو ہومیوپیتھی سے شغف اور دلچسپی رکھتے ہیں۔ اس میں مضامین کے مطابق بعض جگہ تصاویر بھی ساتھ ساتھ دی گئی ہیں۔ لکھائی۔ چھپائی اور کاغذ اچھا سالانہ چندہ عہ

خزینۂ حسن
الموسوم بہ
آئینہ خانہ
مرتبہ
غازی عبدالمجید شمیم وزیری جرنلسٹ مدیر دلگداز
چند ابواب کے عنوانات ذیل میں ملاحظہ فرماویں
خوبصورتی کے راز جسمانی ورزشوں کے طریقے۔ کالے بدنما چہرے کو گورا چٹا بنانے کی ترکیبیں۔ بہترین نسخے بدنما چہرے کیونکر خوبصورت بن سکتے ہیں۔ بیشتر اخبارات نے بہترین آرا لکھی ہیں۔ یہ کتاب ہر گھر میں موجود ہونی چاہیئے۔ دیگر ہر قسم کے نسخہ جات آواز کو دلکش بنانے والے نسخے۔ خضاب۔ بالوں کو خوبصورت بنانے کے نسخے اس میں درج ہیں قیمت ۱۲ رعایتی۔ ضخامت ۱۰۰ صفحات کاغذ نہایت عمدہ دبیز محصول ڈاک ۵
داستان حسن ورزش کے فائدے ورزش کے لئے ہدایات اصلی حسن مصنوعی حسن دوامی
شاعرانہ طبی حسن۔ رہائشی مکان۔ طویل عمری۔ طعام غذا بسیار خوری کے نقصانات کم خوری سے پیدا ہونیوالے امراض
مناسب غذا غسل۔ لوازمات غسل ورزشیں عینک سے نجات صنف نازک کی آرائش زیبائش کارآمد اور مفید مشورے۔
مہاسے اور ان کا علاج مفید نسخے۔ داغ دھبے چھائیاں دور کرنے کے نسخے چہرہ صاف کرنیوالی دوائیں وغیرہ
ملنے کا پتہ: شیخ غلام علی اینڈ سنز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور

مقامِ اشاعت: کشمیری بازار۔ لاہور

اسلامی ادبی تاریخی اقتصادی اور نسوانی

ماہنامہ

گداز

لاہور

اگست ۳۷ء

ادارۂ تحریر

مرزا محمد اسلم بیگ نسیم
محمد عبداللطیف تسلیم

بہرۂ نسواں

ح - ب
ص - ب شمیم
خواہرزادی حضرت جوش مدظلہٗ

دفتر - کشمیری بازار لاہور

سالانہ چندہ ؏ ششماہی عہ سہ ماہی ۹ر فی پرچہ ۳ر

باہتمام منشی محمد یسین بٹ ایڈیٹر پرنٹر پبلشر علمی پرنٹنگ پریس ہسپتال روڈ لاہور میں چھپکر دفتر ماہنامہ گداز کشمیری بازار لاہور سے شائع کیا

ادبِ اردو مذہبِ اسلام اور اقتصادِ ملک

کا اپنی نوعیت کے واحد ترجمان

ماہنامہ دلگداز کا

سالنامہ مصور

ترتیب دیا جانے لگا ہے جو دنیائے صحافت میں ایک شاندار ادبی تحفہ ہوگا

جس میں

ملک کے بلند پایہ ادیبوں، وقیع مورخوں، نغز گو شاعروں، اسلام نوازوں، جلیل القدر تاجروں اور ملک کی مایۂ ناز انشا پرداز خواتین

کے گراں قدر مقالات

درج ہوں گے۔ ضخامت ۲۰۰ صفحات کے قریب ہوگی۔ مستقل خریداروں کو مفت یعنی زرِ چندہ ڈیڑھ روپیہ سالانہ میں ہی مفت نذر ہوگا۔ اور غیر خریداروں کو ۸/ علاوہ محصول ڈاک پر مل سکے گا

ابھی

ڈیڑھ روپیہ بھیج کر اس خاص رعایت سے استفادہ کیجئے۔ ایسی بھول نہ کیجئے کہ بھول جائیے اور بعد میں پچھتائیے

مشتہرین حضرات کو بھی

آج ہی سے اشتہارات کے لئے جگہ ریزرو کرا لینی چاہیئے۔ یہ کثیر الاشاعت پرچہ ہر طبقہ کے لوگوں میں مقبول ہے
مضامین کے لئے ایڈیٹر سے خط و کتابت کریں اور اشتہارات کیلئے مہتمم اعلیٰ کے نام *

(ایڈیٹر)

اشارات

(از عبد المجید شیم مدیر)

محکمۂ تعلیم کے اربابِ بست وکشاد اور ہم

اچھرہ میں ہیڈ مسٹرسوں کی چیرہ دستیاں

حکومتیں ہمیشہ اپنی رعیت کی جائز تکالیف کو دور کرنے میں عجلت سے کام لے کر مناسب اقدام کرتی ہیں اور مظلومین کی اعانت میں تساہل نہیں کرتیں۔ ہر ترقی پسند حکومت اپنی رعایا کو متمدن اور مہذب بنانے کے لئے جدوجہد کرتی ہے۔ مگر تعجب ہے کہ حکومت پنجاب "کچھوے کی رفتار" کو خرگوش کی تیزگامی پر کیوں سراہتی ہے جبکہ دورِ حاضر کی ملکی اور غیر ملکی حکومتیں منزل از تا منزل پہونچنے میں بڑی سرگرمی سے مصروف ہیں

لاہور میں ڈسٹرکٹ بورڈ کے یوں تو اور مدارس بھی کافی ہیں جن میں سے بعض کا نظم ونسق نہایت قابلِ تعریف ہے مگر اچھرہ ڈی بی زنانہ پرائمری سکول "اچھرہ" کی موجودہ ہیڈ مسٹرس صاحبہ جنہوں نے شاید پیدا ایک دن بھی وقت کی پابندی کے ساتھ سکول میں طالبات کو درس نہیں دیا کے متعلق بہت اہم شکایات ہیں مشتے نمونہ از خروارے۔

۱۔ اچھرہ کا مدرسہ مذکورہ ہیڈ مسٹرس صاحبہ کے تصرف وقبضہ میں ہے۔ "سکول عمارت" کی آپ مالکہ ہیں اور آپ نے کرایہ پر عمارت مذکور کا کچھ حصہ ڈسٹرکٹ بورڈ نے سکول کیلئے لے رکھا ہے۔ اور کچھ حصہ میں وہ بذاتِ خود رہتی ہیں۔ کیا ڈسٹرکٹ بورڈ کے مقتدر ارکان نے کبھی آج تک غور کیا کہ یہ جگہ مدرسہ کیلئے ناکافی ہے۔ تنگ ہے صحتِ طالبات کے لئے غیر مفید ہے اسے بدل دیا جائے؟ نہیں! مطلقاً نہیں!!

پھر ہیڈ مسٹرس صاحبہ مدرسہ کو گھر اور گھر کو مدرسہ نہ سمجھیں تو کیا سمجھیں! جب ان کا جی چاہتا ہے مدرسہ میں داخل ہونے کے لئے کھڑکی کے کواڑ کھولتی ہیں تو چشم زدن میں سکول میں پہنچ جاتی ہیں اور جب جی اکتا تا ہے تو پھر "سم سم" کہکر دروازہ کھولتی ہیں اور گھر میں داخل ہوجاتی ہیں۔ گویا وہ ایک ہی وقت میں سکول میں اور گھر میں بھی موجود ہوتی ہیں۔ پھر دنیاوی امور مثلاً موت وحیات اور شادی وغمی کے حوادث کا تانتا بندھ جاتا ہے کبھی بسترا دہ بیمار ہوجاتا ہے اور کبھی دخترزادی صاحب فراش۔ اور یہ سلسلہ آفتاب کی روزانہ گردش طلوع وغروب کی طرح جاری وساری ہے۔ جس سے طالبات کا بہت زیادہ نقصان ہوتا ہے گھر میں مدرسہ ہونے سے آپ ناجائز فائدہ اٹھاتی ہیں۔ اپنے آپ کو سکھ اور آرام میں رکھتی ہیں اور بچیوں کی راہ ترقی میں سدِ سکندری ثابت ہوتی ہیں آپ کی اس روش سے طالبات کے والدین کا مقصدِ اولیٰ بالکل فوت ہوجاتا ہے اور بچیوں کی پڑھائی اور ترقی معرضِ التوا پڑجاتی ہے۔

(۱۲) غیر حاضر طالبات کی درخواستوں کا ریکارڈ رکھنے کا کوئی نظام نہیں جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ وہ بیمار ہے۔ شادی پر ہے یا رخصت پر۔ کیا اس بے قاعدگی کی تہ میں جو عیوب نمایاں ہو سکتے ہیں یا جن شکوک کے متعلق گمان کیا جا سکتا ہے وہ درخور اعتنا نہیں سمجھے جا سکتے؟

(۱۳) استانیوں کا رجسٹر حاضری بھی نادارد ہے۔ "یک نشد دو شد" کیا اس خامی سے کوئی نقصان کا احتمال ہے یا نہیں؟ بالفرض مثلاً ہیڈ مسٹرس سے ماتحت استانی کی طبیعت نہ ملے۔ یا خدانخواستہ کسی وجہ سے رنجیدگی اور ناراضگی پیدا ہو جائے اور ہیڈ مسٹرس ماتحت مسٹرس پر غیر حاضری کا یا تاخیر کا جرم عائد کرتے ہوئے کوئی شکایت سچی جھوٹی اوپر لکھ بھیجیں تو از راہ انصاف بتائیے کہ ماتحت استانی کی کتنی نازک پوزیشن ہوگی اگرچہ وہ غریب کتنی ہی سچی کیوں نہ ہو؟ یہ ضروری نہیں کہ مسٹرس اور ہیڈ مسٹرس ایک ہی مزاج کی ہوں!

پھر آگے بڑھیے۔ اگر ہیڈ مسٹرس اپنے کاروبار خانگی کی زیادتی کے باعث اگر سکول میں باقاعدہ حاضر نہ ہوتی ہو۔ اور سب جماعتوں کی نگرانی ماتحت استانی کو کرنی پڑے۔ اور ماتحت استانی ہیڈ مسٹرس سے شکایت کرے اور ہیڈ مسٹرس بحیثیت ہیڈ مسٹرس کے اسکی شکایت کو قابل اعتنا نہ سمجھے تو غریب ماتحت استانی اسکا کیا بگاڑ سکتی ہے؟ اور ہیڈ مسٹرس تو ماتحت پر جو عذر تراشے اور جو اوپر لکھ بھیجے اسی پر عملدرآمد ہوگا۔ ان نازک حالات کے پیدا ہونے کا امکان تو یقینی ہے مگر ماتحت استانی کے بچاؤ کی کیا صورت۔ رجسٹر حاضری بھی "نایاب" ہے۔ کسقدر اسکی اشد اور فوری ضرورت ہے؟

(۱۴) ہیڈ مسٹرس کی یہ "مطلق العنانی" کسی طرح بھی اچھے نتائج پیدا نہیں کر سکتی۔ مذکورہ ہیڈ مسٹرس چونکہ ایک معقول مدت سے روڑی پتھر کی طرح ایک ہی جگہ قائم ہے۔ جس کے سبب اس کا وسیع حلقۂ ملاقات حاضری مدرسہ میں مزاحم ہوتا رہتا ہے۔ اور طالبات کو خلاف توقع زیان اٹھانا پڑتا ہے۔

لہذا ہم محکمۂ تعلیم کے حکام بالا سے پرزور اپیل کرتے ہیں کہ وہ بالا شواہد و حقائق کی روشنی میں مکان کا ناکافی ہونا۔ موجودہ ہیڈ مسٹرس کا مستقل قیام اور دیگر شکایات کے پیش نظر فی الفور تسلی بخش انتظام فرمائیں اور موجودہ ہیڈ مسٹرس کا تبادلہ عمل میں لا کر طالبات کے سنا کی والدین کو مطمئن فرمائیں تاکہ موجودہ ہیڈ مسٹرس صاحبہ "گھر مدرسہ اور مدرسہ گھر" کی آڑ میں فرض شناسی کی دائم المریض نہ ہو جائیں نیز رجسٹر حاضری اور درخواستوں وغیرہ کی حفاظت کا جلد از جلد مناسب اہتمام فرمائیں۔

"پھر اچھرہ" میں

اور سنیئے! بدقسمتی سے یہاں ہندو زنانہ سکول کی ہیڈ مسٹرس کچھ ایسی "مختار کل" غصیلی اور بے رحم واقع ہوئی ہے کہ بعض اوقات بچیوں کو اس بے رحمی اور سختی سے زدوکوب کرتی ہے کہ طالبات کے ہاتھ پاؤں بیکار ہو جانے کا خدشہ لاحق ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایک دو کیس ایسے ہوئے بھی ہیں!

کیا لڑکیوں کو اس طرح بدنی سزائیں دینا درست ہے! اور کیا محکمہ تعلیم کے ذمہ دار حکام ان سختیوں کا پورا پورا احساس رکھتے ہیں؟ یقیناً انہیں احساس ہے جیسا کہ ہمیں ان سے توقع ہے۔ وہ کبھی ان بے انصافیوں کو بنظر استحسان نہیں دیکھیں گے اور اپنی پہلی فرصت میں ان ہر دو اہم مطالبات عامہ پر غور فرما کر رحمدل۔ مہربان اور شفیق استانیاں ان ہر دو مدارس میں متعین فرمائیں گے۔ اور ایسی بے مہر اور اخلاق کش استانیوں کو کہیں مناسب مقامات پر بدل کر مظلوموں کی دستگیری فرمانے میں تاخیر نہ فرمائیں گے۔

مزار زیب النساء، مورخین اور محکمہ آثار قدیمہ

از ایم اے لطیف رکن ادارہ "دلگداز"

مزار زیب النساء کے متعلق تحقیق کرنے والوں نے اپنی اپنی معلومات کے مطابق اور تاریخی حقائق کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ مرحومہ کا مزار دہلی میں ہے اگرچہ یہ کوئی قطعی اور آخری فیصلہ نہیں تاہم قیافہ و قیاس اور اندازہ یہی ہے کہ شہزادی مرحومہ مدفون دہلی میں ہے مگر ایک گروہ ایسا بھی ہے جو اس پر صاد (اعتماد) نہیں رکھتا اور جو نہ ہی رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ اس امر کی تحقیق میں کوئی شخص بھی اپنے آپ کو عینی شاہد قرار نہیں دے سکتا۔

نواں کوٹ ملتان روڈ کے وسط میں ایک شکستہ مزار ہے جس کی بناوٹ اور تعمیر اس بات کی موید ہے کہ جب کبھی احاطہ جو بھی وسیع و عریض اور پُر رونق باغات سے آباد تھا تو جس طرح دیگر عمارات اپنی شہنشاہانہ تعمیر پر مفتخر و نازاں تھیں اسی طرح جب سے بنایا گیا ہوگا تو اسکی شان بھی کسی طرح ان سے کم نہ ہوگی۔ چونکہ مزار اپنے نقشہ عمارت اور محل وقوع سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دیگر فرسودہ اور شکستہ عمارتوں کے ساتھ ہی اس کا مرکز رشتہ ہے جیسے ایک بالغ و عاقل کسی حالت میں قطع ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔

ایک حاکم کے حکم سے ایک ہی وقت اور ایک ہی زمانہ میں ایک ہی تعمیر شدہ عمارات اس امر پر دال ہیں کہ بنانے والے کی نظر میں وہ سب کی سب ایک جیسی وقیع اور محبوب ہیں۔ نیز قابل غور امر یہ ہے کہ اس شہنشاہی احاطہ میں غیر معروف اور غیر نژاد آدمی کا دفن ہونا از نا ممکنات میں سے ہے۔ مسعود مزار اگر زیب النساء کا نہیں بھی ہے تو بھی وہ کسی ایلچی، کنیز اور خادم کا تو ہو نہیں سکتا یہ بات تو قرین قیاس ہی نہیں کہ شاہی احاطہ میں معمولی شخص کا مقبرہ ہو۔ اول تو یہ کہ ہم وثوق سے اسکے زیب النساء کے مزار ہونے سے انکار ہی نہیں کر سکتے اور بالکل خلاف اسکے نہ ہی اسے یقینی طور پر مزار زیب النساء سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ ان دونو صورتوں میں ہر سمجھدار متذبذب و متحیر نظر آتا ہے۔ پھر کسی گروہ کو یہ کیا حق ہے کہ وہ یکطرفہ فیصلہ کر دے۔ محکمہ آثار قدیمہ کی نظر میں "کہنہ" ہونے کے سبب سے دونوں مزارات ایک ہی حیثیت رکھتے ہیں۔

مزار کے زمانۂ تعمیر کا تعین اگر ذہن میں تھوڑی دیر کے لئے لایا جائے تو اسکے "شاہانہ عمارت" ہونے سے کوئی بھونڈی ذہنیت کا انسان بھی منکر نہیں ہو سکتا۔ پھر مزار کا محل وقوع اتنا واضح ہے کہ اہل بصیرت اسے شاہی احاطے سے خارج قرار نہیں دے سکتے۔

جس طرح عام انسانوں، سائنس دانوں، ڈاکٹروں وغیرہ کی معلومات عام طور پر صحت کی حامل نہیں ہوتیں اسی طرح محققین اور مورخین کی ہر قسم کی تحقیق و تدقیق بھی درست نہیں کہی جا سکتی یہ تحقیق جو مزار زیب النساء کے متعلق بعض مورخوں نے مختلف اوراق پارینہ کی امداد سے اخذ کی ہے کہ شہزادی مرحومہ کا مزار دہلی میں ہے حد درجہ مضحکہ خیز ہے۔ کیونکہ نواں کوٹ والا مزار اپنے اعتبار تعمیر سے اپنے اندر اتنی صداقت رکھتا ہے اور اپنی دیرینہ زندگی کے آثار کے وہ قاطع دلائل پیش کرتا ہے کہ جن سے انکار

کرنا اپنی بصیرت کے نہ ہونے کے اقرار کے مرادف ہے۔

اس اعتبار سے کہ یہ زیب النسا کا مزار ہے اور یہ زیب النسا کا مزار نہیں۔ اس بحث کو چھوڑئیے اور اس نظریہ سے مشارٌ الیہ کو دیکھئے کہ آخر یہ کسی شاہی فرد کا مزار ہو سکتا ہے یا نہیں؟ تو یقیناً آپ آسانی بہاسے مدعا کو پالیں گے بلکہ ہمارے مویدین جائینگے بحیثیت اس کے کہ یہ ایک پرانی عمارت ہے۔ شاہی عمارت ہے اور مزار ہے اور کسی شاہی فرد کا مزار ہے اسکی حفاظت محکمہ آثارِ قدیمہ پر فرض ہو جاتی ہے۔ نولکھ میں دیگر برجوں کی حفاظت کے لئے تو لوہے کے جنگلے لگا دئے گئے ہیں اور شکستہ دیواروں کی مرمت اور بعض از سرِ نو بنوا دی گئی ہیں۔ اور حفاظت کے لئے ایک آدمی متعین کر دیا گیا ہے نیز قدیم عمارات کی متعلقہ اراضی بھی لوگوں سے واپس لے لی ہے تاکہ عماراتِ قدیمہ کی پرانی ٹھاٹھ اور دضع زمانے کے ظالم ہاتھوں سے ضائع نہ ہو جائے۔ مگر قائف اور غلط گو اور غلط رو مورخین کی لاطائل بحث نے اس مزار کی حفاظت کے مسئلہ کو آج تک کھٹائی میں ڈال رکھا ہے۔

کیا مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں مزار کے وہ آثار جو بادی النظر میں چھوٹی موٹی عقل کا انسان دیکھ سکتا ہے اُسے مجالِ انکار کی کیا ضرورت درپیش آسکتی ہے۔ اغلباً کوئی ایسا احمق اور نابینا نہیں جو اس حقیقت باہرہ سے منکر ہو سکے۔

آج کل یہ مزار معروف ایک ایسے شخص کے تصرف میں ہے جس کا مکان مزار کے قرب میں ہے اس نے خواہ مخواہ بزورِ بازو مزار کے بلند دروازہ میں اینٹیں بھرتی کرکے ایک چھوٹا سا دروازہ بنا کر اُس بڑے دروازہ کی شکل و صورت کو مسخ کر دیا ہے۔ جسے وہ اکثر مقفل رکھتا ہے۔ عقیدتمندانِ مزار یہ دیکھکر از حد مضمحل ہوتے ہیں۔ کئی بار فساد کی آگ سلگ سلگ کر فرو ہو چکی ہے۔

مزار کے "آثارِ قدیمہ" میں سے سب سے بڑا شاہد مزار کا گنبد ہے۔ جو اپنے شاہی عمارت ہونے کا ایسا روشن ثبوت ہے جس سے منکر ہونا آفتاب کی روشنی اور گرمی سے انکار کرنے کے مترادف ہے۔ مقبوضہ مزار کا والی تو گویا اس کا سارا خاندان وسیا مزار نہیں بتا سکتا۔ دوسرے آصف جاہ کے گنبد سے اس مزار کا گنبد طور پر ملتا جلتا ہے مُوبرابر فرق معلوم نہیں ہوتا۔

مزار کے اندر ناجائز طور پر بکریاں وغیرہ باندھی جاتی ہیں۔ ناجائز والی (قابض) کی رشتہ دار عورتیں چرخے کاتتی ہیں۔ ہر طرح اسے ملیا میٹ کیا جا رہا ہے۔ جو حد درجہ معیوب اور ناقابلِ برداشت ہے۔ قابض اپنی زبان سے مزار کے متعلق یہ کہتا ہے اور وہ تو وہ کہتا ہے کہ یہ مزار زیب النسا کا ہے۔

ہم حکومت اور محکمہ آثارِ قدیمہ کے نیک طبائع افسروں سے متوقع ہیں کہ وہ مزار مذکورہ کی موجودہ حالت اس کا محل وقوع وغیرہ بچشم خود ملاحظہ فرما کر ایسا اقدام کریں جس سے کہ وہ ہمیشہ کے لئے محو ہونے سے بچ جائے۔ یہ نقوش اور یہ عمارتیں اگر باقی ہیں ہوں تو یقیناً یہ حکومت کی فیاضی اور اسکی کرم گستری اور نیک نامی کی دلیل ہے۔ اور مزاراتِ شاہی یا عماراتِ شاہی کی حفاظت کی ذمہ داری بھی زیادہ تر بادشاہوں پر عائد ہوتی ہے۔

حکام بالا کو "مرے ہوئے انسانوں کے مزارات کی حفاظت کیلئے" قانونی دفعات کے پیشِ نظر کہ اگر عام انسان کا مزار کوئی توڑے یا نقصان پہنچائے تو قانون ایسے شخص کو سزا دئے بغیر نہیں چھوڑتا۔ مگر اب اس مزار کا جائز مدعی کون ہے؟ یہ مشکل ہے لیکن "مردہ بدست زندہ" کے مصداق ہر زندہ انسان مدعی بن کر حفاظت کرنا چاہے تو نامناسب نہیں!

اردو سلسلۂ تعلیم الاسلام

مرتبہ

علامہ مولانا مولوی نذیر احمد صاحب سیماب

بازار میں اس سے پہلے کوئی اسلامی کتابوں کا ایسا سلسلہ موجود نہ تھا جو ضرورت وقت کے لحاظ سے اسلامیان ہند کے بچوں کے لئے مفید ہو۔ اور وہ کم و بیش اپنے مذہب کے ضروری مسائل سے واقف۔ اخلاق میں بلندی اور پاکیزگی۔ مہر و محبت اخوت اور پیار پیدا ہو۔ قومی یکانگت اور اسلامی معاشرت آشکار۔ ادب آموز ہو۔

ہم نے

اس اہم ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے مولانا سیماب سے ایک نہایت مفید سلسلہ لکھوایا ہے جو اپنے اوصاف مخصوصہ کے باعث از حد مقبول و ہر دلعزیز ہو۔ لہٰذا آپ بھی اپنے فرزندوں کو یہی پڑھوائیں

اسلام کا قاعدہ

یہ قاعدہ اعراب۔ ہجے وغیرہ سکھانے میں سب پر سبقت لے گیا ہے۔　　قیمت ۔/ر

اسلام کی پہلی

عدت اور قرآن کریم کیا ہیں۔ ان کو کیوں ماننا چاہیئے۔ امثلہ جات سے سمجھایا گیا ہے　　قیمت ا/ر

اسلام کی دوسری

ایمان کی صفتوں اور روزوں کا ذکر ہے خدا کی توحید اور رسالت کا کیوں اقرار کرنا چاہیئے۔ وضو اور نماز کے قواعد قیمت ۳/ر

اسلام کی تیسری

بقیہ نماز کا بیان۔ روزے کی وجہ تسمیہ اور ضرورت وغیرہ کا مکمل بیان ہے۔　　قیمت ۲/ر

اسلام کی چوتھی	اسلام کی پانچویں	اسلام کی چھٹی	اسلام کی ساتویں	اسلام کی آٹھویں
اس کتاب میں حج اور زکوٰۃ کا مفصل بیان	اس کتاب میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تشریح	نکاح۔ طلاق اور عدت کے متعلق بیان	تجارتی کاروبار۔ بیع امانت اور رہن وغیرہ	اس میں مفصل مسائل پر بحث کی
ہے قیمت ۳/ر	ہے قیمت ۴/ر	ہے قیمت ۵/ر	درج ہیں قیمت ۶/ر	گئی ہے قیمت ۸/ر

شیخ غلام علی اینڈ سنز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور

فہرست مضامین

جلد (۱) مقام اشاعت کشمیری بازار لاہور نمبر (۵)

مہتمم اعلیٰ شیخ نیاز احمد نیاز

نمبر شمار	مضمون	صاحب مضمون	صفحہ
۱	گذارش	ایڈیٹر	۳
۲	اشارات	مدیران	۴
	اسلامیات		
۳	مسلم	مرزا غلام عباس زائر	۹
۴	حقائق القرآن	مولانا حمید الدین فراہی	۱۲
۵	حدیث نبوی	مدیر	۱۴
۶	رہبر عالم	ڈاکٹر خالد شیلڈرک	۱۶
۷	ذاکر سے خطاب	حضرت جوش	۱۸
۸	اکملیت اسلام	پروفیسر عبد الحمید صاحب	۲۵
۹	فطرت الاسلام	نواب سید محمد علی حسن خان مدظلہ	۲۸
۱۰	فضائل کلمہ شریف	مولانا امداد حسین صاحب	۳۰
۱۱	اتفاق	مرزا نسیم صاحب	۳۱
۱۲	افتراق ملت	حضرت شمیم	۳۴
	ادبیات		
۱۳	کامیاب رومان	سید منظر گیلانی صاحب	۳۵
۱۴	زریں مقالات	مولانا محمد کامل انصاری	۳۸
۱۵	مجاہدین و شہدائے ملت	حضرت فطرت	۳۹
۱۶	نیچر زمین	محمد مقبول عالم صاحب	۴۰
۱۷	خدمت	مدیر	۴۱
۱۸	انتقاد	مرزا نسیم	۴۴
۱۹	گوہر معنی	مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش	۴۵
۲۰	موازنہ	ایم سعید قریشی صاحب	۴۶
۲۱	معراج تخیل	حضرت سید فارغ	۴۷
۲۲	بیوی کا قاتل	سجاد ہاشمی جلیونی	۴۸
۲۳	زمزمۂ تغزل	حضرت اظہر	۵۰
۲۴	موٹر والی	مرزا نسیم	۵۱
۲۵	تصویریں	حضرت رفیق عزیزی	۵۵
۲۶	ایک خاص خط کی نقل	مولانا محمد نقی صاحب	۵۶
۲۷	پرواز خیال	فضل حسین فاروقی صاحب	۵۷
۲۸	لمعات ضیا	حکیم ضیا فاروقی صاحب	۵۷
	اقتصادیات		
۲۹	کلید تجارت	مدیر	۵۸
۳۰	اہل تجارت کے لئے جوابات	مہتمم	۶۰
۳۱	مسلمانوں میں فقدان تجارت	مدیر	۶۲
	نسائیات		
۳۲	فریاد	خورشید جہاں آرا بیگم صاحبہ	۶۴
۳۳	ستی مجسٹریٹ	محترمہ انور سلطانہ	۶۵
۳۴	میرے لئے	مدیرہ	۶۸
۳۵	اوہام پرستی	محترمہ ممتاز الرشید صاحبہ	۶۹
۳۶	اسلام اور حقوق نسواں	محترمہ حسن آرا بیگم صاحبہ	۷۲
	حفظ صحت		
۳۷	ہیضہ	جناب اختر حسین اعوان	۷۴

اسلامیات

مُسلم

اثر، مرزا غلام عباس زاہر حیدری

ذرا سوچ مسلم غافل کہ تو کیا ہو گیا کیسا تھا
بنانے عالم امکاں تھا تو قدرت کا منشا تھا

تری خاطر بساطِ ارض قدرت نے بچھا ڈالی
پھر اس پر محفلِ عرش انجم و مہ سے سجا ڈالی

فراہم آب و باد و خاک و آتش ایک جا کر کے
بنائے مختلف اضداد سے یہ عضو تن تیرے

نہایت خوبصورت شکل ڈھالی ایک سانچے میں
بالآخر روح پھونکی حضرت آدمؑ کے پتلے میں

گر پیشانیٔ آدمؑ کو ٹھہرایا ترا حامل
ترے جلوے کے باعث حضرت آدمؑ ہوئی کامل

ہوا نافذ ملائک کے لئے یہ حکم ربانی!
جھکائیں حضرتِ آدمؑ کے آگے اپنی پیشانی

فقط تیرے ہی باعث سب فرشتے سربسجدہ تھے
ترے آثار کل آدمؑ کے پتلے سے ہویدا تھے

ہوا پھر منتقل آدمؑ سے چل کر شیثؑ کی جانب
تجھے ایک ایک نبی کا ساتھ ہی لیکر چلا نائب

اسی صورت حفاظت انبیا کرتے رہے تیری
کنوئیں میں حضرتِ یوسفؑ کو سچ کہہ چاہ کسکی تھی

سہے لاکھوں ستم یونسؑ نے گو زندانِ ماہی میں
رہا مامون ہر صورت تو الطافِ الٰہی میں

خلیل اللہ پر تیرے سبب کیا کیا نہ آنچ آئی
خوشی سے آتشِ نمرود کی جا کر ہوا کھائی

خدا شاہد ہے تیرا راز تھا داؤدی لہجہ میں
تری عظمت کی شاہد خود براہینِ زبوری ہیں

کوئی موسیٰؑ سے پوچھے کس طرح تیری حفاظت کی
بنائیں خوب مستحکم تری راہیں طریقت کی

سرِ طور آپ نے پھر لی چلا تیری قدامت پر
کہ تو فائق رہے کونین میں کفر اور ظلمت پر

پھر ان کے بعد میں ہارون نے تیری حفاظت کی
بنا پھر پڑ گئی عالم میں عیسےٰؑ کی نبوت کی

یونہی تو منقلب ہوتا رہا نبیوں کے سایہ میں
یونہی تو پرورش پاتا رہا ولیوں کے دامن میں

تری خاطر چڑھے تھے دار پر خود حضرتِ عیسےٰؑ
ترے باعث اٹھائی انبیا نے خوب تر ایذا

عرب کے دشت پر آشوب میں پھر تو ہوا ظاہر
مگر تیری شجاعت اور تری حکمت کا کیا کہنا
تری شمشیر نے وہ آب دی دنیائے امکاں کو
بہت کم عمر تھی معصوم تھا تو عہد طفلی تھا
ترقی کی مگر جب وہ اثر تو نے ترقی کی
تجھے ایسا ہوا تھا عشق کچھ معبود اطہر سے
اذاں تیری حقیقت میں ہی تھی اک دعوت وحدت
سبب کیا تھا کہ تھا حامل شریعت کا تہ دل سے
تصدق جان و دل کرتا تھا خوش ہو ہو کے ایماں پر
تجھے حق سے محبت تھی تو تجھ پر حق کی رحمت تھی
کڑی آتی تو جھیلی تو نے خوش ہو کر سر میداں
اخوت کا محبت کا مودت کا تو ضامن تھا
احد میں بدر میں کعبہ میں اور خندق میں خیبر میں
زمانہ ہو گیا زیر نگیں تھوڑی سی مدت میں
کہ تو غیروں کو اپنے سایۂ دامن میں رکھتا تھا
شریعت نام ہے اس کا جسے تو لے کے آیا تھا
ترا سکہ رواں تھا شرق سے تا غرب اے مسلم
فرشتے تیرے در پر سیکھنے کو درس آتے تھے
ترے گھر پر سدا نازل ہوئیں آیات قرآنی
وہ عالم تھا کہ ہر سجدہ ترا مقبول خالق تھا
تری خاطر ہوا تھا گنبد بے در میں در پیدا
تجھے محبوب اپنا حق نے گردانا زمانے میں
محمد مصطفےٰ تیرا نبی اور پیشوا تیرا
دم آخر یہ فرمایا تھا اس سردار عالم نے
جدا ہوں گے نہ یہ دونوں ترے ہمراہ جائیں گے
رہا مسلم جواں دونوں کا حال میں بھی ضامن ہوں

بڑھے حد سے سوا جب اس زمیں پر فاسق و فاجر
حقیقت تو یہ ہے پابند تھا تو وضعداری کا
تری تعلیم کا سودا ہوا ہر جن و انساں کو
مگر دنیا کے ہر گوشہ میں ہوتا تھا ترا چرچا
کہ دوڑا دی رگ عالم میں اک رو تو نے اسلامی
اٹھایا سر پہ عالم نعرۂ اللہ اکبر سے
اڑی جاتی تھی آوازوں سے جس کی گرد ظلمت
نہ منہ موڑا کبھی دل پر اٹھائے سینکڑوں صدمے
ترا ایماں تھا شیرازۂ احکام قرآں پہ
تری ہر بات میں تھی خیر ہر سودے میں برکت تھی
وہ تیری شان تھی جس سے کہ اک عالم ہوا حیراں
ترے دامن سے کوسوں دور تھا یہ بد نما دھبہ
تری شمشیر کا سکہ چلا ایک ایک لشکر میں
کشش تھی یا کہ اک بجلی بھری تھی تیری تقریر میں
اطاعت کا تری خوش ہو کے دم ہر ایک بھرتا تھا
بدولت جس کی دنیا میں یہ درجہ تو نے پایا تھا
زمانہ تھا ترا محکوم تو کونین کا حاکم
مہ و انجم ترے قدموں پہ پیشانی جھکاتے تھے
رہے سایہ فگن تجھ پر سدا الطاف ربانی
مدارج پر اولعزمی کے تو دن رات فائق تھا
یہ عرفاں تھا ترا بس تو سر عرش بریں پہنچا
ترا پایہ بلند ایسا تھا اس آئینہ خانے میں
امامت سونپ کر تجھکو گیا کچھ جانب عقبےٰ
تمسک تو نے امت کو رکھا قرآن و عترت سے
لب کوثر پہ تجھ کو پاس میرے کھینچ لائیں گے
عطا تجھکو کروں گا حوض کوثر پر عملہ افزوں

مگر افسوس اے مسلم یہ تو نے قدر دانی کی
عمل قرآن پہ تیرا ہے جس درجہ وہ ظاہر ہے
شریعت طاق میں رکھدی اٹھا کر تو نے اے ناداں
اخوت اور مروت سے ہوا خالی ترا سینہ
ہوئی احکام قرآنی سے تجھ کو ایسی بیزاری
نہ مذہب سے تجھے مطلب نہ ہے خوفِ خدا تجھکو
موذن اس طرف اللہ اکبر کہہ کے چلایا
نمازِ حق کو گویا ہو چکی ہے بندگی تیری
نہ پردہ ہے نہ برقع ہے نہ چادر ہے نہ جالی ہے
خدا کی مار اے مسلم یہ تہذیب مسلمانی
سمجھ میں کچھ نہیں آتا مسلماں ہے کہ عیسائی
قرینہ سب بزرگوں کا تو اے ناداں بھلا بیٹھا
ترے دل میں خدا معلوم یہ کیونکر سمایا ہے
تو اپنی سلطنت اپنی حکومت آپ کھو بیٹھا
بزرگوں کا قرینہ چھوڑ بیٹھا کی یہ نادانی
غرض انداز اور اطوار تیرے ہو گئے ایسے
مسلماں نام کا ہے آج تو اے مسلم ناداں
تیرے اندازِ تہذیب و تمدن اب وہ ہے بیٹھے
اگر تو اپنے مرکز پر چلا آئے تو ہے اچھا
اسی راہِ طریقت پر جو تو آمادہ ہو جائے
حقیقت میں تہ دل سے جو تو سچا مسلماں ہو

گزشتِ کربلا میں ظلم کی شدت روا رکھی
زباں اب تیری بداعمالیوں سے میری قاصر ہے
رواجاً دین تیرے پاس ہے رسماً ہے کچھ ایماں
بنا زیبِ حسد اور جوہر ذاتی ترا کینہ
بنائی صورت زن مونچھ اور داڑھی منڈا ڈالی
جہاں میں کوستے پھرتے ہیں اب شرم و حیا تجھکو
سینما میں ادھر جانے کا تیرا عین وقت آیا
رہے آغوش کی زینت انہیں زندگی تیری
تنِ نازک پہ گر کچھ ہے تو اک تتلی سی ساڑی ہے
سراسر جھلکے ہر انداز میں ہے شانِ عریانی
نہ کچھ اس کا پتہ بیوی میاں ہیں یا بہن بھائی
سراپا نقشہ نصرانیت دل پر جما بیٹھا
کہاں سے نسخۂ عیش و طرب یہ سیکھ آیا ہے
انہیں عیاشیوں میں قوم کی لٹیا ڈبو بیٹھا
پھر اس پر یہ تمنا ہے رہے شانِ مسلمانی
بتا تو ہی مسلمانوں میں داخل ہو تو ہو کیسے
شریعت تیرے اک اک فعل سے افسوس ہے نالاں
جو تیرہ سو برس پہلے ترا منہ تکتے رہتے تھے
ابھی تک خوب موقع ہے ابھی تو کچھ نہیں بگڑا
اسی عالم کا اب بھی تو اگر دلدادہ ہو جائے
وہی عظمت جو پہلے تھی ترے قدموں پہ قرباں ہو

بس اب خاموش ہو ناصر بہت کچھ تو نے سمجھایا
یہی کافی ہے گر مسلم کے عقل و ہوش میں آیا

حقائق القرآن

(گذشتہ سے پیوستہ)

حضرت مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ

قل هو الله احد ۚ	کہہ کہ وہ اللہ بے ہمہ ہے
الله الصمد ۚ	اللہ با ہمہ ہے
لم يلد ۙ	نہ وہ باپ ہے
ولم يولد ۙ	نہ وہ بیٹا ہے
ولم يكن له كفوا احد ۚ	نہ کوئی اسکی برابری کا ہے

شرح احد

اس تفصیل میں پانچ باتیں بیان ہوئیں "بے ہمہ" کوئی نہیں تھا تب بھی وہ تھا۔ اور اب بھی ویسے ہی بے ہمہ ہے کلمہ "احد" جس کا ترجمہ عربی "بے ہمہ" کیا گیا ہے عربی زبان میں صرف ذات پاک کی صفت میں مستعمل ہوتا ہے۔ اسی سے یکتائی اور بے ہمتائی من کل الوجوہ سمجھی جاتی ہے۔ تمام رشتہ سے پاکی اور برتری اس کا مضمون ہے۔ اس کلمہ کو سرسری نظر سے دیکھنا غلطی ہے۔ بنظر تدبر دیکھو تو معلوم ہوگا کہ وہ قدیم ہے۔ اور باقی سب مخلوق ہیں۔ کیونکہ جو سب سے پہلے آپ ہی آپ تھا وہ ہمیشہ سے تھا اسلئے کہ ظاہر ہے کہ جو کبھی نیست تھا وہ خود تو ہرگز ہست ہو نہیں سکتا۔ اسلئے دو بات ماننی ضرور ہوئی۔ ایک یہ کہ وہ ہمیشہ سے ہے اور دوسری یہ کہ اسکے سوا جو ہیں وہ سب اسی کی مخلوق ہیں "بے ہمگی" کے یہ دو ضروری نتیجہ ہیں جن کا انکار کرنا خلاف عقل ہے۔ پس یہ کہنا کہ وہ بے ہمہ ہے یہ کہنا ہوا کہ وہ قدیم لم یزل اور خالق کل ہے۔

(۲) مشرکین کبھی یہ شبہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہم کیوں کر مان لیں کہ وہ معبود بے ہمہ ہے اگر اس کے سوا کوئی اور بھی قدیم ہو تو بے ہمگی کا دعوے غلط ہوگا۔ اس سوال کے جواب کے لئے چند باتوں پر غور کرنا ضرور ہوگا

(۱) تمام طاقتوں کا مدار ہستی پر ہے۔ غیر متناہی طاقت ہستی سے تناقض رکھتی ہے۔ عقل کے نزدیک "بقا" ایک ایسا اعلیٰ مرتبہ رکھتا ہے۔ کہ اس کے سامنے سب مرتبے ہیچ ہیں۔ اگر "فنا" ناتوانی کی نشانی ہے تو "بقا" کمال توانائی کی شہادت ہوگی۔

(۲) اگر چند قدیم مانے جاویں تو ان میں سے کوئی بھی غیر محدود طاقت نہ رکھیگا۔ ملک قدرت تقسیم ہو جائے گا اور اسی طرح

ملک تصرف بھی ایک کو ایک سے عالم پر حکومت کرنی ہو گی ؏

یک ملک دو شاہ برنتابد

اگر ایک کا تصرف ہوا پر ہوگا تو دوسرے کا پانی پر اور تیسرے کا آگ پر اور علیٰ ہذا القیاس دو چار نہیں بلکہ جتنے چاہو خدا مان لو

(۱۱) عقل ہرگز دو متناقص باتوں کو تسلیم نہیں کرتی۔ ایک ہی ذات کو محدود اور غیر محدود۔ کامل اور ناقص دونوں فرض نہیں کر سکتی۔ اب بہ نظر تامل دیکھو کہ قدامت کو لازم ہے۔ کمال اور کمال کو لازم ہے یکتائی۔ پس قدیم کو متعدد کہنا نقیضین کو جمع کرنا ہے۔

۱۲۔ دہری کو یہ کہتے سنا کہ کچھ بھی تدبیر نہیں۔ زمانہ کی گردش میں شام اور صبح، یا رات اور دن، گرمی اور سردی، موت اور زندگی یکے بعد دیگرے چکر لگاتی رہتی ہیں اور یہ چرخہ یوں ہی چلتا آیا ہے اور چلتا جائے گا۔ اسی کو چاہو باقی کہو اور چاہو فانی۔ کاش دہری کی عقل اس گردش کون و فساد کو دیکھ کر خود بچارہ جاتی۔ اگر پائے فہم لڑکھڑایا تھا تو ذرا زانوئے فکر پر سر رکھتا اور سوچتا کہ یہ کیا راز ہے کہ جو چیز اپنے تئیں فنا سے بچا سکی وہ فنا ہو کر کیونکر آ سکی؟ ذرا سا تخم سڑ کر درخت تناور ہو گیا اور ایک تخم نے لاکھوں بلکہ بے شمار تخم اور درخت بنا دئے۔ ایک دانہ بے حقیقت کہ جسکو جہاں چاہو پھینک دو۔ اور جب چاہو برباد کر دو۔ پیوند خاک ہو کر پہلے تو فنا ہو گیا اور پھر کیا سے کیا ہو گیا۔ خود اپنے ہی آغاز اور انجام کو دیکھتا کہ کیسے بے نام و نشان تھا اور بزعم خود ہمہ دان ہو گیا مگر کیسی بے چارگی ہے کہ ؎

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

پھر کیونکر اس امر پر عقل تسلی پا سکتی ہے کہ تمام نظام عالم جیسی ذرہ ذرہ ایک کارخانہ حکمت ہے بغیر کسی حکیم قادر کے چل رہا ہے۔ خود ہی بیچارگی کے ساتھ آتے اور جاتے ہیں۔ اور کوئی ان پر حاکم نہیں اگر تم کسی نئے شہر میں گذرو اور دیکھو کہ ہر کام نہایت محنت اور مستعدی سے لوگ کرتے ہیں اور ہر کاریگر بزدستی آتا اور زبردستی جاتا ہے کوئی اس شہر کا دائمی باشندہ نہیں تو کیا تمہیں خیال نہیں پیدا ہوگا کہ یہ شہر کسی کے تصرف میں ہے۔ جو ان مزدوروں کو یہاں برابر بھیجتا رہتا ہے۔ پس یہی مثال ہے انسان اور حیوان کی زندگی کی جو بظاہر مختار اور متحرک بالارادہ ہیں اور جن میں اس بات کی علامت پائی جاتی ہے کہ یہ کسی حاکم کے زیر فرمان نہیں اور جب ان کا یہ حال ہے تو وہ چیزیں بالکل مسخر ہو کر برابر اپنے کام میں لگی ہیں۔ انہیں کیوں کر کسی حاکم کے ماتحت نہ سمجھا جائے۔

۱۳۔ جس طرح اس کی اولیت سے یہ ظاہر ہوا کہ وہ سب کا خالق ہے اسی طرح سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ تمام نعمتیں اسی کی بخشش ہیں پس وہ سب سے بے نیاز ہوا اور سب اس کے نیاز مند ہوئے۔ اور تمام خوبیاں جو کہیں بھی پائی جائیں ان کا مصدر دراصل وہی ذات پاک ٹھہری اس لئے ہر ایک حاجتمند اور حسن پرست کا رخ ادھر ہی ہونا چاہیئے۔

(باقی باقی)

قلمی معاونین دلگداز

خیال رکھنا چاہئے کہ وقت کی پابندی کا باعث ہو۔ کوئی ایسا مضمون قریبی اشاعت میں درج نہ ہو سکیگا۔ جو ۲۲ تاریخ کے بعد دفتر میں پہنچے گا

مینجر

حدیث نبوی:-

یَاْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یُبَالِی الْمَرْءُ مَا اَخَذَ مِنْهُ اَمِنَ الْحَلَالِ اَمْ مِنَ الْحَرَامِ (بخاری)

لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے جب ایک شخص بالکل اس کا خیال نہیں کریگا کہ یہ چیز اسکو حلال طریق پر ملی ہے یا حرام پر

عبدالمجید شمیم وزیری مدیر

عالم ناپائدار کی رونق میں حضرت انسان کو بہت دخل ہے۔ اچھے یا برے کام جو بھی یہ کرتا ہے۔ اُن کا صلہ پاتا ہے۔ اور سزا بھی۔ مگر باوجود بے شمار پابندیوں کے حیوانوں کی طرح انسان، انسان پر حملہ آور ہوتا ہے۔ جس طرح شیر بھوک سے بیتاب ہو کر جنگل میں تلاش خوراک میں وحشیانہ انداز سے کسان۔ زمیندار۔ شکاری یا سیاح پر یا جو اُسے قابل خوراک چیز نظر آئے جھپٹتا ہے بالکل اُسی طرح انسان انسان پر بے دریغ پل پڑتا ہے۔

شیر اپنی ناقابل برداشت بھوک سے عاجز آکر ایسا کرتا ہے۔ اس کا منشاء حیات و زندگی کا قیام ہوتا ہے مگر حضرت انسان حرص و ہوس کے باعث ایک دوسرے کو شکار کرتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ایسا انسان نہایت خطرناک اور ظالم ہے۔

ہر روز کے واقعات سرورکائنات کی مندرجہ بالا حدیث کے عین مطابق نظر آرہے ہیں۔ امراء کا طبقہ۔ جاگیرداروں کی دنیا رئیسوں کے دربار اور امیروں کی بستیوں میں تو کچھ حلال و حرام کی تمیز آسان نہیں۔ قطع نظر اسکے پیروں اور مولویوں کی حالت بھی بدتر ہے۔

دنیا کی آبادی و آرائش کا ٹھیکیدار حضرت انسان کیا نہیں جانتا سب کچھ جانتا ہے۔ قانون خدا۔ حکم رسولؐ۔ آئین حکومت اور سوسائٹی کے اصول اس کے سامنے ہیں۔ مگر عجب بیباک چالاک اور درندہ صفت انسان ہے کہ پھر حیوانیت سے باز نہیں رہتا۔ مقابلہ کیجئے ذرا حیوان سے۔

نہ حیوان کے لئے مدرسے۔ نہ کالج۔ نہ یونیورسٹیاں نہ علوم و فنون۔ نہ بتدریج امتحانات نہ ڈگریاں نہ ڈپلومے۔ پھر ازراہ انصاف بتائیے کہ حیوان بہتر ہے یا انسان؟ اگر اتنے علوم پڑھنے۔ خدائی نعمتوں سے مالامال ہونے اور سینکڑوں قسم کے اصلاحی تازیانوں کے سائے میں پرورش پایا ہوا انسان بہیمیت سے باز نہ آئے تو پھر اُسے اشرف المخلوق کیوں کہا جائے۔

خدائی نعمتوں سے جس قدر زیادہ حصہ انسان کے ہاتھ لگا ہے اور کسی کو عشر عشیر بھی بہم نہیں پہنچ سکا۔ ہر انسان اپنی بساط و وسعت کے مطابق نظام حیات کو چلانے میں سہولتیں اور آسانیاں پیدا کر رہا ہے اور کسی حد تک کامیاب بھی نظر آرہا ہے۔

ہر چھوٹا بڑا انسان دولت کمانے کی غرض سے اپنے اپنے مذاق کے مطابق پیشہ اختیار کرتا ہے آج کل ہر پیشہ میں بے ایمانی۔ حرام کمائی کا جزو غالب ہے۔ جھوٹ۔ فریب۔ ریا۔ دغا اور رشوت تو ملک روزگار کے قیمتی سکے ہیں۔ بغیر ان کے نہ تو سرکاری محکموں میں کوئی ہو سکتی ہے اور نہ ہی غیر سرکاری کارخانوں میں شنوائی ہوتی ہے۔ لیکن ع

مال حرام بود بجائے حرام رفت

جو لوگ حلال کمائی کرتے ہیں۔ اور اس پر سے خدا کے نام پر دیتے ہیں۔ ان کی کمائی میں برکت ہوتی ہے حلال کمائی کے متعلق رسول اللہ صلعم نے یوں تشریح فرمائی ہے

مَن تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ وَلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ اِلَّا الطَّيِّبَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِيْنِهٖ ثُمَّ يُرَبِّيْهَا لِصَاحِبِهٖ كَمَا يُرَبِّيْ اَحَدُكُمْ فَلُوَّهٗ حَتّٰى تَكُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ (بخاری)

ترجمہ: جو شخص حلال کمائی میں سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کرے اور اللہ تو حلال کمائی ہی کو قبول کرتا ہے تو اللہ اس کو اپنے دائیں ہاتھ میں لیتا ہے پھر صدقہ دینے والے کے لئے اس کو پالتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی شخص اپنا بچھڑا پالتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔

جس شخص کی کمائی حرام کی ہو۔ اللہ اسکی دعا قبول نہیں کرتا۔ مسلم میں ہے

ان اللہ طیبٌ لا یقبل اللہُ اِلَّا الطیب و ان اللہ امر المومنین بما امر بہ المرسلین فقال یا ایہا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحا وقال تعالیٰ یا ایہا الذین اٰمنوا کلوا من الطیبات ما رزقناکم ثم ذکر الرجل یطیل السفر اشعث اغبر یمد یدیہ الی السماء یارب یارب ومطعمہ حرامٌ ومشربہ حرامٌ وملبسہ حرامٌ وغذی بالحرام فانی یستجاب لذالک۔ مسلم

ترجمہ:

اللہ پاک ہے۔ وہ پاک ہی چیز قبول کرتا ہے۔ اللہ نے مسلمانوں کو اسی چیز کا حکم دیا ہے جس کا اس نے رسولوں کو حکم دیا۔ اللہ نے فرمایا۔ اے رسولو پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک کام کرو اور فرمایا اے مسلمانو! جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے۔ اس میں سے حلال چیزیں کھاؤ۔ اس کے بعد آپ نے ایک شخص کا ذکر کیا جو لمبا سفر کرتا ہے۔ پریشان بال غبار سے اٹا ہوا اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر پکارتا ہے۔ اے رب اے رب مگر اس کا کھانا پینا لباس اور غذا سب حرام کی ہے۔ بھلا اسکی دعا کیا قبول ہوگی۔

صحابۂ کرام تجارت اور زراعت سے گزارہ کرتے تھے اور جس کام میں وہ پاک روزی دیکھتے اُسے اختیار کرتے حضرت سلمان فارسی چٹائیاں بنا کرتے تھے ایک اور صحابی تھے کہ پھاوڑا چلاتے چلاتے ان کے ہاتھ سیاہ پڑ گئے تھے۔ آنحضرت صلعم نے اُن کے ہاتھ چوم لئے۔

اصحاب صفہ کی یہ حالت تھی کہ وہ رات کو قرآن پاک کی تعلیم حاصل کرتے اور دن کے وقت میٹھا پانی لاتے جنگل سے لکڑیاں توڑ کر جمع کرتے۔ بکریاں پالتے۔ اور اس طرح اپنی روزی حاصل کرتے۔

حرام طریقوں سے جس قدر کمائی کی جاتی ہے۔ اسکے جتنے کھانے والے ہوتے ہیں بشرطیکہ اُن کو یہ علم ہو کہ یہ حرام ہے۔ اُن کے اعمال کبھی اچھے نہیں ہوتے۔ اگر وہ منافقانہ طور سے دنیا پر اپنے اسالیب بدمعاشی ظاہر نہ ہونے دیں تو بھی اُن کی نجات ناممکن ہوتی ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ تو ظاہر و باطن کو خوب جانتا ہے۔ آپ کے سامنے دنیا میں حرامکاروں حرام کمائی کرنے اور کھانے والوں کا جو حشر اس دن ہوتا ہے۔ پوشیدہ نہیں۔ حرام کی دولت اکثر اولاد کے ہاتھوں تباہ ہو جاتی ہے۔ خدا ہم سب کو حلال کمائی کی توفیق بخشے۔

رہبر عالم

(ڈاکٹر خالد شیلڈرک)

علامہ ڈاکٹر خالد شیلڈرک کی ایک اہم تقریر کے ضروری اقتباسات

عورتوں کے لئے پیغام رحمت

اسلام سے پہلے بہت سی قومیں لڑکی کی پیدائش کو بہت بڑی بے عزتی خیال کرتی تھیں۔ جب کوئی لڑکی پیدا ہو جاتی اس سے حد درجہ کا برا سلوک کیا جاتا۔ بعض لوگ اس قدر سخت تھے کہ وہ انہیں زمین میں زندہ دبا دیتے اور ان کا نام تک لینے میں شرم محسوس کرتے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حقوق نسواں کے سب سے پہلے علمبردار تھے جنہوں نے نہایت اونچی آواز سے لڑکیوں کے حق میں نیک سلوک کرنے کا حکم دیا اور بد سلوکی سے روکا۔ آپ سے پہلے عورتوں کے لئے حقارت کے سوا اور کوئی درجہ نہ تھا۔ مگر آپ نے قرآن ہاتھ میں لیکر فطرت اور پیدائش، مذہب اور عبادت، تعلیم و تبلیغ کے علاوہ سیاسی اور اجتماعی زندگی میں بھی مرد اور عورت کے لئے مساوات حقوق کا اعلان فرمایا۔ اور دنیا میں عورت کا درجہ بلند کر دیا۔ آپ کو عورتوں کا اس قدر خیال تھا کہ جب حجۃ الوداع کے دن آپ نے اپنے پیروؤں کے لئے آخری تقریر ارشاد فرمائی تو اس میں سب لوگوں کو عورتوں کے حقوق کی یاد دہانی کرائی اور فرمایا فاتقوا اللہ فی النساء مسلمانو! عورتوں کے حقوق کے متعلق اللہ سے ڈرتے رہنا" اسلام آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے عورتوں کے متعلق دو فیصلے کر چکا ہے۔ ایک یہ کہ عورتیں جو کچھ کمائیں وہ ان کا حق ہے۔ وَ لِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ۔ دوم یہ کہ والدین اور رشتہ دار جو کچھ بھی جائداد چھوڑیں۔ اس میں سے عورتوں کو ورثہ دیا جائے۔ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ۔ میرے اپنے وطن انگلستان نے اس سے کئی سو سال بعد ۱۸۸۲ء میں شادی شدہ عورتوں کو وراثت کا حق دیا اور اس طرح انگلینڈ نے ایک دفعہ پھر اسلامی اصولوں کی پیروی کی۔ یورپ نے قرآن پاک کے قانون وراثت کے کئی سو سال بعد نقل کی ہے۔ مگر پھر بھی اس کا درجہ اسلامی قانون وراثت سے بہت گھٹیا ہے۔ یورپین قانون کے مطابق ہر ایک خاوند کو اختیار ہے کہ وہ اپنی وصیت میں اپنی بیوی اور اولاد کو محروم کرکے اپنی تمام جائداد دوسروں کے سپرد کر دے۔ مگر اسلام اس ظلم اور حق تلفی کو جائز نہیں رکھتا۔ عورتوں کا فرض ہے کہ اسلام کا مطالعہ کریں۔ اس لئے کہ عورت کی حقیقی آزادی کا سرچشمہ اسلام ہے۔

خانگی زندگی کا سچا رہنما

ہمیں اپنے گھروں کی اصلاح کے لئے ایک بہترین نمونہ کی ضرورت ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہر حیثیت سے ہمارے لئے بہترین نمونہ ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے خیرکم خیرکم لاھلیکم۔ انسانوں میں بہترین انسان وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے حق میں بہترین ثابت ہو۔ آپ کے ارشاد نے نوع انسان پر بزرگی اور بڑائی حاصل کرنے کے لئے ایک نیا راستہ کشادہ کیا۔ وہ راستہ یہ تھا کہ جب تک ہم گھر کی چار دیواری کے اندر اچھے بیٹے۔ اچھے باپ۔ اچھے خاوند اور

اچھے بہائی بننے کی کوشش نہ کریں۔ ہماری آیندہ نسلوں کا رتبہ کبھی بلند نہ ہوگا۔ آپ کو خاوندکی حیثیت میں بیوی اور خاوند کے اقدار پر ہم کا پورا علم تھا۔ باپ کی حیثیت سے آپ بچوں سے اور بچے آپ سے بھرپور محبت کرتے تھے۔ چونکہ آپ چھوٹی عمر میں یتیم ہو گئے۔ اس لئے آپ کو ان کا بھی پورا پورا احساس کرتا تھا۔ آپ نے یتیموں کے حقوق کی حفاظت کے متعلق بہت سے احکام اور قوانین مقرر فرمائے ہیں جن سے ابھی تک مشرق اور مغرب کے بہت سے علما اور قانون دان بے خبر ہیں۔ آپ نے یتیم کی پرورش کو عبادت قرار دیا ہے۔ آج دنیا بھر کے یتیم خانوں میں چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں سے جو حسن سلوک کیا جاتا ہے۔ وہ حضرت رحمۃ للعالمین کے بحر محبت کی صرف ایک موج ہے۔

انسانیت کا چیف جسٹس

میں نے ابھی ابھی قرآنی قانونِ وراثت کا ذکر کیا ہے۔ مگر ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ قوانین شرعی کے علاوہ آپ نے مسلموں اور غیر مسلموں کو قانوناً ایک ہی درجہ پر کھڑا کیا ہے۔ آپ سے پہلے ہر ایک نبی کی امت ہوا کرتی تھی۔ مگر حضرت خاتم النبیین کی امت تمام انسان ہیں۔ مدینہ منورہ میں بہت سے یہودی اور مشرک اپنے مقدمات آپ کے سامنے لاتے تھے۔ آپ نے عدل اور شہادت کے مقابلے میں کبھی مسلم اور غیر مسلم کی تمیز نہیں فرمائی تھی۔ بلکہ آپ کئی حالات میں غیر مسلموں کے پرسنل لا کے مطابق ان کے فیصلے کرتے تھے۔ آپ کی اس نیک نیتی اور بےلاگ عدالت کا اثر یہ ہوا کہ بہت سے یہودی اور مشرک آپ کے عدل کو اپنے ہم مذہبوں پر ترجیح دیتے تھے اور اپنے مقدمات کو آپ کے فیصلے کے لئے لاتے تھے۔ عرب کا یہ معلمِ اعظم اور انسانیت کا چیف جسٹس ہر ایک قوم کے وکیلوں ججوں اور مجسٹریٹوں کے لئے بہترین نمونہ ہے۔

ایک دفعہ عیسائیوں کا ایک وفد آپ سے ملنے کے لئے آیا یہ لوگ، اپنی نماز ادا کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے آپ سے دریافت کیا کہ وہ کس جگہ اس فرض کو ادا کر سکتے ہیں؟ جواب ملا! یہ میری مسجد خدا کا نام لینے کے لئے حاضر ہے۔ چنانچہ جب تمام مسلمانوں کے سامنے عیسائیوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے اپنے طریقے کے مطابق مسجد نبوی میں نماز ادا کی تو مذہب اور انسانیت نے اس بے مثال رواداری پر پھول برسائے مذہبی منافرت اور وحشیانہ بندی کی جڑ کٹ گئی۔ کون ہے جو اس مثال کی موجودگی میں یہ کہہ سکے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بین الاقوامی اخوت اور رواداری کے معلم نہ تھے۔

مجلس اقوام کے بانیٔ اول

ہمارے زمانے کے مدبرین، مجلس اقوام کے ذریعے سے عالمگیر امن و امان کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن صدہا مجلسوں اور ہزاروں قراردادوں کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا بھر میں پھر نئے سرے سے ایک عالمگیر طوفان اُمڈ رہا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے تیرہ سو سال پہلے ایک مجلس اقوام کی بنیاد رکھی تھی اس وقت سے لیکر آج تک اس مجلس اقوام کے اجلاس ہر سال مکہ معظمہ میں منعقد ہو رہے ہیں اور کبھی آج تک اس مجلس اقوام سے کوئی قوم مستعفی نہیں ہوئی۔ تم حج کی تاریخوں میں مکہ معظمہ کے نظاروں کا تصور کرو۔ وہاں زنگی اور فرنگی۔ گورے اور کالے غلام اور آزاد امیر اور غریب جمع ہوں گے۔ ان سب کا لباس ایک ہوگا ان سب کی زبان کے الفاظ ایک ہوں گے۔ ان کے دلوں کی حالت ایک ہوگی۔ وہ سب ایک گھر کا طواف کرتے ہیں اور اپنے قال حال اور خیال کی وحدت سے تمام نوع انسان پر یہ ثابت کر دیتے ہیں۔ کہ یہ ہے وہ سچی مجلس اقوام جس سے خدا کا کنبہ ایک ہو سکتا ہے۔

ذاکر سے خطاب[1]

حضرت جوشؔ مدظلہ

مولانا شبیر حسین صاحب جوشؔ مدظلہ ہر کلیم عہد حاضر کے بلند پایہ شعرا میں ایک خاص منصب کے مالک ہیں آپ کا کلام از حد موثر اور پُر درد ہوتا ہے۔ مولانا کی نظم ذیل سے اہل اسلام استفادہ کی کوشش کریں تو مسلمانوں کی بیماریاں بہت جلد رفع ہو سکتی ہیں۔ ہمارے خیال میں یہ نظم صور بیداری سے منسوب کیجائے تو زیادہ مناسب ہو۔ ہندوستان میں آج کل جس بری طرح سے سادہ لوح مسلمانوں کو لوٹا جا رہا ہے۔ اس کے احساس کی صحیح ترجمانی حضرت جوشؔ کی زبانی سنئے۔ جنہوں نے ہمارے دامن کے بدنما دھبے کو مٹانے کے لئے درد میں ڈوبے ہوئے جذبات کا اظہار اسلئے کیا ہے کہ شاید قوم اس سے اثر پذیر ہو۔ (ادارہ)

ہوشیار اے ذاکرِ افسردہ فطرت ہوشیار
ضعف کا احساس اور مومن کو یہ کیا خلفشار؟
دل ترا اور ہیبتِ باطل سے ہو زار و نزار
لَا فَتٰی اِلَّا عَلِی لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار

حُسنِ لیلےٰ کی ضرورت ہے نہ محمل چاہیئے
تجھ کو لوہے کا کلیجہ شیر کا دل چاہیئے
تو نہیں عزمِ شہید کربلا سے بہرہ مند
تیرے شانوں پر تو زُلفِ بزدلی کی ہے کمند
سخت استعجاب ہے اے پیشہ ور ماتم پسند
پیروِ ضیغم کے سینے میں ہو قلب گوسفند
ننگ کا موجب ہے یہ اہلِ وغا کے واسطے
یوں نہ کر ماتم شہید کربلا کے واسطے

---

[1] تباہ کار ذاکر بتیرہ بخت اور غلام ہندوستان کا جسے خود اس کی وسعت تباہ کر رہی ہے وہ کمزور سست رگ پیشہ ور فرد ہے۔ جو (ا) واقعات کربلا کو صحت و عدم صحت سے بے نیاز ہو کر محض رونے رلانے کی غرض سے بیان کرتا ہے (ب) اس رونے رلانے کی معقول فیس بھی لیتا ہے (ج) اس فیس کو بڑے اطمینان اور سخت جمود کے ساتھ صرف اپنی ہی تن پروری پر سال بھر تک صرف کرتا ہے (د) ملت کو بیدار کرنے کی غرض ہی نہیں رکھتا ہے اور ابنائے زمانہ میں مردانہ اوصاف پیدا کرنے کے بدلے اس نامحسوس سعی میں گرم رہتا ہے کہ وہ ہر چیز سے ڈرنے لگیں (ہ) منبر پر اس غرض سے نہیں آتا ہے کہ سامعین کے افکار میں گرمی اور ترفع پیدا ہو۔ بلکہ تمنا یہ ہوتی ہے کہ اہل مجلس روتے روتے بیہوش ہو جائیں (و) حسینؑ کی روح سے قطعی طور پر بیگانہ ہوتا ہے (ز) اور اس استبداد کے خوف سے جسے فنا کر دینے کی خاطر حسینؑ نے سب کچھ قربان کر دیا کلمۂ حق کو زبان پر نہیں لاتا۔ (جوشؔ)

مانعِ شیون نہیں میرا پیامِ مستقل — گریہ فطری شے ہے دشمن کا بھی بھر آتا ہے دل

دل نہیں پتھر ہے، مولیٰ پر نہیں جو منفعل — دور ہے رونے سے جو، وہ ظلم سے ہے متصل

کون کہتا ہے کہ دل کے حق میں غم اچھا نہیں ؟

پھر بھی شغلِ گریہ "نصب العین" بن سکتا نہیں

ہاں میں واقف ہوں کہ آنسو ہے وہ تیغِ آبدار — سنگ و آہن میں اتر جاتی ہے جس کی نرم دھار

ہے مگر مردانگی کو ان سبک اشکوں سے عار — جن کے شیشوں میں نہ ہوں غلطاں شجاعت کے شرار

"اشک" بے سوزِ دروں پانی ہے ایماں کی قسم

قلبِ شبنم پر شعاعِ مہرِ تاباں کی قسم

گھر کے اندر خوب رو، ہوگا یہ رونا برمحل — تاؤ مونچھوں پہ مگر دیتا ہوا گھر سے نکل

رخ پہ رنگِ فخر ہو، تیوری پہ ہو مردانہ بل — اہلِ باطل سرنگوں ہو جائیں ایسی چال چل

چشمِ تر سے وہ گرا قطرہ کہ دریا کانپ اٹھے

یوں اٹھا برسی ہوئی آنکھیں کہ دنیا کانپ اٹھے

حیف ہے اے ذاکرِ افسردہ طبع و نرم خو — تیرے آگے کاروباری شے ہے مولیٰ کا لہو

تاجرانہ مشق ہے تیرا شعارِ ہائے و ہو — فیس کی محتاج ہے منبر پہ تیری گفتگو

عالمِ اخلاق کو زیر و زبر کرتا ہے تو

خونِ اہلِ بیت میں لقمے کو تر کرتا ہے تو

حرص نے تجھ کو سکھایا ہے دناءت کا سبق — کربلا کے ذکر میں دیتا نہیں کیوں درسِ حق

چشمۂ دولت ہے تیرا سیلِ اشکِ بے قلق — خون کی چادر سے سونے کے بناتا ہے ورق

خانۂ برباد ہے عشرت سرا تیرے لئے

اک دفینہ ہے زمینِ کربلا تیرے لئے

کیا بتاؤں، تو نے تھی کیا بات، اور کیا کر دیا — عزتِ حق کو زمانے بھر میں رسوا کر دیا

کربلا و خونِ مولیٰ کو تماشا کر دیا! — "آبِ رکنا باد" و گلگشتِ مصلیٰ کر دیا

مشقِ گریہ عیش کی تمہید ہے تیرے لئے

عشرۂ ماہِ محرم عید ہے تیرے لئے

سوچ تو کچھ جی میں اے مشتاقِ راہِ مستقیم — مومنوں کے دل ہوں اور واماندۂ امید و بیم !

شدتِ آہ و بکا سے دل ہوں سینوں میں دو نیم — کیوں ؟ یہی لے دے کے تھا کیا مقصدِ ذبحِ عظیم

خوف ہے قربانیٔ مولا نظر سے گر نہ جائے
ابنِ حیدر کے لہو پر دیکھ پانی پھر نہ جائے

ساز عشرت ہے تجھے ذکرِ امامِ مشرقین! | ڈھالتا ہے تیرے سکے لبستگانِ غم کا بین!
تیری دادِ مضرب ہے اہلِ عزا کا شور و شین | سر جھکا لے شرم سے اے تاجرِ خونِ حسینؑ
آہ جو تعلیم تھی دل سے گزرنے کے لئے
اس کا استعمال ہو اور پیٹ بھرنے کے لئے

غم کے سکے بہرِ زر تا کے بٹھائے جائیں گے | کب تک آخر یہ پئے عشرت رلائے جائیں گے؟
دام پر تا چند یوں دانے گرائے جائیں گے | آنسوؤں سے ایک موتی بنائے جائیں گے؟
کب تک آخر رنگِ حق کو زہر میں گھولے گا تو
تا کجا پانی کے کانٹے پر لہو تولے گا تو

جادۂ آلِ پیمبر پر نہیں تیرے قدم | نصرتِ حق ہے جلالِ ابنِ حیدرؑ کی قسم
تجھ کو کیسے معلوم کیا ہوتا ہے اے محوِ الم | اک شجاعت ریز آنسو ایک فخرِ تہذیبِ غم
شور کرنے کی ضرورت ہے نہ غوغا چاہیئے
غم کے پردے میں شجاعت ہے تو پھر کیا چاہیئے

کربلا میں اور تجھ میں اتنا بعد المشرقین! | اُس طرف شورِ رجز خوانی ادھر ہے دیکھ بین
اُس طرف تکبیر، اِدھر ہنگامۂ صد شور و شین | اِس طرف اشکوں کا پانی، اُس طرف خونِ حسینؑ
وہ تھی کس منزل میں اور تو کونسی منزل میں ہے
شرم سے گڑ جا، اگر احساس تیرے دل میں ہے

کربلا در پردہ بشاش، اور بظاہر مضمحل | نیند کے ماتوں سے دور، اہلِ حرم سے متصل
اوج سے جس کے بلندیٔ آسماں تک ہے خجل | جس کے ذروں میں دھڑکتے ہیں [illegible]
خندہ زن ہے جس کی رفعت گنبدِ افلاک پر
صبحِ تکمیلِ نبوت کی ہوئی جس خاک پر

جس کے ذرے اپنے سینے میں لئے ہیں آفتاب | خار و خس کی نبض میں دوڑا ہوا خونِ گلاب
خاک کی آغوش میں خوشبوئے آلِ بوتراب | کربلا! تاریخِ عالم میں نہیں تیرا جواب
روح تیری آج بھی قائم ہے اپنی بات پر
خون کی مہریں دمکتی ہیں ترے ذرات پر

اے چراغِ دودمانِ مصطفیٰؐ کی خواب گاہ | تیرے خار و خس پہ ہے تابندہ خونِ بے گناہ
وسعتِ باطل ملا سکتی نہیں تجھ سے نگاہ | آ رہی ہے ذرّے ذرّے سے صدائے "لا اِلٰہ"

اے زمیں خوش ہو کہ تیری زیب و زینت ہے حسینؓ
تیرے سناٹے میں محوِ خواب راحت ہے حسینؓ

جو دہکتی خاک کے شعلوں پہ سویا وہ حسینؓ | جس نے اپنے خون سے دنیا کو دھویا وہ حسینؓ
جو جواں بیٹے کی میت پر نہ رویا وہ حسینؓ | جس نے سب کچھ کھو کے پھر کچھ بھی نہ کھویا وہ حسینؓ

مرتبہ اسلام کا جس نے دوبالا کر دیا
خون نے جس کے دو عالم میں اجالا کر دیا

نطق جس کا زینتِ دینِ پیمبر وہ حسینؓ | تھا جو شرحِ مصطفیٰ تفسیرِ حیدرؓ وہ حسینؓ
لاکھ پر بھاری ہوئے جس کے بہتّر وہ حسینؓ | جس نے رکھ لی نوعِ انسانی کی عزت وہ حسینؓ

وہ کہ خونی غم کو سانچے میں خوشی کے ڈھال کر
مسکرایا موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر

اے حسینؓ اب تک لبالب ہے ترا زریں ایاغ | ضو فشاں ہے آج تک تیری شہادت کا چراغ
تو نے دھو ڈالے جبینِ ملتِ بیضا کے داغ | تو اگر اسلام کا دل ہے تو ایماں کا دماغ

فخر کا دل میں دریچہ باز کرنا چاہیئے
جس کا تو آقا ہو اسکو ناز کرنا چاہیئے

تو بھی واقف ہے شہیدِ کربلا کے سوگوار | کربلا کو آج تک حاصل ہے کیوں اتنا وقار
آ بتاؤں میں تجھے اے ناشناسِ کارزار | میان سے باہر ہوئی تھی اس زمیں پر ذوالفقار

کربلا کب حسرت و اندوہ کا افسانہ ہے
یہ تو غافل یادگارِ ہمتِ مردانہ ہے

کھول آنکھیں اے اسیرِ کاکلِ زشت و نکو | آہ کن موہوم موجوں پر بہا جاتا ہے تو؟
ختم ہے آنسو بہانے ہی پہ تیری آرزو | اور شہیدِ کربلا نے تو بہایا تھا لہو

ہات ہے ماتم میں تیرا سینۂ افگار پر
اور حسینؓ ابنِ علیؓ کا ہات تھا تلوار پر

تھیں بہتّر خونچکاں تیغیں حسینی فوج کی | اور صرف اک سیدِ سجادؓ کی زنجیر تھی
اتنی تیغوں کی رہی دل میں نہ تیرے یاد بھی | حافظے میں صرف اک زنجیر باقی رہ گئی

روح کی بیچارگی سے انس پیدا ہو گیا
اشجعِ عالم کے پیرو یہ تجھے کیا ہو گیا

آہ تو اور ساز و برگِ عافیت کا اہتمام | کیوں نہیں کہتا کہ باطل سے دبکنا ہے حرام
تجھکو اور زنداں کا ڈر کیوں اے ہلاکِ فکرِ خام | رہ چکے ہیں قید میں نادان! خود تیرے امام
تو مثالِ اہلِ بیتِ پاک مر سکتا نہیں
"عشق" کا دعویٰ ہے اور "تقلید" کر سکتا نہیں

دیکھ میری سمت میں ہوں ایک رندِ بادہ خوار | رسمِ تقویٰ ہی سے واقف ہوا نہ طاعت سے دوچار
سر پہ ہے شملہ نہ کاندھے پر قبائے زرنگار | "موت" کو لیکن سمجھتا ہوں "حیاتِ پائدار"
رسم و راہِ زہد و تقویٰ کو سبک کرتا ہے تو
"موت" سے ڈرتا نہیں میں قید سے ڈرتا ہے تو!

قید بھی دنیا میں کوئی شے ہے اے افسانہ خواں | حق پرستوں کے لئے دوزخ بھی ہے جنت نشاں
تازیانہ، طوق، زنجیر، آگ، زنداں، برچھیاں | ان میں ہر اک چیز بن جاتی ہے شہرت کی زباں
رحمتِ باری کا ہوتا ہے نزول اس راہ میں
شعلہ ہائے تند بن جاتے ہیں پھول اس راہ میں

شہد ہیں اس راستے میں تلخیاں تعزیر کی | ہیں یہاں کی ظلمتوں میں جھلکیاں تنویر کی
روح پوشیدہ ہے اس تخریب میں تعمیر کی | ہر جراحت اس جگہ اک مہر ہے توقیر کی
روح آبادی کا ہے پیغام بربادی یہاں
قید سے کچھ اور بڑھ جاتی ہے آزادی یہاں

اصطلاحِ حق میں ہوتا ہے لقب جسکا خلیل | آگ اس کے گرد بن جاتی ہے باغِ سلسبیل
نذرِ دریا کر دیا جاتا ہے جو طفلِ جمیل | راہ بن جاتا ہے اسکی ضرب سے دریائے نیل
جس طرف پھرتی ہے روحِ پیر تھرّاتی ہوئی
بوئے پیراہن ادھر آتی ہے اٹھلاتی ہوئی

ہر وہ کوڑا جو لگا ہے بیکسوں کی پشت پر | ایک دن بن کر رہا ہے رایتِ فتح و ظفر
جنگِ آزادی میں نیزے پر چڑھا ہے جسکا سر | اس نے قدموں پر جھکا لیا ہے سرِ عمرِ خضر
راہِ حق میں جس کسی نے بھی شہادت پائی ہے
اس نے موجِ آبِ حیواں پر حکومت پائی ہے

جو گلی روندی گئی، بن کر رہی سونے کا طشت — جس اکائی کو مٹایا، ہوگئی ہفتاد و ہشت
رو گئے پر جس کے آمادہ ہوئے دیوار و دشت — اُس ندا کی عرش تک پہنچی صدائے بازگشت

اک زباں ہے منہ کے اندر اور کتنے دانت ہیں
حق سے ٹکر کھائے کس کے منہ میں اتنے دانت ہیں

خارج از دفتر کیا ہے جہل نے جو حرفِ حق — دہر میں بن کر رہا ہے اک زمرد کا ورق
جس وفا پرور کو پہنچایا ہے دنیا نے قلق — اس کی انگلی سے ہوا ہے چرخ پر مہتاب شق

بھائیوں نے دی جسے تکلیف چاہِ تنگ سے
دی گئی اس کو بلندی افسرِ اورنگ سے

پس کے جن ذروں نے کھایا ہی فضا میں پیچ و تاب — بارہا کانپا ہے اُن کی زد پہ آکر آفتاب
نذرِ آتش کی گئی ہے جو بصد قہر و عتاب — نور کا بن کر رہی ہے اک منارہ وہ کتاب

ضرب باطل کی پڑی جس حق نما تعمیر پہ
خاک اس کی خندہ زن ہوکر رہی اکسیر پہ

زندگی میں ہے مکافات اک وہ دستورِ قوی — جس کی زد سے آج تک بچ کر نہیں نکلا کوئی
ذبح وہ بھی ہوگیا، کی مشق جس نے قتل کی — جان لی جس نے کسی کی، دی خود اپنی جان بھی

رسم ہے سوغات دے جیسی وہی سوغات لے
نقد سودا ہے یہاں اس ہات دے اس ہات لے

جو دغا پرور ہے اپنے ہی کو دیتا ہے دغا — چور اپنی ہی چُراتا ہے متاعِ بے بہا
ہر ستمگر جان پر اپنی ہی کرتا ہے جفا — جس نے اوروں کی نکالی آنکھ اندھا ہوگیا

خوف کیوں کرتا ہے؟ دم میں دھوپ ڈھل جائیگی یہ
ظلم اپنے بوجھ سے خود ہی پگھل جانے کو ہے

خوف کا جن ہے زمانے سے ترے سر پہ سوار — خوف ہے اک نامبارک طائرِ مردار خوار!
باغ و بستاں سے نہیں ہوتی نظر جس کی دوچار — رات دن لاشوں پہ منڈلاتا ہے جو دیوانہ وار

تیرے سر پہ اس کا منڈلانا تماشا تو نہیں
غور کر، تو اک عفونت خیز لاشا تو نہیں؟

چونک اے سرمایۂ پیغامِ ربّ المشرقین — قوتِ اعدا پہ کیوں کرتا ہے اتنا شور و شین
خشک ہو اور لالہ زارِ خواجۂ بدر و حنین — جس کے ہر ذرّے کے اندر جذبۂ خونِ حسین

وقت حاضر ہے گھنی زلفوں کے خم کھولے ہوئے
کربلا ہے تیری نصرت کا علم کھولے ہوئے

سن! اگر اہلِ مروّت کی تیوری پر بَل آنا چاہیئے
زندگی کے آنسوؤں پر مسکرانا چاہیئے
موت کیا ہے؟ دھیان میں تجھ کو یہ لانا چاہیئے
کس طرح جیتے ہیں؟ یہ مر کر دکھانا چاہیئے

مردِ حق پرور اجل سے آشنا ہوتا نہیں
حلق کٹنے پر بھی سر تن سے جدا ہوتا نہیں

دہر میں سب سے بڑے سعادت کا یہ رتبہ ہے تو
اور دل ایسا ہے، غش آجائے گر دیکھے لہو
سوچ! کیا اقوامِ عالم میں ہے تیری آبرو
سر اٹھا سکتا ہے کیا اہلِ جہاں کے روبرو

وقت باقی ہے حصولِ مدعا کے واسطے!
اب بھی پہچان اپنے رتبے کو خدا کے واسطے

دہر میں محشر بپا ہے اور تو مصروفِ خواب
خون میں ذلت کی موجیں کھا رہی ہیں پیچ و تاب
تیری غیرت کو خبر بھی ہے کہ دشمن کا عتاب
تیری ماں بہنوں کی راہوں میں الٹتا ہے نقاب

تجھ کو زخمی شیر کی صورت بپھرنا چاہیئے
یہ اگر ہمت نہیں تو ڈوب مرنا چاہیئے

کچھ خبر بھی ہے تجھے اس ظلم کی اے مستِ خواب
ڈھل چکا ہے نور کی دنیا میں ظلمت کا خطاب
آ چکا ہے آخری نقطے پہ باطل کا شباب
چونک اے عزمِ حسینؑ لے جلالِ بوترابؑ

اٹھ کمر مرنے پر اے صیدِ محن باندھے ہوئے
آ بھی اب میدان میں سر سے کفن باندھے ہوئے

دیکھ تو کتنی مکدر ہے فضائے روزگار!
کس طرح منڈلا رہا ہے حق و باطل کا غبار
بزمِ یزدانی میں روحِ اہرمن ہے گرمِ کار
شیطنت میں ڈھل چکا ہے پھر سیاست کا شعار

نقشِ حق کو اس تلاطم میں جلی کرتا نہیں!
اب بھی تقلیدِ حسینؑ ابنِ علیؑ کرتا نہیں!

قطعہ

الٰہی خیر ہو میری زباں کی
بیاں کرنے کو ہوں افسانۂ درد
زباں پر ہے کہانی آشیاں کی
گذرتی ہے قفس میں زندگانی

از [illegible] راولپنڈی

اکملیتِ اسلام

مولانا پروفیسر عبدالمجید صاحب

مذہب کے لئے سب سے بڑی آفت مبالغہ ہے۔ ابتدائی آفرینش سے آپ غور کریں تو آپ ہماری تصدیق کریں گے۔ کہ ایک مذہب نے تو ایک خوبی کو لیا اور اسے آسمان پر چڑھا دیا۔ اور دوسری خوبیوں کو بالکل نظرانداز کر دیا۔ دوسرے نے کسی دوسری خوبی پر اس قدر زور دیا کہ باقی خوبیوں کی کچھ حقیقت نہ رہی۔ یہودی مذہب نے ظاہری ارکان کی پابندی میں اس قدر مبالغہ کیا کہ باطنی صفائی پس پشت جا پڑی۔ اس کے خلاف عیسائی مذہب نے باطنی صفائی کی ایسی صورت پیش کی کہ اگر اس پر عمل کیا جائے تو دنیا اور دنیاوی تعلقات سب ہیچ رہ جاتے ہیں۔ غرض مختلف مذاہب نے مختلف پہلوؤں کو خاص نظر سے دیکھا اور باقی پہلو یوں ہی رہ گئے اس مبالغہ سے مذاہب میں تنزل پیدا ہوا۔ حالانکہ وہ بات جو باعث تنزل ہوئی اچھی تھی لیکن اسمیں اتنا مبالغہ کیا کہ وہ خود عیب ہو گئی اور دوسری خوبیاں اس کی وجہ سے کمزور رہ گئیں۔

مذہب حق

جس طرح کسی ایک عضو کی ورزش کرنے سے دوسرے اعضا کمزور ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اخلاقی و روحانی قوتوں کا بھی حال ہے کہ ایک پر زور دینے سے دوسری کمزور ہو جاتی ہیں مذہب کی کامل صداقت اور اصلی کامیابی کا راز یہ ہے۔ کہ وہ سب میں اعتدال قائم رکھے۔

انسانی حالات

انسان کی دو حالتیں ہیں ایک حیوانی دوسری روحانی اور ان دونوں میں آپس میں اختلاف اور عناد ہے۔

پھر روحانی حالت کی دو صورتیں ہیں ایک عقل دوسری جذبات اور یہ ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔

اخلاق و تمدن کا تنہا ان میں کسی ایک کے ساتھ تعلق نہیں بلکہ یہاں عقل و جذبات سے دو صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ایک انسان کی ذاتی ضرورتیں اور دوسرے سوسائٹی کی ضرورتیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کی مخالف ہیں۔ بحیثیت اپنی ذات اور شخصی ضروریات کے انسان کامل آزادی چاہتا ہے۔ سوسائٹی اس آزادی کی مانع ہے شخصی ترقی کے لئے کامل آزادی کی ضرورت ہے۔ لیکن تمدنی ترقی کے لئے حکومت کی ضرورت ہے۔ غرض انسان اپنے خیالات و تعلقات میں اختلافات سے گھرا ہوا ہے اور یہ اختلافات رفتہ رفتہ عناد و عداوت تک پہنچ جاتے ہیں۔ جو مذہب اور تمدن کی تباہی کا باعث ہوتے ہیں

اس لئے انسان اور انسانی تمدن کی بہبودی کے لئے ضرور ہے کہ اسکی اصلاح کی جائے۔ مختلف زمانوں میں مختلف نبی آئے اور اپنا اپنے عہد میں انہوں نے اصلاح کی کوشش کی۔ لیکن وہ اصلاح صرف اس زمانے کے لئے ہوئی اور جیسا عرض کر چکا ہوں کہ مبالغہ مذہب کے لئے سب سے بڑی آفت ہے کیسی

ایک زمانہ میں کسی ایک صداقت یا نیکی میں مبالغہ تھا تو نبی نے اس کو توڑا۔ لیکن پھر دوسرے رنگ میں مبالغہ اختیار کر لیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کامل اصلاح نہ ہو سکی۔ اب اس کامل اصلاح کے لئے ایک کامل انسان کی ضرورت تھی جو ملک عرب میں مبعوث ہوا

نبی کامل

دنیا کا کوئی غیر متعصب اور عقلمند آدمی جب ہمارے آقا مدنی محمد رسول اللہ صلعم کے اصول کا انبیائے سابقین کے احوال سے اور آپ کی تعلیم کا ان کی تعلیم سے اور آپ کی قوت و ہمت کا انکی قوت و ہمت سے مقابلہ کرے گا تو اس پر واضح ہو جائے گا کہ آپ کی محض صداقت کا نہیں بلکہ ختم رسالت کا زبان و دل سے اقرار کرے۔

عرب کی جہالت۔ درشت مزاجی۔ گردن کشی کو کون نہیں جانتا۔ جس قوم میں ایسی جہالت ہو کہ کوئی کتاب ان کے پاس ہو نہ زمینی اور ان کے اخلاق کا یہ حال کہ قتل و غارت وغیرہ ایک معمولی حرکت ہو۔ عقل و فہم کی یہ کیفیت کہ پتھروں کو اٹھالانے اور پوجنے لگے اور گردن کشی کی یہ صورت کہ کبھی کسی بادشاہ کی اطاعت قبول نہ کریں۔ جفاکشی کی یہ نوبت کہ ایسے ملک میں شاد و خرم عمر گزار دیں۔ ایسے جاہلوں اور خود سروں کو راہ پر لانا ہی مشکل تھا۔ چہ جائیکہ علم الحصیات۔ علم معاملات۔ علم عبادات۔ علم اخلاق علم سیاست و مدن میں رشک حکمائے نامدار بنا دیا۔ یہاں تک کہ دنیا نے ان کی اور ان کے شاگردوں کی شاگردی کی۔ ڈاکٹر لیبان لکھتا ہے۔

"اس پیغمبر اسلام اس نبیٔ امی کی بھی ایک حیرت انگیز سرگذشت ہے۔ جسکی آواز نے ایک قوم ناہنجار کو جو اس وقت تک کسی ملک گیر کے زیر حکومت نہیں آئی تھی رام کیا اور اس درجہ پہنچایا کہ اس نے عالم کی بڑی بڑی سلطنتوں کو زیر و زبر کر دیا اور اس وقت بھی وہی نبیٔ امی اپنی قبر کے اندر لاکھوں بندگان خدا کو کلمۂ اسلام پر قائم رکھے ہوئے ہے۔"

حسن اخلاق کا اندازہ

اگر انصاف کرو تو آپ کے حسن اخلاق کا اندازہ کرنے کے لئے یہی کافی ہے کہ آپ نہ کہیں کے بادشاہ تھے۔ نہ بادشاہ کے گھرانے میں پیدا ہوئے تھے نہ کچھ زیادہ مال و دولت آپ نے جمع کر رکھا تھا۔ نہ باپ دادا نے کوئی اندوختہ میراث میں چھوڑا تھا۔ آپ کے پاس تنخواہ دار فوج تھی نہ اہل وطن آپ کے ہمراہ تھے۔ نہ قبیلہ والوں کو آپ کے مذہب سے ہمدردی تھی۔ ایسی بے کسی اور بے بسی کی حالت میں آپ نے ان تندخو گنواروں کو ایک صدا سے مانوس سے مخاطب کیا کہ جس سے بڑھکر اس وقت ساری دنیا میں کوئی مکروہ آواز نہ تھی اور نہ ایسی صدا دینے والے سے زیادہ ان کے نزدیک کوئی شخص ان کا دشمن اور بدخواہ ہو سکتا تھا۔ یہ وہی لا الٰہ الا اللہ کی آواز تھی کہ جس نے وحشت تمام عرب میں تہلکہ ڈال دیا۔ جس سے باطل معبودوں کی حکومت میں بھونچال آنا شروع ہو گیا اور جسکی چمک سے اس کفر اور جہالت کی تاریکیوں میں بجلی سی کوندگئی۔ آفتاب توحید ابر کے پردہ سے باہر نکل آیا۔

فدائیت

غرضیکہ ایک ایسے بے یار و مددگار نے ایسی سخت قوم کو ایسے ظلمت کے زمانے میں ایسے اجنبی مضمون کیطرف ابھارا اور تھوڑے عرصہ میں ان سب کو ایسا مسخر اور گرویدہ بنا لیا کہ جہاں آپ کا پسینہ گرے وہاں خون گرانے کے لئے تیار ہو گئے۔ گھر بار کو ترک کر دیا۔ زن و فرزند سے بگاڑلی۔ مال و دولت کو سنگریزوں سے زیادہ حقیر سمجھا۔ اپنے بیگانوں سے آمادہ جنگ و پیکار ہوئے۔ پھر یہ دو چار روز کا ولولہ نہ تھا۔ بلکہ آپ کے بعد

ہی اسی حالت پر استقلال کے ساتھ جمے رہے۔ یہاں تک کہ قیصر و کسریٰ کے تختے الٹ دئے۔ فارس و روم کو تہ و بالا کر دیا۔ اور اس پر معاملات میں وہ شائستگی رہی کہ کسی لشکری نے سوائے مقابلہ جہاد کسی کی ایذا رسانی یا ہتک ناموس کو گوارا نہ کیا۔

یہ تصویر اخلاق بتائیے اس سے پہلے زمانہ میں بھی کسی سے ظاہر ہوئی۔ اس پر بھی اگر کوئی کہے کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلا ہے تو ایسے اداقع اس سے زیادہ کور چشم، تنگدل، متعصب کوئی نہیں ہو سکتا۔ کاش کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جا کر پوچھتے اور وہ اپنے اسلام کا واقعہ ان کے سامنے بیان فرماتے یا سلمان فارسیؓ سے جا کر انکی داستان سنتے یا عبید اللہ ابن سلام کی خدمت میں اپنا اعتراض پیش کرتے اور وہ ان کو اس کا جواب سمجھاتے۔

علم و عرفان

یہ تو آپ کے اخلاق کی حالت تھی۔ باقی آپ کے علم و فہم کا نشان سب سے بڑا یہی ہے کہ آپ بذات خود امی محض جس ملک میں پیدا ہوئے۔ جہاں ہوش سنبھالا بلکہ ساری عمر گذاری علوم سے بالکل خالی نہ وہاں علوم دینی کا پتہ نہ علوم دنیاوی کا نشان۔ پھر اس پر ایسا دین ایسے آئین۔ ایسی کتاب لاجواب اور ایسی ہدایات بینات لائے کہ آج تک بڑے بڑے حکماء اس کا جواب نہیں لا سکے۔ بلکہ بڑے بڑے مدعیانِ عقل و تہذیب نے اسکی داد دی قرآن مجید جیسا زندہ اور علمی معجزہ کس پیغمبر کو دیا گیا جس کا مقابلہ کیا باعتبار فصاحت و بلاغت کے اور کیا باعتبار علوم و معارف کے اور کیا باعتبار تحریف و تبدیل سے محفوظ رہنے کے دنیا کی کوئی کتاب نہیں کر سکی اور نہ کر سکے گی۔ قرآن کے متعلق ہم اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ جو تیرہ سو برس سے پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ جس میں جرأت ہو میرا جواب دے لیکن اس کی ایک چھوٹی سی سورۃ کی مثال بھی پیش نہ ہو سکی۔

اب میں اس کے سوا کیا کہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ اپنی عادات و اخلاق میں عام انبیاء علیہم السلام سے فائق تھے۔ ایسے ہی علوم کے بھی سارے مراتب آپ پر تمام کر دئے گئے تھے کیونکہ انبیاء سابقین میں نہ ایسا اعجاز علمی کسی کو دیا گیا نہ ان کے اتباع میں کسی نے علوم کے دریا بہائے جو اہل اسلام نے بہائے ہیں اسی اعجاز علمی کی بنا پر آپ خاتم الانبیاء ہیں۔ اور یہی دین حق تا قیامت درخشندہ رہے گا اور تمام منکرین کو عملاً اس کے سامنے جھکنا پڑے گا جس کا واضح نمونہ آج بھی صاحب عقل و بصیرت کے لئے موجود ہے۔

اعتدال

یاد رکھئے اعتدال نہ صرف انسانی معاملات اور اس دنیا کے امور کی اصلاح کے لئے ضروری ہے بلکہ تمام اخلاق و ملکی اور کل کائنات کا دارومدار اسی پر ہے۔ یہ زمین یہ سیارے اور یہ نظامات جو گردش میں ہیں اگر بال برابر اپنی حد اعتدال سے تجاوز کریں۔ تو ایک عالم میں قیامت برپا ہو جائے اور یہ سارا کارخانہ خاک میں مل جائے۔ یہی حال کائنات کی ہر شے میں ہے۔ نیکی و بدی کیا ہے؟ اخلاق کیا ہیں؟ صحت کسے کہتے ہیں؟ ذوق کس چیز کا نام ہے؟ اگر ان سب باتوں پر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ان سب کا مدار اعتدال پر ہے۔ جہاں یہ نہیں ہے۔ وہاں قیام اور استحکام کی صورت نہیں۔ اسی عالمگیر اصول پر پیغمبر اسلام کی تعلیم مبنی ہے اور اسی اصول پر نظر نہ رکھنے سے قدیم مذاہب میں انحطاط اور زوال پیدا ہوا۔ اسلام نے اس کمی کو پورا کیا۔ اور اپنی تعلیم سے ہمیشہ کے لئے ایسی بنیاد قائم کر دی جس میں زوال کبھی آ ہی نہیں سکتا۔

عالیجناب صفی الدولہ حسام الملک نواب ابو نصر سید محمد علی حسن خان بہادر مدظلہ

یہ سلسلۂ مضامین ان مسلمانوں کیلئے از حد مفید ہے جو نئی روشنی سے متاثر ہو کر راہ مذہب سے بھٹک رہے ہیں۔ گریجوایٹ اور ضعیف الاعتقاد لوگوں کے لئے بھی مشعل ہدایت ہے۔ اور نام نہاد مسلمانوں کے لئے بھی۔ ہمیں امید ہے کہ قارئین دلگداز ان مضامین سے مستفید ہوں گے۔ ہم نواب صاحب موصوف کی اسلام نوازی کے بے پایاں جذبہ کی پوری پوری قدر کرتے ہوئے بہزار عجز و ادب ہدیۂ تشکر پیش کرتے ہیں۔

(ادارہ دلگداز)

مذہب کی تعریف

سوال ۔ مذہب کیا چیز ہے؟

جواب ۔ مذہب اس امتیاز کا نام ہے جس کے سبب سے انسانوں کے افعال اچھے یا برے یا نہ اچھے اور نہ برے خیال کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ اگر یہ تمیز قائم نہ رکھی جائے تو پھر کسی ایک مذہب کا وجود بھی باقی نہیں رہتا۔ حدیث میں آیا ہے۔ کہ ایک شخص نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ کہ ایمان کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا اِذَا سَرَّتْکَ حَسَنَتُکَ وَسَاءَتْکَ سَیِّئَتُکَ۔ یعنی جب اپنی بھلائی تجھ کو پسند آوے اور اپنی برائی تجھ کو ناگوار ہو۔ تمیم داری سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ دین نام ہے خیر خواہی کا۔

مذاہب کی کثرت

جب برائی بھلائی کی تمیز کا نام مذہب ہے تو چاہیئے۔ کہ ساری دنیا کا ایک ہی مذہب ہو۔ مگر ہم تو برخلاف اس کے دنیا میں بہت سے مختلف مذاہب پاتے ہیں۔ اگر یہ ایسا جاوے کہ وہ سب اسی اصول پر مبنی ہیں تو پھر ان میں اس قدر کثرت سے اختلاف کیوں ہے۔ اور اس اختلاف کا باعث کون چیز ہے؟

ج۔ ابتدائے خلقت میں تو سب آدمی ایک ہی مذہب پر تھے۔ لیکن بعد میں جب بنی نوع انسان مختلف مقامات میں پھیلے اور مختلف ملکوں کی آب و ہوا نے ان پر اثر کیا تو ان کے مزاج ان کی طبیعت ان کی قومیت ان کی معاشرت اور ان کے خیالات میں تبدیلی واقع ہوئی۔ یہانتک کہ وہ خیال جس کا نام مذہب ہے اس میں بھی رفتہ رفتہ بہت سے ناقص اوہام بے اصل اور نام خاندانی اور ملکی رسوم شامل ہوتے گئے اور ہر قوم اور ہر ملک بلکہ ہر فرد بشر میں وہ خیال مذہبی مختلف اور بعض اعتباروں سے متضاد ہوتا گیا۔ اسی اختلاف مذہبی کے مٹانے کے لئے خدا نے ہر زمانہ ہر قوم اور ہر ملک میں اپنے پیغمبر بھیجے یعنی پیدا کئے

جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَ مُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ۔ شروع میں سب لوگ ایک ہی دین رکھتے تھے (پھر آپس میں لگے اختلاف کرنے تو) اللہ نے پیغمبر بھیجے (جو ایمان والوں کو خوشنودی خدا کی) خوشخبری دیتے اور (کافروں کو عذاب الہی سے) ڈراتے اور ان کی معرفت سے کتابیں بھیجیں تاکہ جن باتوں میں لوگ اختلاف کررہے ہیں کتاب الہی ان میں ان باتوں کا فیصلہ کردے۔ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ کوئی ایسا فرقہ نہیں جس میں ڈرانے والا (پیغمبر) نہ گزرا ہو۔ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ہر قوم کے واسطے ایک راہ بتانے والا ہوا ہے۔ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُولٌ ہر گروہ کے لئے ایک پیغمبر ہے۔ تعجب یہ ہے کہ ہر قوم ہر فرقہ بلکہ ہر شخص کو یہی یقین ہے کہ میرا ہی خیال یعنی مذہب اور سب لوگوں کے خیالوں سے سچا اور اچھا ہے۔ اصول مذہب کے اعتبار سے دیکھو تو ہمارے موجودہ زمانہ میں مشہور مذاہب یہ ہیں :-

یہودی۔ عیسائی۔ مجوسی۔ بت پرست اور مسلمان۔ انمیں یہودی اور مسلمان ایک خدا پر اعتقاد کامل رکھتے ہیں۔ اسی طرح مجوسی یزدان اور اہرمن دو خداؤں پر اور عیسائی۔ باپ۔ بیٹا اور روح القدس تین خداؤں پر اور ہندو اور مصری اپنے تینتیس کروڑ دیوتاؤں پر اعتقاد کامل رکھتے ہیں۔

اعتقاد کی تعریف

س۔ اعتقاد کیا چیز ہے؟

ج۔ اعتقاد دل کے اس فعل کا نام ہے جس سے یہ تمام مختلف اور متضاد خیالات جو مذہب کہلائے جاتے ہیں۔ پیدا ہوتے ہیں۔ ان بے دلیل اور بن سمجھے خیالات کا لوگوں کی طبیعت پر ایسا سخت اثر ہوتا ہے کہ وہ اثر انسان کے تمام افعال پر اور قدرتی جذبات پر جو اس میں پیدا کئے گئے ہیں چھا جاتا ہے اور جو جوش اور رواداری ان جمے ہوئے بے دلیل خیالات سے انسانوں کی طبیعت پر ہوتا ہے کسی دوسری چیز سے نہیں ہوتا گو کہ اس دوسری چیز کے صحیح اور یقینی ہونے کیلئے کیسی ہی عمدہ عمدہ دلیلیں اور قطعی ثبوت موجود ہوں قرآن مجید میں فرمایا ہے وَلَنْ تَرْضَى عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَى حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَى وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ۔ اور اے پیغمبر نہ تو یہودی تم سے کبھی رضامند ہوں گے اور نہ نصاریٰ ہی (تم سے راضی ہوں گے) تاوقتیکہ تم انہیں کا مذہب اختیار (نہ) کرو۔ (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ اللہ کی ہدایت (وہی) (اصلی) ہدایت ہے۔ اور اے پیغمبر اگر تم اس کے بعد کہ تمہارے پاس علم (یعنی قرآن) آچکا ہے ان کی خواہشوں پر چلے تو (پھر) تمکو خدا (کے غضب) سے (بچانے والا) نہ کوئی دوست ہے نہ مددگار۔

س۔ جبکہ تمام مذہبی خیالات کا مدار محض دلوں کے اعتقاد اور خواہشات پر ٹھہرا۔ اور وہ ایک دوسرے سے مختلف اور متضاد ٹھہرے تو پھر اُن میں سے کسی ایک کو بھی صحیح یا غلط قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔ ایسا کرنا درحقیقت بجز تحکم اور کیا ہوسکتا ہے۔ اس طرح پر تو جتنے مذہب ہیں سب کے سب بے اصل ٹھہرے۔

ج۔ بلاشبہ وہ سب بن سمجھے بے دلیل مذہبی خیالات جن کی بنیاد صرف کسی قسم کے اعتقاد پر رکھی گئی ہو۔ اُن میں سے کوئی ایک مذہب بھی قابل قبول اور لائق یقین

نہیں ہو سکتا۔ البتہ سچا مذہب قابل قبول اور لائق یقین وہی ہو سکتا ہے جس کا وجود نہ کسی اعتقاد پر بلکہ حقیقی سچائی پر مبنی ہو کیونکہ مذہب کسی کی فرع جنی شاخ نہیں ہے۔ بلکہ سچائی ہی مذہب کی اصل یعنی جڑ ہے اور اعتقاد اسکی فرع یعنی شاخ ہے

خداوند تعالےٰ فرماتا ہے۔

قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ط یعنے اے پیغمبر منکروں سے کہدو کہ کوئی ثبوت پیش کرو اگر تم سچے ہو۔

(باقی)

فضائل کلمہ شریف

از مولینا مولوی امداد حسین صاحب دہلوی

ازل سے لوح پر تحریر ہے کلمہ محمدؐ کا
مجّو کا تبِ تقدیر ہے کلمہ محمدؐ کا

چڑھے اسکو پکڑ کر اہلِ ایماں بام یاہو پر
بلاشک عرش کی زنجیر ہے کلمہ محمدؐ کا

نہیں لیتا نہیں لیتا خزانہ ہفت کشور کا
مری دولت مری جاگیر ہے کلمہ محمدؐ کا

وہ منکر ہے جو دنیا میں مجھے بے آبرو سمجھے
مری عزت مری توقیر ہے کلمہ محمدؐ کا

بچا اے سونیوالے نقدِ جان کو نارِ دوزخ سے
کہ جنّت کیلئے اکسیر ہے کلمہ محمدؐ کا

چمٹ جاتے ہیں لب نام شہ والا کے لینے سے
نہایت قند شکر و شیر ہے کلمہ محمدؐ کا

نہیں کھٹکا ہے اسلامی جوانوں کی ضعیفی کا
الم نشرح عصائے پیر ہے کلمہ محمدؐ کا

اسی سے فتح دینِ احمدی کی ہو گی اے امداد
تبر ہے تیغ ہے اور تیر ہے کلمہ محمدؐ کا

اتفاق

لَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ

آپس میں نہ جھگڑا کرنا، ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائیگی

مرزا محمد اسلم بیگ تبسم مدیر معاون

مختصراً کچھ باتیں برادران اسلام کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں۔ جو اُن کے لئے مفید ہیں بشرطیکہ وہ ان کو یاد رکھیں اور ان پر عمل کریں۔:

جو جماعت یا جو قوم کسی اصول کے ماتحت نہ چلے وہ بہت جلد کالعدم ہو جاتی ہے۔ دنیا کی آبادی کا ہر حصہ کسی نہ کسی نظام کے ماتحت ہے قطع نظر اس کے کہ وہ اچھا ہے یا بُرا۔ نظام سوسائٹی کے بغیر بے معنی ہے اور سوسائٹی بغیر نظام کے بے معنی۔

ہمارا مذہب جہاں تمام مذاہب کا سردار ہے وہاں ہمارے مذہب کے اصول بھی بلحاظ اچھائی اور پاکیزگی کے مذاہب عالم کے اصولوں سے بلند و برتر ہیں۔ اور مذہبوں کے قوانین انسانی زندگی کے نشیب و فراز پر حاوی نہیں۔ اس لئے ان کو ہر احتیاج کے لئے دولت اسلام پر جھکنا پڑتا ہے۔ جب کہ زمانہ کی کروٹ انکو اُن کے مذہب کی کمی کا پہلو سجھاتی ہے تو وہ بحث و تمحیص میں پڑ جاتے ہیں۔ طول طویل نشستوں اور بحثوں کے بعد کتاب اسلام اٹھاتے اور اپنے مسئلہ کا حل تلاش کرتے ہیں مثلاً عورت کے حقوق۔ اس کا زندہ رہنا۔ طلاق حاصل کرنا۔ مطلقہ کے ساتھ شادی کرنا۔ ترکہ و جائداد میں سے اُسے حصہ دینا۔ وغیرہ وغیرہ

اکثر مرتبہ غیر مسلموں کو اپنے مذہب کی خامیوں کی تکمیل کے لئے اسلامی اصولوں سے استفادہ کرنے کا موقع ملا۔ کئی غیر مسلم تو مسلمان ہو گئے اور کئی اب تک تو ہمات کے بے آب و گیاہ صحرا میں تشنہ لب نظر آرہے ہیں۔

ہماری حالت دن بدن خراب ہو رہی ہے۔ ہم دنیا کی تمام اقوام میں سب سے زیادہ غریب۔ بے کس اور بے بس ہیں اسکی چند وجوہات ہیں جن میں سے سب سے اہم یہ ہے کہ ہم نے اللہ جل شانہ کے اس فرمان کو نظر انداز کر دیا۔

اِعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا — سب مل جل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور فرقہ فرقہ نہ بن جانا۔

خاتم النبیین حضرت محمد رسول خدا نے بھی تائید ایزدی مسلمانوں کو مل جل کر رہنے کا عملی نمونہ پیش کیا۔ مگر مسلمان نے نہ تو قرآن کے حکم کی پابندی کی اور نہ ہی رسول اکرم صلعم کے فرمان پر عمل کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری قوم منتشر ہو گئی۔

نظریں کھول کر دیکھو جہاں تھوڑا بہت ہمارا قومی شیرازہ مجتمع ہے وہاں ہم زندہ قوموں میں شمار ہو رہے ہیں اور حقیقت

ہیں اُن کی زندگی کے باعث ہم بقیہ حیات ہیں۔ ورنہ ہم ہندوستانی مسلمان تو بالکل "بھارت کے شو" ہیں۔ کیونکہ حکومت دانہ ڈالے تو جہاں چاہے لے جائے اور اگر کانگرس معاوضہ دے تو جو چاہے کرالے۔

برادرانِ ملت! ناراض نہ ہوں کیا یہ حقیقت نہیں کہ مسلمان صرف بھوک سے مجبور ہو کر ہندوستانی حکومت کی غلامی کے طوق کو زیب گلو کر کے مسلمانوں سے جا ٹکرایا۔ اور پھر اندھے بے عمل اور جھنمی "مولویوں" نے کانگرس کی حمایت میں مسلمانوں کو بے گناہ آپس میں لہولہان نہیں کرایا۔ یہ خانہ ساز مولوی۔ مفتی کہیں مریں کھپیں تو قوم بھی راہ راست پر آئے۔ ورنہ ان اماموں کے ہوتے تو ہمارا بھلا ہو چکا۔

سن ۳۰ء میں جمعیۃ العلماء کے بڑے بڑے سفید ریش مولویوں نے آناً فاناً یہ فتویٰ صادر کر دیا کہ "ہر مسلمان فطرتاً آزاد ہے۔ اور آزادی اس کا فطری حق ہے۔ لہذا آل انڈین نیشنل کانگرس بھی پورن سوراجیہ کی خواستگار ہے۔ ہر مسلمان کو اس کا ساتھ دینے کیلئے میدان جنگ میں ڈٹ جانا چاہیئے"۔ یہ پیغام یا حکم نامہ مفتی ہند مولوی کفایت اللہ اور احمد سعید مولوی ناظم جمعیۃ العلما اور ان گنت مولویوں کے دستخطوں سے شائع ہو کر ہر مسلمان کے گھر پہنچا۔

مہاتما گاندھی اور اُس کا لشکر قانون شکنی کے عزم سے اپنے آشرم سے حسب عادت نکلا۔ جو پہلے بھی کئی بار نکلا اور گھسا تھا۔ اب تو اس نے "بھارت ماتا" کے پھوٹتے شباب کی قسم کھا کر اور آبدیدہ ہو کر اپنے آشرم کو الوداع کہا اور ملک بھر میں ڈونڈی پٹوا دی کہ یا تو ہم آزادی لیں گے اور یا تختۂ موت؟ چنانچہ دنیا بھر کے لامذہب اور ہندوستان کے بے تاج بادشاہ جو تازے تازے آئے تھے (اور لامذہب ہوتے ہوئے مذہب والوں کے بادشاہ بن بیٹھے تھے اور جن کی بادشاہت کا نعرہ کانگرسی مسلمان اس زور سے لگاتے تھے کہ "طائفۂ خدا اپنی کرخت پر بجا طور پر فخر کرنے لگا تھا) کی مشورت سے جنگل کاٹنا اور نمک بنانیکا پروگرام وضع کر لیا گیا۔ قانون شکن جماعت نے (جسمیں کالے گورے دیوتا اور دیویاں شامل تھیں) خم ٹھونک کر عدم تشدد کے کنارہ کو زیب تحریک کر لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج کانگرس کے "ارکانِ مقدسہ" بھارت ماتا کے حسن دو جوبن کو روندتے ہوئے "تخت حکومت" پر بیٹھے جا رہے ہیں۔

بھلا گاندھی جی تو عادی ہیں کبھی کبھی دورہ اُٹھتا ہے تو وہ بلا سوچے سمجھے اٹھکیلیاں شروع کر دیتے ہیں۔ قوم اُن کے انداز و غمزہ کی قدر کرتی ہے۔ پھر بڑھاپے میں بھی مہاتما۔ اور محبوب مہاتما۔ دودھ اب تک لبوں سے نہیں چھوٹا۔ دن بینے کی عادت نہیں چھوٹے۔ بکریوں سے تا حال کھیلتے ہیں۔ اُن کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے۔ اور کانگرسی مولویوں سے پوچھئے کہ گاندھی انجکشن سے جو "آزادی طلب جراثیم" تمہارے جسموں میں داخل کئے گئے تھے وہ کیا ہوئے۔ اور کہاں گئی آپ کی فطری آزادی؟ اور جب گاندھی جی کی تحریک آزادی فنا ہو گئی تو آپ کیوں سو گئے؟ آپ کا پیدائشی حق تو ابھی آپ کو ملا ہی نہیں؟

پھر ایک مولویوں کی جماعت پکار پکار کر کہتی ہے جسکی تائید لیڈران قوم بھی کرتے ہیں کہ فوج اور پولیس کی ملازمت حرام ہے" "ان مدرسوں کو توڑ دو" "اِن کالجوں میں تعلیم مت حاصل کرو" "بدیشی مال کا مقاطعہ کرو"

کیا ان خود سر مولویوں نے اور بے سمجھ لیڈروں نے خود اِن بالا احکامات کی پابندی کی۔ ہرگز نہیں۔ مولوی بھی اپنے بچوں کو انہی مدرسوں میں پڑھاتے رہے اور لیڈر بھی مولوی بھی بدیشی مال عورتوں کو دیتے رہے اور لیڈر بھی۔ بھلا

اب غور کیجے ان کے نامعقول احکامات سے قوم کو کتنا عظیم ترین نقصان پہنچا۔ اول ہم ہندوستانی مسلمان ہندوؤں کے مقابلہ میں بلحاظ تعلیم۔ تجارت۔ ملازمت صفر ہیں۔ اور آجاکر فوج اور پولیس کے سپاہی کی حیثیت سے ہم میں سے بیشتر گزراوقات کرتے ہیں۔ اگر یہ سب چھوڑ بیٹھیں تو کیا کریں اور جنہوں نے چھوڑا ان کو کیا ملا اور جنہوں نے نہ چھوڑا ان کو کیا نفع پہنچا۔ پھر جنہوں نے تعلیم چھوڑی آیا وہ کہیں روٹی کماتے نظر آئے۔

مجھے علم ہے میرے شہر کے بے شمار نوجوان اب تک جنہوں نے اس تحریک سے متاثر ہو کر درس و تدریس کا سلسلہ بند کیا تھا شب روز بانیان تحریک کو صلواتیں سناتے اور کوستے ہیں۔

پھر بدیشی کپڑے کے مقاطعہ کے ٹھیکیداروں نے اتنا نہ کیا کہ ہندو کارخانہ داروں اور ملوں کے مالکوں سے یہ پوچھیں کہ کانگرس بدیشی کپڑے کے مقاطعہ کی علمبردار ہے اور دیسی کپڑا بننے کے لئے وہ انتظامات کر رہی ہے اس میں کس نسبت سے مسلمانوں کو رکھا جائے گا۔ آیا ہندو کارخانوں میں ہندو ہی کام کریں گے یا مسلمان بھی؟ اور اگر مسلمان کرینگے تو انہیں قوم کی مجموعی حیثیت کے پیش نظر مناسب تعداد میں رکھا جائیگا۔ یا صرف مسلمانوں کو اسلئے رکھا جائے گا کہ ان سے ہنر حاصل کیا جائے اور بعد میں انہیں ہمیشہ کیلئے رخصت دے دی جائے۔ مختلف اداروں۔ کارخانوں اور ملوں میں مسلمانوں کے ساتھ ایسا ہی کیا گیا۔ اب کون پوچھے مسلمان نما ہندوؤں سے "موہنجو ہندوؤں اور مالوی قسم کے ہندوؤں سے اور پرمانندی ہندوؤں سے کہ کیوں صاحب! اب بھی بغیر کسی قسم کی مفاہمت اور مصالحت کے ہم آپ سے مل بیٹھیں اور کیا سمجھکر ؏

آزمودہ را آزمودن جہل است

برساتی مینڈکوں کی طرح لیڈروں کی پیداوار ہو رہی ہے اور ہر ایک کے آگے۔ ذاتی اغراض۔ رشتہ داروں کی پرورش اور احباب کی عشرتیں ہیں۔ ہر ایک کی دلی خواہش یہی ہے کہ قوم میری مرید ہو جائے۔ میرے بغیر کسی کو سلام نہ کرے۔ میرے نام کا نعرہ بلند ہو۔ قوم حیران و ششدر ہے کہ کس کے پیچھے چلے۔ رسول اللہ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ یہودی اکہتر فرقوں میں نصاریٰ بہتر فرقوں میں اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی جن میں سے صرف ایک گروہ جنتی ہوگا باقی سب دوزخ میں جائیں گے۔ صحابہ نے پوچھا جنت میں جانے والے کون ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ جو جماعت کے ساتھ رہینگے۔ لوگوں نے کہا کہ وہ کس رستہ پر ہوں گے آپ نے فرمایا:

ما انا علیہ واصحابی میرے اور میرے دوستوں کے راستہ پر ہوں گے۔

حج کا یہی مقصد تھا کہ دنیا بھر کے مسلمان اکٹھے ہو کر رہیں جب تک مسلمانوں میں اتفاق رہا۔ مسلمان سربلند اور طاقتور رہے۔ پس اے مسلمان بھائیو! پیٹ کے پجاریوں کے پھندوں سے بچو کبھی آپس میں نہ لڑو۔ رسول اللہ فرماتے ہیں

اِنَّہٗ سیکون ھنَاتٌ وَ ھنات فمن اراد ان یفرق امر ھٰذہ الامۃ وھی جمیعٌ فاضربوہ بالسیف کائنًا من کانَ

قریب ہے کہ شر و فساد ہوگا۔ پس جو شخص کہ یہ ارادہ کرے کہ اس امت میں جدائی ڈال دے۔ حالانکہ وہ اکٹھی ہو تو اس کو تلوار سے مار ڈالو۔ خواہ وہ کوئی شخص ہو۔

ادبیات

افتراقِ ملت

از حضرت شمیم

آج خود وہ قوم ہے وقفِ نفاقِ باہمی
جو زمانے کو سکھاتی تھی اُخوت کے چلن

جب سے ملت میں اٹھا ہے فرقہ بندی کا سوال
قوم ساری ہو گئی ہے رہنِ آفات و محن

کچھ گِلا ہم کو خزاں کے تند جھونکوں سے نہیں
باغبانوں کی رقابت نے اُجاڑا ہے چمن

بغض کی تاریکیوں میں کھو چکی ہے سربسر
ملتِ بیضا کی وہ رسمِ مواخاتِ کہن

دینِ حق اک ماہِ کامل تھا کہ اس کے نور کو
ظلمتِ عصیاں سے اپنی لگتا جاتا ہے گہن

ہو چکے ہیں ترک وہ توحیدِ خالص کے اصول
پھر لگے پجنے مزار و قبر و درگاہ و وثن

روشنی اس مہرِ انور کی ہوئی جاتی ہے ماند
جگمگا دیتی تھی اِک عالم کو جس کی ہر کرن

عالمانِ دین کی ہٹ سے ہوئی ملت تباہ
ہیں مگر سمجھے اسے وہ خدمتِ قوم و وطن

اہلِ طاعت کے لئے طاعت بھی اِک پیشہ ہوا
دولتِ دنیا کماتے ہیں بصد حیلہ و فن

دین آساں تھا یہ اہلِ دیں کی کد و کاد سے
بن گیا ہے ایک گتھی انتہا درجہ کٹھن

اِن وہابی اور سُنّی کی نزاعوں میں شمیم
شاہدِ دینِ متیں کی کھو گئی ساری پھبن

پاسِ ناموسِ محمدؐ کا نہیں باقی رہا
شد پریشاں خوابِ من از کثرتِ تعبیرہا

کامیاب رومان

جناب سید مظہر گیلانی (سرحدی)

صبح کی دھندلی روشنی نمودار ہوئی۔ دوشیزۂ فطرت استراحت شبینہ کے بعد جملہ تاریکی سے نکل کر صحن میں استادہ اپنے سنہری بال پھیلائے مسکرانے لگی۔ حسین پریاں انوار حمد ربدی کے منور پھول برسانے لگیں۔ نسیم کے خوشگوار جھونکے پتوں سے ٹکرا کر ساز کی سی رومان انگیز آواز پیدا کرنے لگے۔ کلیاں کھلکھلا کر ہنسنے لگیں۔ تیتریاں چار سو آوارہ پھرنے لگیں۔ خوشنوا پرندے پریم کے راگ الاپنے لگے۔ درخت مستی میں جھومنے لگے جسکے سے اشک نوشگفتہ کلیوں کی نشیلی آنکھوں سے کھیلنے لگے۔ سبزہ پسینے سے تربتر ہو گیا۔ ہوا میں خنکی اور نمی پیدا ہو گئی۔ چاروں طرف مسرتیں کھیلنے لگیں۔ قدرت کے حسن لازوال کی عریانی پھول پتوں اور کسی ایک دلاویز چیزوں کی صورت میں جلوہ گر ہو کر دیکھنے والوں کی نگاہیں مسخر کرنے لگی۔ کون ہے جو موسم بہار میں نقاش ازل کی دیوانہ کن موشگافیوں سے لطف اندوز ہونے کے لئے عروس خواب کی پرکیف آغوش سے جدا ہو کر صحن چمن کے رومان افزا منظر دیکھنے کے لئے منہ اندھیرے ہی میں نکل نہیں آتا۔

موسم بہار میں جہاں مشاطۂ قدرت نازنینان چمن کے حسن کی فراوانیوں میں کوشاں رہتی ہے وہاں انسانوں کے حسین چہروں میں بھی مزید شان دلربائی اور ایک گونہ کشش پیدا کرنے میں کسی طرح بخل سے کام نہیں لیتی۔ ان دنوں ہر شخص بلا تفریق تذکیر و تانیث ایک خاص قسم کے نشے میں سرشار رہتا ہے ہر شخص کے سینے میں جذبات کا ایک اتھاہ سمندر متلاطم رہتا ہے اور ہر فرد بشر نامعلوم کن احساسات کے زیر اثر مسرت و اطمینان سے ہمکنار نظر آتا ہے۔ ہاں تو جس رومان افزا اور جمال آگیں صبح کی دلفریبیوں کا ذکر میں کر رہا تھا۔ شاید وہ میرے لئے کیف و سرور کی آخری صبح تھی۔

میں وزیر باغ کے ایک چبوترے پر پھولوں کے جھرمٹ میں بیٹھا فوارے کے روپہلی پانی اور اسکے رقص کا نظارہ کر رہا تھا۔ حوض میں لہریں پیدا ہو رہی تھیں جن میں چھوٹی چھوٹی خوبصورت سنہری مچھلیاں کھیل رہی تھیں۔ اچانک دو کمسن بچے لب حوض آ پہنچے۔ پہلے تو لہروں کا تماشہ دیکھنے لگے۔ پھر اپنی سلولائیٹ کی بنی ہوئی کشتیاں پانی میں چھوڑ دیں۔ کشتیاں ادھر ادھر گھومتی رہیں۔ پھر ایک ایسی لہر آئی۔ جو کشتیوں کو اٹھا کر حوض کے بالکل درمیان فوارے کے پاس لے گئی۔ بچوں نے چلانا اور آپا آپا کا شور مچانا شروع کر دیا۔ دوسرے لمحہ میں ایک حسین دوشیزہ بچوں کے پاس آکھڑی ہوئی۔

دوشیزہ۔ کیوں شور مچا رہے ہو۔ کیا ہے؟

بچے۔ آپا۔ ہماری کشتیاں بہ کر فوارے کے ساتھ جا لگیں۔

دوشیزہ۔ تو میری بلا سے۔ میں نے جو کہا تھا کہ بن پوچھے کہیں نہ جانا۔ تمہاری یہی سزا ہے۔

نیچے۔ نہیں نہیں آپا! ہمیں اب کے کشتیاں نکال دو۔ پھر ہم تمہاری اجازت بغیر کبھی نہ جائیں گے۔ دوشیزہ مسکرائی اور پھر حوض کے کنارے بیٹھ کر حنائی ہاتھوں سے موجوں کا رخ اپنی طرف کرنے لگی۔ میرے لئے تمام کائنات کی دلآویزیاں اور دلچسپیاں سمٹ کر اس دوشیزہ کے منوّر چہرہ میں جمع ہو گئیں۔ آہ! وہ کسقدر حسین تھی وہ میرے جذبات سے زیادہ حسین۔ آنسوؤں سے زیادہ چمکدار میری آنکھوں سے زیادہ منور اور میری خوابوں سے بڑھ کر رنگین تھی۔ اس کے بال میری تنہائی کی راتوں سے زیادہ تاریک اور لمبے تھے۔ اسکی آنکھیں میری امید سے زیادہ منور تھیں۔ دیکھتے ہی میری نگاہیں اسکے نوبہار خدوخال اور دلفریب صورت پر مرتسم ہو چکی تھیں۔ میں اپنے مقام سے اٹھا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا اسکے بالکل قریب جا پہنچا مگر وہ اپنے شغل میں کچھ ایسی کھوئی ہوئی تھی کہ میری آمد کا احساس تک نہ کر سکی میں اس کے سامنے کھڑا ہمہ تن چشم ہو کر اسکی طرف دیکھ رہا تھا وہ جب کافی دیر تک کوشش کرنے کے باوجود اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکی تو اٹھ کھڑی ہوئی۔ ساتھ ہی اسکی نگاہ مجھ پر پڑی میں بت کیطرح خاموش اسے دیکھ رہا تھا۔ ایک دبی ہوئی "ہائے" اس کے منہ سے نکلی اور پھر وہ دوپٹے سے منہ کو ڈھانپ کر جھاڑیوں کے پیچھے جا چھپی۔ دوسرے لمحہ میں ایک مترنم آواز آئی۔

"امجد ثریا یہاں آؤ" وہ دونوں بچے دوڑتے ہوئے دوشیزہ کے پیچھے چلے گئے۔

میں نے ایک بار آسمان کیطرف دیکھا۔ مجھے ایک بہت بڑا پرندہ اڑتا ہوا دکھائی دیا جو بالکل انسانی خورد سال بچے کے مشابہ تھا۔ اسکے سنہری پروں سے ایک نازک کمان لٹک رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ میری نظروں سے غائب ہو گیا

میری حسرت آلود نگاہیں ابھی اس کا تعاقب کر رہی تھیں کہ کسی نے میرا دامن تھام کر کھینچ لیا۔ میں نے دیکھا تو امجد کھڑا کہہ رہا ہے "یہ کشتیاں مجھے نکال دو" "اچھا بھیا" میں نے جواب دیا اور نزدیک والے درخت سے ٹہنی توڑ کر پانی میں سے دونوں کشتیاں اٹھا لیں اور امجد کے حوالے کر دیں وہ مسکرایا اور دوڑتا ہوا چلا گیا۔ میں پھر پھولوں کے حسین جھرمٹ میں چبوترے پر آ بیٹھا۔ اور انتظار کرنے لگا۔ لیکن وہ حسین دوشیزہ پھر نظر نہ آئی۔

مجھے صبح سے شام تک دریا باغ کا طواف اور اس مجسمۂ نور کی تلاش کرتے ایک سال سے زیادہ گزر گیا ہرے بھرے درخت سوکھ گئے۔ چمن کا سبزہ زرد گھاس بن گیا۔ روشوں پر خاک اڑنے لگی۔ کیاریوں میں پھولوں کا ایک دھندلا سا تصوّر رقص کرنے لگا۔ حوض خالی ہو گیا۔ اور فوارے کا جوبن جاتا رہا۔ گویا زمانہ بدل گیا لیکن میں ایک مرتبہ پھر اپنی مینائے آرزو کو صہبائے حسن سے لبریز کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ آہ! میری زندگی کی تمام دلچسپیاں ختم ہو گئیں۔ ولولے مٹ گئے۔ مسرتیں مجھ سے دور رہنے لگیں نیندیں روٹھ گئیں۔ خواہیں پریشان ہو گئیں میرے دوست احباب مجھ سے پریشانیوں کا باعث دریافت کرتے تو میں ٹال مٹول کر کے کسی نہ کسی طرح پیچھا چھڑا ہی لیتا۔

ایک مدت سے میرے چچا کو میری اکیسویں سالگرہ کا انتظار تھا۔ چنانچہ وہ دن بھی آ گیا اور بڑی شد و مد سے منایا گیا اور وہیں عزیز و اقارب میں اس امر کا اعلان بھی کر دیا گیا۔ کہ عنقریب میری شادی کر دی جائے گی۔ شادی کا نام سنتے ہی بجائے مسرت کے میرے دل میں

شعلے بھڑک اٹھے۔ جذبات میں ایک تلاطم سا برپا ہو گیا۔ کیونکہ شادی کے متعلق جو حسین خواب میں دیکھا کرتا تھا۔ یہ شادی قطعاً ان کی تعبیر نہ تھی۔ میں نے شادی کے رک جانے کیلئے امکانی کوششیں کیں۔ دوستوں سے چچا جان کو کہلوایا۔ ملنے والوں سے کہکے فی الحال شادی نہ کرنے کا مشورہ دلوایا۔ مگر چچا صاحب نے ایک نہ سنی اور میری شادی کے متعلق سلسلہ جنبانی شروع ہی کر دی۔ مہینے سے زیادہ سگائی میں صرف ہو گیا۔ جب کوئی عورت کسی لڑکی کو دیکھ کر چچا صاحب سے ذکر کرتی۔ چچا صاحب اسمیں ایک نہ ایک کمی یا دوسرے لفظوں میں نقص نکال ہی دیتے اور پھر تلاش کرنے کو فرماتے۔ آخر ایک دن ایسا بھی آیا کہ لڑکی چچا صاحب کے منشا کے مطابق دستیاب ہو گئی وہ چاہتے تھے کہ میری بیگم حسن صورت کے علاوہ حسن سیرت کی بھی مالکہ ہو تعلیم یافتہ بھی ہو۔ اور امور خانہ داری سے بھی بے خبر نہ ہو۔ ہاں تو میری شادی کا بندوبست ہونے لگا۔ تمام رشتہ داروں کو اطلاع دی گئی۔ دور رہنے والوں کو خط لکھ دئے گئے اور تاریخ مقرر ہو گئی میں دل ہی دل میں کڑھتا گیا۔ لیکن حرف شکایت زبان پر نہ لا سکا۔ مجھے سب سے زیادہ غصہ اس بات کا تھا۔ کہ میری شادی کے متعلق مجھ سے ایک دن بھی مشورہ نہ لیا گیا۔ تاکہ میں کسی نہ کسی پہلو سے اپنا دلی منشا، چچا صاحب پر واضح کر دیتا اور شاید کامیاب بھی ہو جاتا۔ مگر افسوس ایسا نہ ہوا۔

شادی کے دن تک میں نہایت پریشان رہا۔ بار بار میری آنکھوں کے سامنے اس حسینہ کی تصویر پھر جاتی جسے میں وذیر باغ میں دیکھ چکا تھا اور ساتھ ہی ہلکا سا درد سینے میں شروع ہو جاتا۔ شادی کے دن عصر کے وقت میں ہال کمرے میں بیٹھا ارباب صاحب سے شطرنج کھیل رہا تھا کہ اچانک میرا ننھا بھتیجا اٹکھیلیاں کرتا ہوا میرے پاس آیا اور توتلی زبان میں کہنے لگا "آپ کو باہر بلاتے ہیں۔ اس کے بعد ہی ملازم داخل ہوا اور کہنے لگا۔ آپ کے سسرال سے آپ کے لئے جوڑا آیا ہے۔

"تو آنے دو! میں کیا کروں" میں نے قدرے سختی سے کہا۔

ملازم چپ چاپ واپس چلا گیا۔ اس کے بعد میرے رفیق ارباب صاحب جن سے میں شطرنج کھیل رہا تھا۔ یہ کہتے ہوئے اٹھے "کہ دیکھیں تو سہی۔ تمہارے خسر صاحب نے جوڑا کس شان کا بھیجا ہے"۔

ارباب صاحب کے بعد میں بھی اٹھا اور باہر نکل گیا میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ امجد میرے بھائی صاحب کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھا ہوا ہے! میں دروازے سے ہٹ کر کچھ دور جا کھڑا ہوا۔ اور اشارے سے امجد کو اپنے پاس بلایا وہ دوڑتا ہوا میرے پاس آ کھڑا ہوا۔ اور آپ ہی آپ کہنے لگا "میری آپا آپ کو بہت یاد کیا کرتی تھیں وہ رویا بھی کرتی تھیں اور اکثر مجھے وذیر باغ میں بھی بھیجا کرتی تھیں کہ دیکھوں کہ آپ وہاں موجود ہیں یا نہیں"۔

میں امجد کی تھیں تھیں سے بہت پریشان ہوا میں نے گھبرا کر پوچھا "امجد وہ مجھے یاد کیا کرتی تھیں؟

"لیکن اب"

"اب تو نہیں"۔ اس نے معصومانہ انداز میں کہا۔

"لیکن کیوں کسی نے منع کر دیا ہے"۔

"اب ان کی شادی ہو گئی ہے" امجد نے کہا

شادی ہو گئی ہے۔ کہاں شادی ہو گئی۔ میں نے گھبرا کر

پُوچھا۔

اس گھر میں شادی ہو گئی ہے۔ جہاں میں بیٹھا ہوا تھا۔ امجد نے مسکراتے ہوئے میرے گھر کی طرف اشارہ کیا۔

اتنے میں سامنے سے میرے دوست ارباب صاحب ٹھٹھے اُچھالتے دانت نکالتے گزرے اور بڑے مزے سے ہنس کر کہا۔

"سالار جنگ سے باتیں ہو رہی ہیں"

میری مسرتوں کی انتہا نہ رہی۔ میں نے امجد کو گود میں اٹھالیا۔ اور پیار کرنے لگا۔

شادی کے کچھ روز بعد میں نے اپنی۔۔۔۔۔۔ سے کہا

بلقیس۔ تم نے مجھے خوب پریشان کیا وہ مسکرائی اور کہنے لگی۔ خیر آپ کی پریشانی تو مٹ گئی۔ لیکن میری کلائی کا داغ ویسا ہی ہے۔

"کیسا داغ" میں نے پُوچھا

جب میں حوض سے بھاگ کر جھاڑیوں میں جا چھپی تھی میری کلائی کانٹوں سے زخمی ہو گئی تھی" بلقیس نے جواب دیا۔

میں نے آہستہ سے کلائی کو چوم لیا۔

زرّیں مقالات

مترجمہ مولانا محمد کامل صاحب انصاری

۱۔ اٹلی کے ایک مشہور فلاسفر نے اپنا خیال اسطرح ظاہر کیا کہ وقت اسکی جائداد ہے اور ایسی جائداد جو بغیر کاشت کچھ نہیں پیدا کر سکتی لیکن جو محنت اور مزدوری کا اچھی طرح صلہ دے سکتی ہے۔ اور ایک شخص اپنی زبردست سے زبردست خواہش کی حد کو طے کر سکتا ہے بشرطیکہ اسکا کوئی حصہ لاپروائی سے نہ پڑا رہنے دیا جائے یا زہریلے پودوں کو اس پر اگنے سے بچایا جائے۔ اور محض نمائش کے واسطے نہ رکھ چھوڑا جائے۔

۲۔ جب ارسطو سے لوگوں نے دریافت کیا کہ ایک شخص جھوٹ بول کر کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے تو اس نے کہا "جب وہ سچ بھی کہیگا تو اس کا یقین نہ کیا جائے گا۔

۳۔ شاہ روم کو ایک روز کھانے کے وقت یاد آیا کہ اس نے پبلک کے فائدہ کے واسطے تمام دن کوئی کام نہیں کیا۔ حاضرین سے کہا "میرے دوستو! میں نے ایک دن گنوا دیا۔

۴۔ شاہ روم بہت اچھا بادشاہ تھا۔ جب مصاحبین نے اس سے ملک فتح کرنے کے لئے اصرار کیا۔ تو اس نے کہا "مجھے ایک ہی ملک کی رعایا کا خوش و خرم رکھنا ہزاروں دشمنوں کی خونریزی سے بہتر معلوم ہے۔

۵۔ لوگ شکایت کرتے ہیں کہ دنیا میں کوئی سچا دوست نہیں ملتا۔ ان کو چاہیئے کہ اس بات پر غور کریں۔ آیا وہ بھی کسی کے سچے دوست ہیں اور کسی کے واسطے وہ بھی اپنی پیاری زندگی قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔

جناب عبدالعزیز فطرت (راولپنڈی)

فلاکت نصیب اور بڑے تنگدست | مگر تشنۂ خدمتِ دیں میں مست

بڑے نیک سیرت بڑے خوش نہاد | یہ مسند نوازانِ بزمِ الست

تخیل کی رفعت عزائم میں ہے | کبھی حوصلے اُن کے ہونگے نہ پست

انہیں حق پہ اور خود پہ ہے اعتماد | نہ کھائیں گے یہ دشمنوں سے شکست

نہ جرعہ بلب ہیں نہ ساغر بکف | یہ مردانِ جرأت ہیں خنجر بدست

زہے سربلندی کہ وقتِ وغا | ملی اسپِ تازی پہ ان کو نشست

یہ جس قوم کے نوجواں ہیں اُسے | زمانے کے ہاتھوں نہ ہوگی شکست

زمانے میں ہے کام کی اُن کے دھوم
غلام اُن کی ہے محفلِ بود و ہست

بنجر زمین

محمد مقبول عالم بی اے منشی فاضل نارووالی

اے بدبخت بنجر زمین! تو روئیدگی کی تمام صلاحیتوں سے محروم رکھی گئی۔ تیری سرشت میں مادہ قبول ہی نہیں! تو بیج کو اپنے پہلو میں لیکر اسے شاداب نہیں کر سکتی بلکہ اسکو جلا کر اپنے ہی میں ملا لیتی ہے تو پھر کیوں اے بدبخت زمین! کسان تجھ پر اپنی محنت اور اپنا بیج ضائع کرے اسکا بیج اور اسکی محنت نرم اور بے شورہ زمین کے لئے ہے۔ جو پھلتی پھولتی اور ہزار گنا بیج لاتی ہے مگر تو اسی قابل ہے کہ جوں کی توں ویران پڑی رہے۔

آہ! انسان تجھ پر اپنی محنت اور اپنا سرمایہ ضائع نہیں کرتا۔ مگر قدرت کی نوازشیں تو تجھ اور زرخیز زمین دونوں پر یکساں ہیں۔ وہ بخل سے کام نہیں لیتی۔ تجھ پر بھی مینہ برستا ہے۔ تجھ پر بھی سورج کی گرم گرم شعاعیں پڑتی ہیں۔ مگر زرخیز زمین تو دانہ میں سے کونپل نکال لیتی ہے مگر تو دانہ ہی کو اپنے شورے سے جلا دیتی ہے کہ وہ روئیدگی کے قابل ہی نہیں رہتا۔

کیا تو زرخیز زمین کی شادابیاں نہیں دیکھتی۔ اس کے رنگ برنگ کے پھول اور پھل کیسے خوشنما نظر آتے ہیں! اور اسکا گھاس ہی فرش مخملیں کا حکم رکھتا ہے کیا تجھے اس پر بھی رشک نہیں آتا۔ کیا تجھ میں بالکل احساس ہی نہیں رہا۔ اگر احساس ہوتا یا کم از کم اپنے ہی سے تو واقف ہوتی تو ضرور تجھے رشک آتا اور شادابی کی آرزو کرتی۔ تو نے تو اپنے نفس ہی کو نہیں پہچانا۔ تو تو دوسروں کی ماہیت سے کیا واقفیت حاصل کر سکتی ہے کیا تو نے مدنی آقا کا یہ پیغام کہ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ نہیں سنا! اب سن اور اپنی بدبختی اور ویرانی کیطرف دیکھ۔ شورے کو علیحدہ کر اور صاف ہو جا! بیج کو قبول کر! انکار نہ کر

اللہ کی بارش تجھے سیراب کرے گی۔ سورج تجھے حرارت دیگا۔ دیکھ سب تیری شادابی کے لئے کوشاں ہیں اور تیری تازگی کے خواہشمند۔ اگر پیچھے ہٹتی ہے تو تو خود ہٹتی ہے قدرت اپنی نوازشوں سے دریغ نہیں کرتی۔

اے واژگوں نصیب قطعہ زمین! میں تجھے بنجر کہتا ہوں دل نہیں چاہتا کہ تجھے "بنجر" کے لفظ سے یاد کروں۔ آہ! تو بنجر ہونے کی صفات نہ رکھتی اور میں تجھے بنجر نہ کہتا۔ آ! مادہ قبول پیدا کر اور وہ وقت دور نہیں کہ تجھ سے بھی کونپل پھوٹے۔ تیری اجڑی ہوئی بستی میں بھی آبادی کی ہوا آئے۔ تیری شورے سے اٹی ہوئی سطح گھاس سے فرش مخملیں بن جائے کھیتیاں لہلہائیں۔ پھول کھلیں۔ درخت اگیں پھل آئیں وحوش و طیور تیری پناہ میں آئیں اور حضرت انسان تجھے "روضۃ الجنۃ" کے نام سے پکار اٹھے۔

مگر آہ! تو تو بنجر زمین ہے! تجھ میں قبولیت ہی نہیں۔ تجھ پر تو ہماری محنت کا اثر ہی نہیں ہوتا تو ہمارے بیج کو بھی جلا دیتی ہے۔ تو ہوا۔ پانی اور سورج کی حرارت سے مستفید ہونا چاہتی ہی نہیں تو پھر کیسے ہوگا کہ تو نمونۂ جنت بن سکے۔ تو اسی قابل ہے کہ پڑی سڑتی رہے تو ویران اور بنجر ہی کہلائے! آہ بنجر کتنا دلخراش لفظ ہے۔

کاش! کہ تو صلاحیت قبولیت رکھتی ہوتی اور کسان کے پسینہ کی قدر جانتی۔ قدرت کی نوازشیں قبول کرتی اور میں تجھے بنجر نہ کہتا اسلئے اے بدبخت بنجر زمین میرا تجھ پر افسوس ہو!

افسانہ

خدمت

عبدالمجید شمیم وزیری مدیر

فضلو کی ماں حسب معمول مصلّے پر بیٹھی نماز پڑھ رہی ہے
آفتاب ابھی قصر مشرق میں نہیں پہنچا۔ نہ ابھی اس نے زریں تاج
کو زیب سر کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ کیونکہ آسمان پر کہیں کہیں
ستاروں کی فوج جان توڑ کر لڑ رہی ہے۔ گو وہ اچھی طرح جانتی
ہے کہ شکست فاش ہو چکی ہے مگر رسوائی کے خوف سے
مقابلہ نہیں چھوڑتی۔ وہ چاہتی ہے کہ میدان میں ڈٹ کر شہید
ہو۔

مرغانِ سحر خورشید کی فاتحانہ آمد پر نغمات مسرت سے
کہرام مچا رہے ہیں اور سحر شب کی ہولناکی کے کافور ہونے پر
طلسم شکن مہر فلک کی شان میں مختصر اور موثر قصیدے گا گا
کر اپنی عقیدت کا اظہار کر رہے ہیں۔

لطف الرحمن انسپکٹر پولیس اپنے تین نوکروں کو ساتھ لیکر
شکار کیلئے نکلتا ہے۔ شہر سے تھوڑی دور ایک بہت مشہور
شکار گاہ تھی۔ جہاں حکام شکار کھیلتے اور اپنی لطف و ذائقہ
پسند طبیعت اور زبان کی چاٹ کو پورا کرتے۔

فضلو حسب معمول لکڑیاں کاٹنے شکار گاہ میں ادھر ادھر
پھر رہا تھا جب سے اُس کا باپ مرا تھا وہ اکیلا گھر کا تمام کام
کاج کرتا تھا۔ آندھی جھکڑ۔ برسات۔ غمی اور بیماری میں بھی
وہ اس طرح مستعد رہتا جسطرح حکومت کے وفا شعار صاحب
اقتدار۔ اس کی فطرت میں یہ چیز بدرجۂ اتم موجود تھی۔ کہ
والدہ کی اطاعت و فرمانبرداری سے بہتر دنیا میں کوئی نیک کام
نہیں۔ ایک مولوی صاحب کی زبانی اس نے یہ سنا تھا کہ ماں باپ
کی خدمت کرنے والا ہر دو عالم میں راحت پاتا ہے۔

فضلو نے نو بجے اسکول جانا ہوتا تھا اور وہ نو بجے سے
پہلے گھر کے تمام ضروری کام ختم کر لیتا تھا۔ اس کی مادر مہربان
اسکی خدمت و اطاعت گذاری پر ہر وقت خوش و خرم رہتی
اور اٹھتے بیٹھتے دعائیں دیتی۔ محلہ بھر کی عورتیں فضلو کی تعریف
کرتیں۔ باوجود مدرسہ اور گھر کے زیادہ کاموں کے کسی اہل محلہ
کے کام سے بھی منہ نہ موڑتا۔ ایک بیوہ عورت کی بھینس دوہنا
اور اُسے سودا سلف لا دینا تو اس کا ایسا فرض تھا جیسے خدا کی
نماز فرض ہے۔

جس طرح کوئی شخص اپنی موت سے آگاہ نہیں ہوتا اُسی
طرح فضلو بھی یہ نہیں جانتا تھا کہ آج دنیائے ناپائدار اسکے
نقشِ بے ثبات کو مٹا دینے پر تُل چکی ہے۔

۱۱ ستمبر کی صبح کو پھولوں پر افسردگی اور کلیوں اور غنچوں پر
پژمردگی چھا چکی تھی۔ بادِ نسیم کی تر و تازگی کے اثرات سے نونہالانِ
چمن بیزار اور مرغانِ گلشن سکوت بہ لب نظر آ رہے تھے۔ پتہ
پتہ اور ڈالی ڈالی پر مُردنی طاری تھی۔ بلند قامت اشجار خاموش
قطار در قطار کھڑے محو حیرت تھے۔ کہ یک لخت اجل کیا غضب و ستم
ڈھانے لگا ہے۔ تیر قضا کس پھول کو مسلنے لگا ہے۔ اور فرشتۂ
موت کس جوانمرد کو نگلنے لگا ہے۔۔۔ یکایک بندوق کی ہولناک
آواز سے خاموش فضا میں ایک روح فرسا انقلاب رونما ہوا۔

یعنی فضلو بندوق کا نشانہ ہوتے ہی جہانِ ناکام سے جہانِ مراد میں جا پہنچا۔

زمین کا ذرہ ذرہ اس ستم ناروا پر چلا اٹھا۔ آسمان نے سپید سفید برف برسائی۔ تاکہ راز افشاں نہ ہونے پائے مگر کسی نے بارگاہِ اقدس میں فریاد کی "بے گناہ" "پاک" اور "مظلوم" یوں بے نشاں ہو۔ کہ مزار و تربت تک نہ ہو۔ کفن و چادر بھی نہ ہو۔ یہ خون ہوگا۔ انصاف کا۔ صداقت کا۔ مروت کا۔ اخوت کا اور انسانیت کا۔ . . . .

یہ ظلم چھپ نہیں سکتا۔ یہ خون وصل نہیں سکتا۔ یہ پھول مرجھا نہیں سکتا۔ آسمانِ پیر کی یہ مکاری کبھی فراموش نہیں ہو سکتی۔ اہلِ زمین اس کا انتقام لیں گے۔ پورا پورا قصاص لینگے غیرتِ الٰہی کو نیکی کی فریاد بھائی۔ اور اس نے یوں فضلو کو مرنے کے بعد ماں سے ملایا۔

منگلو جاٹ اپنے چاہ سے واپس آرہا تھا۔ اچانک اس کی نظر ایک لکڑیوں کے ڈھیر پر پڑی۔ وہ اس طرف ہولیا۔ ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگا۔ دور دراز تک کوئی آدمی نظر نہ آیا۔ آخر وہ دائیں بائیں دیکھتا ایک لمبی چوڑی جھاڑی کے قریب پہنچا۔ اس کی نظریں ایک لاش پر پڑیں۔ وہ آگے بڑھا اس نے برف چہرے سے ہٹاتے ہی فضلو کو پہچان لیا۔ اور شکار گاہ کا رخ کیا۔

منگلو۔ (ایک نوکر سے) یہ کون شکار کھیل رہا تھا۔

نوکر۔ جناب لطف الرحمٰن صاحب انسپکٹر پولیس

منگلو۔ انہوں نے ایک آدمی کو ہلاک کر دیا ہے۔

نوکر۔ (خوفزدہ ہوکر) ہیں۔ کب۔ کہاں؟ اور ساتھ ہو لیا۔

نوکر لاش دیکھ کر اپنے آقا کی طرف بھاگا۔ اور اس کو خبر کی۔

منگلو نے ایک دو آدمی بلائے اور فضلو کی لاش کو گھر پہنچایا۔ فضلو کی ماں زور زور سے روتی اور اپنی بدقسمتی کا گلہ کرتی۔ جوں جوں اہلِ محلہ کو خبر ہوئی سب اس کے گھر پہنچے آخر قریب شام اسکی تجہیز و تکفین کی گئی۔

فضلو ایک امیر محلہ دار دوست رکھتا تھا جب اس نے اپنے غریب خوش اخلاق اور نیک دوست کی موت کا واقعہ سنا تو اس کی آنکھوں سے بے تحاشا آنسو بہ نکلے۔ اس نے فضلو کی ماں کے پاس آکر اظہارِ افسوس کیا اور کہا کہ "اماں جان آپ قاتل پر مقدمہ کریں۔

فضلو کی اماں۔ بیٹا! آپ کیا جانیں کہ ہمارے گھر کی کیا حالت ہے۔ میری تو روٹی بھی چھن گئی۔ نہ زیور۔ نہ زمین۔ نہ کنواں نہ باغ آجا کر میرا بیٹا ہی میری جائداد تھا۔ میں آگے ہی ضعف اور پیری کے باعث مشقت سے معذور ہوں۔ اب کون اس بیکار۔ بڈھوں کے ہجر کو موت کے دن تک سہارا دیگی۔ کاش میری زندگی ختم ہوجاتی اور میرا بچہ زندہ رہتا۔

امیر محلہ دار۔ اماں آپ جانتی ہیں کہ اللہ کا نظام اور اس کی رضا میں کسی بڑے سے بڑے آدمی کو بھی دخل نہیں۔ جو وہ چاہتا ہے کرتا ہے۔ مرنا تو ہر ایک نے ہے مگر جوانی کے عالم میں ایسے سعید و حمید فرزند کی موت تو قیامت سے کم نہیں۔ آپ بالکل نہ گھبرائیں۔ کھانا دو وقت ہمارے ہاں سے کھائیں اور مقدمہ کریں۔ مقدمہ کا سب خرچ میں کروں گا۔ فضلو آدمی تھا۔ فرشتہ تھا۔

فضلو کی والدہ۔ بھائی مقدمہ لاحاصل ہے! مرنے والا تو

واپس آنے سے رہا۔

امیر محلہ دار۔ اماں آپ ٹھیک فرماتی ہیں مگر از روئے قانون سنا تو ہوگا کہ کچھ نہ کچھ آپ کو بطور قصاص مل جائے گا۔

فضلو کی ماں کو ہر چند مجبور کیا گیا مگر وہ نہ مانی۔ آخر امیر محلہ دار نے محلہ کی ایک دو عورتوں سے کہلوایا۔ تو اس نے ہاں میں ہاں ملادی۔

امیر محلہ دار نے بڑی محنت سے مقدمہ کیا۔ اور سارا خرچ بغیر کسی لالچ کے برداشت کیا۔ اگرچہ مدمقابل بھی کوئی معمولی آدمی نہ تھا۔ مگر اس طرف بھی صداقت تھی۔ اور بوڑھیا کی آہ واہ میں ڈوبی ہوئی وہ فریاد تھی جس سے عرش الہی بھی لرزے بغیر نہ رہ سکا۔

عدالت۔ (ملزم سے) کیا تم نے فلاں دن فلاں وقت فضلو پر گولی چلائی۔

ملزم۔ جی حضور۔

عدالت۔ کیا فضلو تمہاری گولی سے مرا؟ یا نہیں!

ملزم۔ بے شک مرا۔

عدالت۔ اب تمہیں خون کے بدلے خون دینا ہوگا۔

وکیل ملزم۔ حضور! مرحوم کی والدہ اسکے خلاف ہے۔

عدالت۔ کیوں فضلو کی ماں تم کیا کہتی ہو

فضلو کی ماں۔ حضور مرنے والا مر گیا۔ وہ کسی طرح واپس نہیں آسکتا۔ میں اس کی جان لینا نہیں چاہتی۔

عدالت۔ (فضلو کی ماں سے) اور کیا چاہتی ہے۔

فضلو کی ماں۔ اس کی رہائی۔ اور خدا سے صبر

ملزم۔ (عدالت سے) میں عدالت کے رحم و کرم کے سامنے اس بات کی حلف اٹھاتا ہوں کہ زندگی تک میں فضلو کی اماں کو بجائے اپنی مادر کے سمجھوں گا اور اسکے زندگی بھر کے اخراجات اپنی گرہ سے دوں گا۔ یہ کہتے ہوئے مجرم فضلو کی ماں کے پاؤں پر گر پڑا۔

عدالت (فضلو کی ماں سے) جب تمہیں صبر اور ملزم کی حیات مقصود تھی تو تم نے عدالت کا دروازہ کیوں کھٹکھٹایا

فضلو کی ماں۔ انصاف کے لئے؟

عدالت۔ ہمارا انصاف "خون کا بدلہ خون"

فضلو کی ماں۔ مقدمہ کے دوران میں یہ بات سوجھی کہ میرا بیٹا ہمیشہ کے لئے روپوش ہوگیا۔ جسے ساری دنیا کی دولت ایک لمحہ کے لئے بھی زندہ نہیں کرسکتی۔ پھر قاتل کے خون سے کیا بنے گا۔ ہاں اگر ملزم کے خون سے قانون اور انصاف اُسے زندہ کرسکتا ہے تو بالیقین خون بہانے کا حکم صادر فرما دیجئے۔

عدالت۔ جاؤ۔ ایسا نہیں ہوسکتا۔

لطف الرحمن انسپکٹر پولیس رہا ہوتے ہی فضلو کی معمر والدہ کو لے کر گھر پہنچا۔ اور فضلو کی ماں کے اور عدالت کے رحم و کرم کے بعد احکم الحاکمین کی بارگاہ میں اپنی باعزت و عافیت رہائی پر نفل پڑھنے میں منہمک ہوگیا۔

انتقاد

از مدیر معاون مرزا نسیم

خزینۂ حسن الموسوم بہ آئینہ خشا

حرازل غازی عبدالمجید صاحب شمیم نے اس نام سے ایک کتاب مرتب کی ہے جس میں عورتوں کے لئے خوبصورتی کے راز جسمانی ورزشوں کے طریقے ۔ کالے اور بدنما چہرے کو خوبصورت بنانے کی ترکیبیں بہترین نسخے ۔ بالوں کو خوبصورت بنانے کے نسخے ۔ ورزش کے فائدے اور ہدایات ۔ اصلی حسن مصنوعی حسن ۔ دوامی شاعرانہ طبی حسن ۔ رہائشی مکان ۔ طویل عمر ۔ طعام و غذا ۔ بسیار خوری کے نقصانات ۔ غذا ۔ غسل ۔ لوازمات غسل ۔ عینک سے نجات صنف نازک کی آرائش اور زیبائش ۔ کارآمد و مفید مشورے ۔ مفید اٹینے ۔ داغ دھبے چھائیاں دور کرنے کی ترکیبیں وغیرہ وغیرہ پر مفصل مضامین تحریر کئے گئے ہیں ۔ عورتوں کے لئے یہ کتاب بہت زیادہ مفید ثابت ہوسکتی ہے ۔ بشرطیکہ وہ اکتساب کریں ۔ ہمارا دعوے ہے کہ باعتبار مضامین اور کم قیمت کے اس سے زیادہ مفید کتاب بازار میں ملنی محال ہے ۔ قابل مصنف نے کوزہ میں دریا بند کیا ہے ۔ کاغذ نہایت اچھا ۔ حجم یکصد صفحات ۔ قیمت ۱۲؍ اور محصولڈاک ۵ ہے پتہ ذیل سے طلب فرمائیں ۔

شیخ غلام علی اینڈ سنز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور

آخری رسول

مولانا ماہر القادری نے اس نام کی ایک مختصر کتاب تصنیف فرمائی ہے اس میں آنحضرت صلعم کی پیدائش سے لیکر وفات تک کے تمام ضروری اور اہم واقعات درج کئے گئے ہیں ۔ چند موضوعات ملاحظہ فرمائیں ۔ عرب کی حالت ۔ ہجرت حبش ۔ مسلمانوں پر سختیاں ۔ ہجرت مدینہ ۔ کفار کے ظلم ۔ کفار سے جنگ ۔ غزوات ۔ صحابہ کی جانثاری ۔ تبوکی بربادی ازواج مطہرات ۔ اولاد ۔ شکل و صورت ۔ رہائش طعام وغیرہ ۔ عبادت اخلاق و عادات ۔ سخاوت ۔ سادہ زندگی ۔ دشمنوں سے سلوک ۔ خطبات وغیرہ ۔ وغیرہ

وہ حضرات جو آنحضرت صلعم کی پاک زندگی کے مطالعہ کے لئے زیادہ کتابیں نہ پڑھ سکتے ہوں ۔ اس ایک ہی کتاب سے بہت زیادہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں ۔ زبان نہایت آسان اور شستہ ۔ بچوں کے لئے بہترین ہے ۔ اپنی اولاد کو اس کا ضرور مطالعہ کرائیں ۔ مذہبی کتب میں ایسی آسان کتابیں ہونا خوش قسمتی ہے کاغذ وغیرہ عمدہ ہدیہ ۸ پتہ ذیل سے طلب فرمائیں

مکتبہ علمیہ چارمینار حیدرآباد دکن ✦

"عارف" ہمارے محترم دوست مولانا عبدالرحمن شوق امرتسری کی ادارت میں اس نام سے ایک ماہوار رسالہ شائع ہوتا ہے مضامین مذہبی ادبی ہوتے ہیں ۔ مضمون نگار حضرات ملک کے نامور ادبا و علما میں سے ہیں ۔ رسالہ اپنی ظاہری اور باطنی خوبصورتی کے لحاظ سے خوب ہے ۔ ہم علامہ شوق کے اس جدید اقدام خدمت ملت پر ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں ۔ لکھائی ۔ چھپائی اور کاغذ عمدہ پتہ ذیل سے طلب [illegible]

(چندہ سالانہ صرف عہ ہے) دفتر رسالہ "عارف" [illegible]

حضرت مولانا مرتضیٰ احمد خان میکشؔ مدیر اعلیٰ "احسان" لاہور

مزاحم لاکھ ہوں باطل کے لشکر صف بصف ہو کر
رہِ حق و صداقت پر چلوں گا سر بکف ہو کر

مروں گا شانِ اسلامی سے آئی ہے اگر ساعت
اگر ہے زندگی باقی جیوں گا باشرف ہو کر

کہاں ملتا ہمیں تیرِ بلا سے بچ کے رہنے میں
مزا جو مِل گیا سینہ سپر ہو کر ہدف ہو کر

عداوت فیل استبداد کے مجھ سے یہ سُن رکھیں
کہ وہ برباد ہوں گے ایکدن عصف و علف ہو کر

تری صحبت سے کیا حاصل ہمیں اے بحرِ بے پایاں
اگر لاکھوں برس بھی ہم جئے پوچ اور خزف ہو کر

ہوا ہے سد اسمندِ طبع پر قابو نہ پانے سے
گرایا ہے اِسی منہ زور نے مجھ کو الف ہو کر

مرے مرحوم نالوں کا بھی مرقد دیکھتے جائیں
اگر گزریں کبھی ویرانۂ دل کی طرف ہو کر

اُگل دیگی کبھی طبعِ زماں وہ گوہرِ معنی
ازل سے کر رہی ہے پرورش جسکی صدف ہو کر

مرے نالے رہیں گے شور افگن دہر میں برسوں
طبل ہو کر، دہل ہو کر، رباب و چنگ و دف ہو کر

جناب ایم سعید قریشی ادیب عالم کوئٹہ

تو دلکش اور حسین

جیسے ساون کے مہینے میں جبکہ ماہ کامل اپنی پوری فوج سمیت نیلگوں آسمان پر درخشاں ہو اسکی چمکدار اور روپہلی کرنیں ایک سنگ مرمر کے تالاب کے صاف و شفاف پانی کو پیار کر رہی ہوں۔ جس کے ارد گرد گلاب کے نوشگفتہ پھول اپنے نیم تبسم سے دنیا کی مسرتوں کا پتہ دے رہے ہوں لمبے لمبے سرو کے پودوں کی قطار موجودہ فضا کو خوشگوار بنانے کے لئے ہرے بھرے گھاس پر سایہ ڈالے کھڑی ہو اور اس تالاب کے کنارے ایک دلکش مہ جبیں لال اور سنہری مچھلیوں سے کھیل رہی ہو۔ اسکے لمبے لمبے اور سیاہ بال بے خود ہو کر اسکے شانوں پر لوٹ رہے ہوں اور اسکی سیاہ اور گہری چمک سے وحشت کھا کر پانی تھر تھر کانپ رہا ہو۔ اور وہ جوانی کی مسرتوں سے سرشار ہو کر میٹھے میٹھے گیت الاپ رہی ہو۔

میں مضطرب اور غمگین

جیسے ساون کی اندھیری رات میں جبکہ کالے کالے بادلوں نے آسمان کو ڈھانپ لیا ہو۔ سمندر کی تلاطم خیز موجوں سے فضا کو پاش پاش کر رہا ہو۔ اور اسمیں ایک شکستہ کشتی جو تند و تیز ہوا کے جھونکوں کی تاب نہ لا کر ڈگمگا رہی ہو۔ بادل کی گرج پیچ و تاب کھاتی ہوئی اسے تہ و بالا کرنے میں کوشاں بجلی ہر آن تڑپ تڑپ کر چمک چمک کر اسے جلا کر خاک سیاہ کر دینے کی کوشش کر رہی ہو اور اسمیں ایک پژمردہ نوجوان سر کو جھکائے اپنی جوانی کی امنگوں کو ساتھ لئے ہوئے موت کے آخری اور کٹھن ساعت کا انتظار کر رہا ہو۔

معراجِ تخیل

جناب سید فارغ بخاری رکن دائرہ ادبیہ پشاور

جلوہ دکھا کے آپ تو روپوش ہو گئے
ہم دیکھتے ہی دیکھتے بیہوش ہو گئے

کس نوبہارِ ناز کی آمد ہے باغ میں
فرطِ خوشی سے خار بھی گلپوش ہو گئے

ٹوٹا طلسمِ سازِ نفس گونجتا ہوا
نغمے سکوتِ شام میں خاموش ہو گئے

اس سرمگیں غزالِ حرم کی نگاہ سے
کعبے کی طرح ہم بھی سیاہ پوش ہو گئے

اس چشمِ مے پرست کی مدہوشیاں نہ پوچھ
ساغر بکف تھے میکدہ بردوش ہو گئے

جو خم کے خم بھی پی کے بہکتے نہ تھے کبھی
اک ساغرِ نگاہ سے مدہوش ہو گئے

اس چشمِ مے فروش سے ملتی ہے رات دن
ہم پیتے پیتے اب تو بلا نوش ہو گئے

فارغ شبابِ یار کی رنگینیاں نہ پوچھ
ارماں لہو میں ڈوب کے گلپوش ہو گئے

افسانہ

بیوی کا قاتل

جناب ملک عزیز احمد سجاد ہاشمی چنیوٹ

اپریل کا مہینہ تھا۔ میں میٹرک کے امتحان سے فارغ ہو کر چچا جان کے ہاں آگرے چلا گیا۔ وہ وہاں تحصیلداری کے عہدہ پر فائز تھے اور شہر سے باہر ایک بہت اچھے صاف ستھرے مکان میں رہتے تھے۔ چونکہ آگرہ ایک بہت بڑا شہر ہے۔ اسلئے مجھے اسکی سیر کرنے میں دس بارہ دن لگے۔ بہرحال میں نے سارے شہر کی جی بھر کر سیر کی اور پھر میں سارا سارا دن گھر بیٹھنے لگا چچا جان تو سویرے سات بجے ہی کچہری چلے جاتے جہاں سے شام کے پانچ بجے واپس آتے اس عرصہ کے دوران میں میں یا تو اپنی چچی جان کے ساتھ ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہتا یا اپنے چچازاد بھائیوں سے کھیلتا جو کہ ابھی بالکل صغیرالسن تھے۔

بچے روزانہ شام کے وقت اپنے نوکر کے ساتھ دریائے جمنا کے دوسرے کنارے پر سیر کرنے کے لئے جاتے تھے اور شام کے بعد واپس آکر مجھے نرگس کی باتیں سناتے۔ کوئی اسکی کہانی کی دلچسپی کی تعریف کرتا تو کوئی اسکے گیت میں مدح سرائی کرتا......... نرگس ایک اندھے باپ کی بیٹی تھی۔ وہ کوئی بارہ برس کی ہوگی۔ کہ اسکی والدہ کا انتقال ہوگیا۔ بیچاری نرگس اکیلی باپ کے ساتھ دریائے جمنا کے ساحل پر ایک ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی میں رہنے لگی۔ جہاں وہ جرابیں بن کر اپنا اور اپنے غریب باپ کا پیٹ پالتی۔ غرض بچے مجھے روزانہ اسکی باتیں سناتے اور مجھے بھی اس بات پر مجبور کیا کرتے کہ آپ بھی چل کر نرگس کی کہانیاں سنا کریں۔

آخر ان کے بہت تنگ کرنے سے ایک دن چار و ناچار میں بھی جانے کے لئے رضامند ہوگیا۔ جب ہم شام کے وقت جمنا کے دوسرے کنارے پہنچے تو بچوں نے نرگس نرگس کہہ کر شور مچانا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم نرگس کی جھونپڑی میں پہنچ گئے وہ اپنی جھونپڑی کے دروازے پر بیٹھی ہوئی جرابیں بن رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر بوجہ شرم کے کھڑی ہوگئی۔ جب میں نے نرگس کے چہرے کو غور سے دیکھا تو اس کے چہرے میں بلا کی جاذبیت اور معصومیت تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ قدرت نے اسکو ایک خاص سانچے میں ڈھالا ہے۔ اسکی عمر کا اندازہ لگانا دشوار تھا۔ اسکا قد و قامت تقریباً ایک جوان عورت کے برابر تھا۔ لیکن اس کے چہرے پر معصومیت اور طفلانہ پن اس درجہ تھا کہ دنیا کے انقلابات کا اس پر ذرا بھی اثر معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اور وہ اس امر سے محض ناواقف تھی کہ اب وہ گہوارہ طفلی سے نکل کر دنیائے شباب میں قدم رکھ چکی ہے۔ میں تھوڑی دیر کے لئے بالکل خاموش کھڑا رہا کیونکہ مجھکو بالکل توقع نہ تھی کہ میں ایسے مقام پر ایک ایسا حسین پیکر دیکھ سکونگا۔ تاہم اسکا حسن کسی شاہی قصر میں ہونے کی بجائے یہاں زیادہ دلکش نظر آرہا تھا۔ ایک کلی کسی سنہری گلدان میں ہونے کی بجائے کسی شاخ میں لگی ہوئی زیادہ موہنی اور دلربا

معلوم ہوتی تھی۔

بہرحال میں تھوڑی دیر اس کے پاس بیٹھا رہا اور اس کے حالات سنتا رہا کہ اتنے میں شام ہوگئی اور میں بچوں کو لیکر واپس مکان پر آگیا۔

دوسرے دن میں پھر بچوں کو لے کر گیا۔ بچے تو پاس ہی کھیلنے لگ گئے لیکن میں نرگس کی محبت میں سرشار تھا اور عاجزانہ اسکی باتیں سننے میں ہمہ تن محو تھا۔ جب اندھیرا ہونے لگا تو میں بچوں کے ہمراہ واپس آگیا۔

اس کے بعد تو میرا معمول ہوگیا کہ شام نرگس کے پاس جاتا۔ اور اس سے ادھر ادھر کی باتیں کیا کرتا۔ وہ میرے ساتھ بڑی خندہ پیشانی سے پیش آتی۔ اور سارا دن گھڑیاں گنتے گنتے گزارتا کہ کب شام ہو اور میں اس کے پاس پہنچوں۔

ایک دن دوپہر کے وقت جبکہ ہمارے گھر کے سب افراد سو گئے تو میرے جی میں آیا کہ چلو نرگس کے پاس چلنا چاہیئے۔ یہ خیال کرتے ہی میں اٹھ کھڑا ہوا۔ اور چند ساعت کے بعد اس کی جھونپڑی میں پہنچ گیا وہ حسب معمول سر جھکائے ہوئے بوریاں بننے میں مشغول تھی۔ مجھ کو دیکھ کر کھڑی ہوگئی اور بڑے تپاک سے چارپائی پر بٹھایا۔ ہم بہت دیر تک آپس میں باتیں کرتے رہے۔ نرگس سے میری محبت ترقی پذیر تھی۔ میں اس پر دیوانے کی طرح فدا تھا۔ مگر چونکہ محبوب کی ہمنشینی حاصل تھی اور اسکے حسن وجمال کا نظارہ میسر تھا۔ اس لئے میرے اندر حرکات وسکنات سے بیقراری کا اظہار نہ ہوتا تھا۔ میری محبت بالکل خاموش تھی اور کسی کو بھی میرے متعلق اس قسم کا کوئی خیال پیدا نہ ہوا۔ بلکہ خود نرگس بھی اس معاملے سے بے خبر تھی۔ ان ایام کے دوران میں میں نے کئی دفعہ ارادہ کیا کہ نرگس پر اپنی محبت کا اظہار کردوں مگر کوئی نہ کوئی ایسا اتفاق ہوتا کہ حرف مطلب زبان پر آکر رک جاتا۔

اس پرکیف زندگی میں میرے دو مہینے گزر گئے۔ میٹرک سے آگے تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ تو تھا نہیں۔ بلکہ ایک نوکری پر امیدوار کی صورت میں درخواست دے کر آیا تھا۔ اس لئے میں نے نوکری کے ملنے تک چھوٹ جانے پر یہیں رہنے کو ترجیح دی۔

غرضیکہ میرے دل میں خیالات کا ایک طوفان موجزن رہتا تھا۔ میرا دل نرگس کے سوا کسی چیز کو نہیں چاہتا تھا۔ میرے دل میں شب و روز یہی خیال تھا کہ نرگس کے سامنے اظہار محبت کروں لیکن پھر کوئی ایسا قیاس آجاتا جس سے کہ میرا مقصد پردۂ دل میں ہی پوشیدہ ہوکر رہ جاتا۔

لیکن ہونے والی بات بن ہوئے نہیں رہتی۔ مجھے اس کے پاس بیٹھے آدھ گھنٹہ نہیں گزرا ہوگا کہ باتوں ہی باتوں میں میں نے اس سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہوئے شادی کے متعلق عرض کیا یہ بات کیا تھی۔ ایک مصیبت کا پہاڑ تھا۔ جو کہ یکدم مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ نرگس غضبناک ہوکر بولی۔ کیوں بہکی بہکی باتیں کرتے ہو۔ پاگل تو نہیں ہوگئے۔ کیا مجھے تیرے ساتھ ہمکلام ہونے کا یہی ثمرہ ملنا تھا افسوس ——— یہ بات کہکر وہ خاموش ہوگئی۔ اور میری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ میں دل ہی دل میں پشیمان ہورہا تھا اور اندر ہی اندر غم کھا رہا تھا۔ میرے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا طوفان ہوسکتا تھا۔ اس دن میرا سب کچھ برباد ہوگیا اور ساری کائنات مجھے فنا نظر آنے لگی۔ آخر مرتا کیا نہ کرتا۔ چاروناچار نہایت مایوسی اور پشیمانی کے ساتھ گھر آیا۔ کچھ سدھ بدھ کی نہ رہی۔ اس دن شام کے وقت بچوں کے ساتھ نرگس کے پاس جانا بھی ناگوار معلوم ہوا اور شام کا کھانا بھی اسی غم کی وجہ سے حلق سے نیچے نہ اتر سکا۔ رات تارے گن گن کر گزار دی اور سارا دن اسی کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھرتی رہی۔

خدا خدا کرکے شام ہوئی اور دل کو تسکین دیتے ہوئے بچوں کو ساتھ لے کر نرگس کی جھونپڑی میں پہنچا۔ کیونکہ مجھے مایوسی کی دھیمی دھیمی تاریکی میں امید کی جھلک نظر آرہی تھی۔ (باقی)

زمزمۂ تغزّل

جناب مولانا خدا بخش صاحب اظہر امرتسری رکنِ ادارۂ "زمیندار" لاہور

جو فسانۂ غمِ عاشقی سرِ بزم میں نے سنا دیا
کسی سنگدل کو ہنسا دیا کسی دل جلے کو رُلا دیا

مری کیا ہے ہستی و نیستی کہ ہیں وہ چراغِ ملال ہم
جسے سوزِ دل نے جلا دیا جسے بادِ غم نے بجھا دیا

یہ جہاں کی بود و نبود ہے کہ تری رضا کا ہی مشغلہ
جو کرم نے تیرے بنا دیا تو غضب نے تیرے مٹا دیا

مرے دل میں حشر بدوش تھا ہی ایک نغمۂ آرزو
جسے سازِ نالہ ہیں ہم نشیں سرِ بزم میں نے سنا دیا

یہ طلوعِ صبحِ جمال ہے جو تڑپ رہی ہیں تجلّیاں
دلِ اضطراب فزا سنبھل! کہ حجاب اس نے اُٹھا دیا

اُسے رشکِ غیر سے واسطہ! جسے تیری محفلِ ناز پر
کبھی ضعفِ دل نے بٹھا دیا کبھی دردِ دل نے اٹھا دیا

یہ مرا فروغِ عبودیت یہ مرے نیاز کی روشنی
کہ جبیں آستانے پہ میں جھکا اسے جلوہ زار بنا دیا

موٹر والی ہو

مرزا محمد اسلم بیگ نسیم مدیر معاون "دلگداز" لاہور

(گذشتہ سے پیوستہ)

"اگر ہماری تمام زندگی ایسی ہی سادہ، پُرکیف ہوتی۔ جیسے یہ رقص ہے تو کیا ہی لطف ہوتا!" اس نے کہا

"تو کیا آپ کی زندگی ایسی پرکیف نہیں ہے؟" بل نے مسکراتے ہوئے پوچھا "ایک سوال کا جواب ایسے ایسے خوبصورت لباس اور ہر وقت خوشی کی زندگی! ——— ایک لڑکی کی اس سے زیادہ اور کیا خواہش ہو سکتی ہے؟"

"مجھے حیرت ہے" اس نے کچھ پیچیدہ الفاظ میں کہا اور اس کی آنکھیں باہر باغ کی طرف اٹھ گئیں جن پر چاند نے ایک نورانی چادر بچھائی ہوئی تھی۔ گویا کہ وہ اپنے جواب کو وہاں ——— ان نورانی باغوں میں تلاش کر رہی ہے۔

بل کی نظریں بھی اس کے تعاقب میں باغ کی طرف پھر گئیں۔

"چلو ذرا باغ کی سیر کر آئیں۔ صرف تھوڑی دیر کے لئے" اس نے درخواست کی "آج کوئی سردی بھی نہیں ہے۔ اور یہ وقت تمام دن سے زیادہ خوشنما اور خوشگوار ہے۔"

وہ تھوڑی دیر کے لئے جھجکی پھر اس نے اثبات میں سر ہلایا "بہت اچھا۔ ذرا ٹھہریئے۔ میں اپنا کوٹ لے آؤں۔ اور پھر چلتے ہیں صرف چند منٹ کے لئے۔"

یہ چند منٹ بڑھتے بڑھتے ایک گھنٹے تک پہنچ گئے۔ اور وہ دونو تاروں بھرے آسمان کے نیچے آوارہ گردی کرتے رہے۔

اب آخری لمحات تھیں آ کر بل کو یہ احساس ہوا کہ اس نے حد سے بڑھ کر گو اس کی ہے۔ اور بڑے نہایت سکون سے اسکی تمام باتیں سنتی رہی۔ اس نے چالاکی سے دو تین سوالوں میں ہی بل کی تمام حیثیت معلوم کر لی۔ اس نے کرید کرید کر بل سے سب کچھ پوچھ لیا کہ وہ کیا کام کرتا ہے۔ اسے قیام زندگی میں کن کن مشکلوں اور شقتوں سے دوچار ہونا پڑا ہے اور دنیا میں اسکی خواہشات کیا کیا ہیں۔ بل بھی بڑے بھولے پن سے اسے وہ سب کچھ بتا گیا جو اس نے پہلے کسی کو نہیں بتایا تھا۔

"او ہو! خدا کی قسم" اس نے آخر کار کہا "آپ تو اس تمام گفتگو سے تنگ آ گئی ہونگی۔ مجھے سخت افسوس ہے لیکن کرنا ہے تو بار بار گستاخ آپ نے تو مجھے بالکل بھلا دیا کہ میں کس قدر گستاخ ہوتا جا رہا ہوں ———"

"مجھے امید ہے کہ آپ ہمیشہ ہی ایسی بھول کرتے رہا کریں گے ——— صرف میرے معاملے میں" اس نے آہستہ سے کہا "لیکن اب ہمیں اندر چلنا چاہیئے۔ میں پھر ایک مرتبہ رقص میں شریک ہونا چاہتی ہوں"

"کیا میرے ساتھ؟" بل نے بے صبری سے پوچھا

"ہاں آپ کے ساتھ ——— اگر آپ چاہیں"

بل تو خدا کی طرف سے ہی یہ چاہتا تھا لیکن بدقسمتی سے مسٹر ونگ یہ نہیں چاہتا تھا۔ وہ جب اندر آئے تو وہ انہیں کی انتظار میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا پارہ حرارت انتہا تک پہنچا ہوا تھا۔

اور وہ حیران ہو رہا تھا کہ کیا میں اپنے سیکرٹری کو ہفتے میں چھ پونڈ اسی لئے تنخواہ دیتا ہوں کہ وہ ہوٹل کی حسین ترین لڑکی کے ساتھ محو گلگشت و عشرت رہے!

"ابو! میں تمہاری ہی راہ دیکھ رہا تھا" اس نے کرخت لہجے میں کہا "مجھے ابھی یاد آیا ہے کہ سمتھ سنز کے لئے اس تخمینہ والی کاپی کی ایک اور نقل چاہیئے۔ تم ابھی اُوپر جاؤ اور بڑی مہربانی اس کی ایک اور نقل ٹائپ کر کے فوراً لے آؤ"

اور جب بل تعمیل کے لئے مڑا تو مسٹر ونگ اوڈرے کی طرف متوجہ ہوا اور کہا "مس ونٹر! رات ناچ کا وعدہ یاد ہے جو آپ نے میرے ساتھ کیا تھا؟"

"ہاں ہاں۔ مجھے یاد ہے مسٹر ونگ"!

اس نے بل کی طرف بے پروائی سے شب بخیر کہنے کے لئے غلط انداز نظر ڈالی اور اپنا ہاتھ مسٹر ونگ کے بازو پر رکھ کر ناچ میں مصروف ہو گئی۔ بیچارہ سیکرٹری نہایت اداس اور مایوس ہو کر سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔

لیکن ابھی وہ اپنے کمرے تک نہیں پہنچا تھا کہ اسے اپنے پیچھے کسی کے نہایت جلدی جلدی سیڑھیاں چڑھنے کی آواز آئی۔ یہ اوڈرے تھی۔ اسکی سانس پھولی ہوئی تھی اور چہرہ دوڑنے سے سرخ ہو رہا تھا۔

"میں اپنا کوٹ اوپر چھوڑنے کے لئے آئی تھی" اس نے ہانپتے ہوئے کہا اور پھر جلدی میں اس نے کہا "میں کہتی ہوں کیا آپ ہر روز صبح ناشتے سے پہلے سیر کو جایا کرتے ہیں؟"

"ہاں! ہر روز"

"میں بھی جایا کرتی ہوں ـــــ تو نے آٹھ بجے اچھا شب بخیر بل!"

وہ جا چکی تھی۔ لیکن جب بل بیٹھا ہوا ٹائپ کر رہا تھا۔ اسکی وہ اداسی اور مایوسی خوشی اور مسرت میں تبدیل ہو چکی تھی......

......"آج میں کیسا خوش نصیب ہوں اس نے اپنے آپ سے کہا اس نے مجھے بل کہکر پکارا ہے"!

دوسرے ہفتے کے دوران میں بل کبھی تو نہایت ہی خوش ہوتا تھا۔ اور کبھی نہایت ہی غمگین اور کبھی تو وہ خود بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ خوش ہے یا غمگین۔

اوڈرے نے بھی کرسمس کے بعد تک گذروین میں ٹھہرنا تھا اور ہر روز بل پہلے سے زیادہ اسکی زلف کا اسیر ہوتا جاتا تھا۔ اگرچہ اوڈرے کا طرز عمل اور اس کے تخیلات واحساسات اس کے نزدیک بالکل ایک معمہ تھے۔

اس چیز میں غیر معمولی یہ بات تھی کہ بل کے خیال میں وہاں وہ اوڈرے نہیں جن کے درمیان زمین و آسمان کا فرق تھا۔

ایک تو وہ اوڈرے تھی جو ہر روز چپکے سے اس کے ساتھ سیر کے لئے نکل جایا کرتی تھی وہ اوڈرے جو کبھی کبھی عصر کے وقت اس کے ساتھ سمندری جانوروں کے گھونسلے دیکھنے کے لئے ساحل پر بھی جاتی رہتی تھی وہ اوڈرے جو رقص گاہ سے کھسک کر رات کے وقت اس کے ساتھ سمندر کا آخری نظارہ کرنے کے لئے پھرا کرتی تھی۔

یہ اوڈرے ایک بے تکلف خوش باش اور دوستی کے قابل ننھی منھی لڑکی تھی جس کو کبھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ اسکے کپڑے میلے ہو جائیں گے۔ وہ کتابوں۔ پھولوں۔ کتوں اور ہر اس چیز کے متعلق باتیں کیا کرتی جو بل کے نزدیک پسندیدہ تھی۔ اور جب بل اس اوڈرے کے ساتھ ہوتا تو وہ بعض اوقات سنہرے خواب دیکھا کرتا ـــــ ایسے خواب جس میں اسے تیس شلنگ ہفتہ تنخواہ اور دو موٹے تازے کتے نظر آیا کرتے اور اوڈرے خود باورچی خانے کے کپڑے پہنے کھانے کے لئے لذیذ چیزیں پکاتے

ہوئے دکھائی دیتی۔

لیکن بدقسمتی سے اس کے برعکس ایک دوسری اوڈرے بھی تھی ایسی اوڈرے نہایت بیش قیمت کپڑے پہننے والی تھی ہیلمیس سٹیلیس اور ہوٹل کے دوسرے امیر ترین آدمی اس کے دوست تھے جو مسٹر ونگ جیسے بھدے آدمی کے ساتھ ناچ کر بڑی خوش اور مسرور دکھائی دیتی تھی۔ اور جس کے پاس اپنی ایک اعلیٰ درجے کی اسوالو کار بھی تھی۔

بعض اوقات اسے محسوس ہوتا کہ وہ اس وسیع و عریض دنیا کی ہر چیز سے زیادہ اس سوالو کار سے نفرت کرتا ہے اوڈرے جب بھی یہی کار کو باہر نکالتی تو اس کے گرد ایک ہجوم اکٹھا کر لیتی جو اس کی تعریفوں کے پل باندھ رہا ہوتا تھا لیکن جسے دیکھتے ہی بل نہایت آزردہ اور غمگین ہو جاتا تھا کیونکہ اسے یہ محسوس ہوتا کہ یہی وہ کار ہے جو اوڈرے کو ایک غریب جفاکش اور چھ پونڈ ہفتہ تنخواہ پانیوالے غریب کنگر ڈی سے کوسوں دور۔ کسی اور ہی دنیا میں لے جا کر پھینک دیتی ہے۔

حالات کرسمس تک اسی طرح غیر تسلی بخش رہے۔ یہانتک کہ کرسمس کی شام کو لگزوریس کی طرف سے بڑے زبردست ناچ کا انتظام کیا گیا۔ اس تقریب کے لئے بڑے وسیع پیمانے پر تیاریاں کی جارہی تھیں۔ میلوں دور دور سے لوگ آرہے تھے۔ ناچ صبح چار بجے تک رہنا تھا اور تمام میدانوں میں آتشبازی چھوڑنے کا بڑا انتظام کیا گیا تھا۔ باورچی خانے میں تمام خانساماں وغیرہ صبح سے شام تک مصروف تھے۔

بل اس ناچ کے متعلق پہلے ہی خیال کے گھوڑے دوڑا رہا تھا سمر فیلڈ میں مسٹر ونگ کا کام ختم ہو چکا تھا اور بل اب کرسمس تک کے لئے اپنے خرچ پر ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اس لئے اب اسے کوئی فکر نہ تھی کہ وہ عین ناچ کے درمیان آکر اسے اس طرح کسی کام کے لئے بھیج دے گا۔ جیسے کوئی سکول کا سٹر لڑکا کا ہوتا ہے۔

اوڈرے نے نصف پروگرام تک اس کے ساتھ رہنے کا وعدہ کیا ہوا تھا بل کو امید کی تھوڑی سی جھلک نظر آرہی تھی وہ سوچتا تھا کہ شاید ممکن ہے۔ جب ہم کسی اکانت میں بیٹھیں تو میں اسکے دل میں یہ بات ڈال سکوں کہ ایک غریب آدمی کی بیوی ہونا کوئی عیب نہیں —— بشرطیکہ تمہیں آدمی نیک مل گیا ہو۔

لیکن معاملات اس طرح ظہور پذیر نہ ہوئے جس طرح بل امیدوں کے قلعے استوار کر رہا تھا۔

ناچ کے پہلے تین وقفوں کے درمیان تو اوڈرے بڑی خوش باش تھی اور وہ بڑی خوشی سے بخارچہ میں آکر اکانت میں بیٹھنے پر رضامند ہو گئی لیکن جب بل گفتگو کو محبت کے موضوع کی طرف لانے لگتا تو وہ اس کے اظہار محبت کو اسکے کام کاج کی باتوں میں غرق کر دیتی اور اس کے کام کے متعلق پوچھتی ہوئی فوراً اس کے مالک کے حالات دریافت کرنے لگ جاتی۔

لعنت ہے مسٹر ونگ پر بل نے تنگ آکر دل میں کہا وہ آج اسکے متعلق کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتا تھا وہ جانتا تھا کہ مسٹر ونگ اوڈرے کی بڑی تعریف وستایش کیا کرتا ہے جس طرح وہ ہر دوسری حسین لڑکی کی تعریف کرتا ہے لیکن اسے بھول کر بھی خیال نہیں ہو سکتا تھا کہ اوڈرے بھی اس میں اس قدر دلچسپی لیتی ہوگی۔ اس نے سوچا کہ اس تمام معاملے کو ہی دفع کرنا چاہئے۔ جس طریقے سے یہ مجھ سے اس کے متعلق گفتگو کر رہی ہے۔ اس سے تو صاف ظاہر ہے۔ کہ یہ اس پر دالہ و شیدا ہے۔

"بل! مسٹر ونگ نے یہاں اپنا کام ختم کر لیا ہے؟" اوڈرے

نے پوچھا۔

"نہوں۔ اس نے آج صبح آخری کاغذات پر دستخط کر دیئے ہیں۔ تو یہ اکرسمس سے پہلے پہلے اس کام کو ختم کرنے کے لئے ہمیں کس قدر دوڑ دھوپ کرنا پڑی۔ اوڈرے اب میں بالکل آزاد ہوں۔ ہاں میں چاہتا ہوں کہ ــــــــ"

"میرا خیال ہے اس کا کاروبار یہاں کامیاب رہا ہوگا؟"

"اوہ ہاں جس کام میں ہلڈنگ ہاتھ ڈالتا ہے بس یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسی کے لئے بنے۔ لیکن آپ یہ تو بتائیں کہ ــــــ"

"بل! میرا خیال ہے وہ بہت بڑا مالدار ہے؟"

"ڈنک؟ اوہ ہاں۔ وہ تو مٹی بھی اٹھاتا ہے تو سونا ہو جاتی ہے۔ لیکن چھوڑو ان باتوں کو۔ دولتمند ہونا کونسی خدائی ہے!"

"بدقسمتی سے اسی میں تو ساری خدائی ہے" اوڈرے نے متانت سے کہا۔

"لیکن اوڈرے تمہارے نزدیک تو ایسا نہیں ہے نا؟" بل نے کچھ بے تابی سے پوچھا اور پھر جب وہ خاموش رہی تو اس نے پھر اسی بات کو دہرایا۔ "اوڈرے! مجھے بتاؤ تم دولت کو تو خدائی نہیں سمجھتی ہو نا! بتاؤ پیاری"۔

اوڈرے نے کچھ تامل کیا پھر کہنے لگی بل! کیا تم یہ جاننا چاہتے ہو کہ میری رائے درحقیقت اور صاف طور پر کیا ہے۔ اور میں کیا چاہتی ہوں؟

"یقیناً"

"اچھا میں نہیں بتاؤں گی ــــ شام کے بعد! اسوقت میں نے رقص گاہ میں فوراً جانا ہے اور اس کے بعد بھی میں نے تمہارے ساتھ ناچنا ہے۔ اس لئے یہ بات مجھ سے پھر پوچھنا"

دوسرے لمحہ میں بل اکیلا تھا نہ ہی وہ خوش تھا اور نہ ہی غمگین یہ سچ ہے اس نے کہا تھا دولت کی تو ساری خدائی ہے لیکن اس نے یہ بھی تو کہا تھا کہ یہ بات مجھ سے پھر پوچھنا اور جب وہ یہ باتیں کر رہی تھی تو اسکی بھوری آنکھوں میں کچھ ایسی جھلک تھی جو اسکے دلمیں امید کا عکس ڈال رہی تھی۔

اسی طرح بل اپنے خوابوں میں مست، باغیچے میں بیٹھا رہا۔ جہاں اوڈرے اسے چھوڑ گئی تھی۔ اس نے بہت سے سگریٹ پھونک ڈالے۔ رقص گاہ سے ترنم اور نغموں اور پرمسرت خوش گپیوں کی آوازیں آ رہی تھیں کاروں کی لمبی قطار جو ہوٹل کے باہر کھڑی تھی عیش پسند جوڑوں کے لئے علیحدہ بیٹھنے کی بہتر جگہ تھی۔ اس جگہ کا نام مذاق کے طور پر کورٹ نائٹ رکھ دیا گیا تھا۔ اس قطار میں سے آہستہ آہستہ باتیں کرنے اور دبے ہوئے قہقہوں کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ لیکن بل کے نزدیک موسیقی یا ناز و نیاز کی باتیں کوئی اہمیت نہ رکھتی تھیں اس کا دل دور ــــ بہت دور ایک تیس شلنگ ہفتہ پانے والی باورچی خانہ کے کپڑوں میں ملبوس چھوٹی سی ہستی کے تصور میں ہمہ تن مستغرق تھا۔

اچانک وہ یہ خیال آتے ہی چونک پڑا کہ یہ وقت اوڈرے کے ساتھ دوسری مرتبہ ناچنے کا ہے اور وہ اسکی تلاش میں رقص گاہ کی طرف بھاگا اسے امید تھی کہ وہ زیادہ دیر سے اسکی انتظار نہیں کر رہی ہوگی۔ لیکن وہ شاید پھر بھی اسے معاف کر دے گی اگر اسے یہ معلوم ہو گیا کہ وہ اسی کے تخیلات میں محو تھا۔ (باقی باقی)

تصحیح

ماہ جولائی میں حضرت رفیقی کی غزل بعنوان آئینہ غم دل چھپی ہے اس کا پہلا مصرع یوں صحیح ہے ناظرین اصلاح فرمالیں۔

یاد ہے اس کی مری چشم تصور کی دنیا

تصویر یاس

حضرت رفیق عزیزی مدیر "کامیاب" دہلی

"تو ہی کہدے بیخودی کی بات اب کیونکر بنے؟
تجھ پہ وہ ایمان کیا لائے کہ خود کافر بنے"

صورتِ حرماں، ہجوم آرزو، تصویر شوق
یہ وہ نقشے ہیں کہ جو کم تر مٹے اکثر بنے

تو جو آجائے کبھی گلشن میں، اے جانِ بہار
ہر کلی مینا بنے، ہر پھول اِک ساغر بنے

دل وہی دل ہے جو ٹھہرے تیری جلوہ گاہ شوق
سر وہی سر ہے جو آخر تیرا سنگِ در بنے

اُف رے! یہ اعجاز دردِ عشق، یہ معراجِ اشک
آنکھ بھر کر دیکھ لوں جسکو وہ چشم تر بنے

اک تصور سے ہوئی پیدا یہ آب و تاب عشق
جس قدر فرقت کی شب آنسو بہے گوہر بنے

اِس طرح رودادِ الفت کیا سناؤں میں رفیق
مُنہ سے نکلے بات تو اکثر مرے دم پر بنے

ایک خاص خط کی نقل

مرسلہ مولانا محمد نقی از گجرات

(لفظ بلفظ بلا ترمیم)

گذشتہ سے پیوستہ

جب تو ہماری قبروں کے پاس کھڑا ہوا حسرت سے کہہ رہا ہوگا! — کہ مجھے افسوس یہ معلوم نہ تھا کہ یہ تھوڑے ہی دن ٹھیرنے والے ہیں۔ کاشکے مجھے اس وقت معلوم ہوتا تو ان چند روزہ خدمت سے میں اپنی دین دنیا سنوار لیتا — پر خوب یاد رکھ اس وقت اگر تو ہماری قبروں کو سونے سے بھی مڑھ دے گا تو بھی تجھے کچھ فائدہ نہ ہوگا — اے لخت جگر! ہم تو چراغ سحری ہیں۔ آج مرے کل دوسرا دن — پھر تو ہوگا۔ تیری بی بی ہوگی۔ تیری دولت ہوگی۔ اور دنیا جہان کے کارخانے ہوں گے — ہم تجھ سے اتنی دور ہوں گے کہ ہماری ہوا بھی تجھ تک نہ پہنچیگی — پیارے نسیم ہمارا مطلب تو صرف اسقدر ہے کہ آہ! دین و دنیا دونوں میں تو سرخرو ہو۔ اگر اپنی چہیتی بیوی کو تو تیلی میں جگہ دیتا ہے۔ تو اپنے بوڑھے اور غمزدہ ماں باپ کو جن کی زندگی کا ہر لمحہ تیری خدمت میں صرف ہوا — اپنی چشم کے کسی گوشے میں جگہ دے۔ اور ان ناتوان جسموں کو بے چین نہ کر۔ جن کا ہر ذرہ تیرے چین پر فدا ہونے کو تیار ہے — ان چند روزہ اور پھر ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جانے والے مہمانوں کو اپنے دسترخوان لطف سے بے دردی و بے مروتی سے اٹھا نہ دے۔

نسیم! تجھے معلوم نہیں کہ جب تو لاہور کالج میں پڑھنے کے لئے گیا۔ تو تیری ماں راتوں اٹھ اٹھ کر خدا کے حضور کس طرح اپنا سفید سر ننگا کر کے اور ہاتھوں کو پھیلا پھیلا کر کس درد و زاری سے دعائیں مانگا کرتی — الٰہی میرا نسیم تیرے سپرد ہے اس کو پاس کیجیو۔ جہان میں ممتاز کیجیو۔ دین اور دنیا میں سرفراز کیجیو۔ اس کی درد بھری آواز پر — آسمان کے فرشتے بھی — آمین! — آمین! پکار اٹھتے۔ تمکو نہیں معلوم کہ تمہارا یہ بوڑھا باپ — جس کو اب تم ایک جسم ناکارہ سمجھتے ہو۔ راتوں کس خیال میں بے آرام اور دنوں کس فکر میں بے چین رہا۔ آہ! وہ تمہاری خورد و نوش اور رہائش اور آسائش کا فکر تھا۔ خدا کی قسم — ہر وقت یہی چینتا دامنگیر تھی کہ تمہارا ماہواری خرچ تمہیں باقاعدہ دیتے۔ چاہے گھر میں ہمیں دو دو وقت فاقہ ہی کیوں نہ آئے۔ پر تمکو روپیہ پیسہ کی طرف سے کوئی زحمت پیش نہ آئے۔ مگر یہ سب کاوشیں ہم کو راحت معلوم ہوتی تھیں۔ اس خیال سے کہ کل جب ہماری ہڈیاں بھربھری ہو جائینگی — اور قوت بازو جواب دے جائے گی۔ تو اس وقت تو اپنے پیار اور محبت کے بازو سے ہمارا اعصائے پیری ہوگا۔ جب ہماری آنکھوں کی روشنی کم ہونے لگیگی۔ تو تو اپنی ملائمت اور نرم گفتاری کی مشعل لیکر ہمارے اندھیرے گھر کا چراغ ہوگا۔ (باقی)

اقتصادیات

کلیدِ تجارت

عبدالمجید شمیم مدیر

(گذشتہ سے پیوستہ)

ضروریاتِ زندگی

ہر کہ ومہ مسلم و غیر مسلم، منکر و مشرک پر یہ بات اچھی طرح روشن ہے کہ زندگی کے درخت کے بڑھنے کے کچھ نہ کچھ اسباب ضرور ہیں۔ وہ اسباب ہی ہیں جو وجود کی دنیا میں رفتہ رفتہ پروان چڑھاتے ہیں۔ شیر خوارگی۔ طفولیت۔ شباب اور پیری کے عوالم دیکھتے ہیں۔ اگر بالغور ہم اپنی حیاتِ مستعار کے مدارج ابتدا سے انتہا پر ایک چھپتی ہوئی نگاہ ڈالیں تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ جوں جوں ہم بڑھتے گئے ہماری ضروریات بھی بڑھتی گئیں۔

شیر خوارگی۔ پیدائش کے وقت اور اس کے کچھ عرصہ بعد ہماری زندگی کا انحصار دودھ پر تھا جسم کی عریانی۔ لباس کی پاکیزگی و صفائی۔ نوع بہ نوع غذائیں۔ ملبوساتِ رنگا رنگ وغیرہ وغیرہ بعد کی چیزیں ہیں۔ بتدریج ہماری جسمانی ترقی بھی ہونے لگی اور ضروریات کی رفتار میں بھی عسر پیدا ہوئی۔

طفولیت۔ تحصیلِ علم۔ ہنر آموزی۔ دوکانداری۔ لہو و لعب۔ تہواروں میں شمولیت کا احساس۔ والدین کی اطاعت

شباب۔ شراب خوری۔ حلال خوری۔ شادی۔ اطفال کی پرورش وغیرہ۔

پیری یا بالفاظِ دیگر محتاجی۔ اولاد جوان ہو کر برسرِ کار ہوتی ہے۔ والدین انکی نیکی اور بدی کے نگہبان اور اُن کے دستِ نگر۔

مندرجہ بالا سطور کے بیان کرنے کا مقصد و مفہوم یہ ہے کہ انسان ضروریات کا پتلا ہے۔ اگر ایک انسان کو دوسرے انسان سے حاجت روائی کا جو رشتہ اور تسلسل قدرت کیطرف سے ہے نہ ہو۔ تو کوئی انسان بھی ہمدردی۔ اپنایت اور محبت کا قائل نہ رہے۔

محنت و مشقت

ضروریات کے رفع کرنے کے لئے دولت لازم و لابد ہے اور دولت محنت و مشقت سے پیدا ہوتی ہے۔ محنت و مشقت کا حاصل ضروریات کی تکمیل ہے۔ مشقت مختلف اقسام کی ہے۔ زراعت کرنا۔ تجارت کرنا۔ ملازمت کرنا۔ بوجھ اٹھانا۔ جہاز چلانا۔ جوا کھیلنا۔ پہاڑ کاٹنا۔ برتن بنانا۔ چوکیداری کرنا وغیرہ وغیرہ۔ مگر ہر قسم کی محنت و مزدوری کا ماحصل احتیاج کی کفالت ہے

دنیا کا ہر انسان اپنی حسب توفیق محنت کرتا ہے۔ کچھ ہُنر سے
کام کرتے ہیں کچھ پیشے۔ بغیر کئے گزر ہونا محال ہے۔ بادشاہ سے
لے کر غریب مزدور تک مشقت اٹھاتے ہیں جیسی کوئی مشقت
کرتا ہے ویسا پھل پاتا ہے۔

ایک دانا زمیندار جنگل کاٹتا ہے۔ زمین کی اونچائی نیچائی
درست کرتا ہے۔ خاردار درخت اکھاڑتا ہے۔ ہل وغیرہ ڈال ڈال
کر اُسے قابل کاشت بناتا ہے۔ نہ رات کو سوتا اور دن کو آرام
کرتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ دن قریب آجاتا ہے کہ محنت کا ثمر پائے۔ ؎

نامی بغیر کوئی مشقت نہیں ہوا
سو بار جب عقیق کٹا تب نگیں ہوا

اسی طرح ایک بادشاہ اپنی جاہل رعایا کو صرف اس لئے
مہذب و متمدن بنانے میں سختی سے کام لے کر تعلیم دلائے
اور سکھائے تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ مفید ثابت ہو۔ یا
کوئی ماں باپ اپنے بچے پر محنت کرے اسے اعلیٰ تعلیم دلائے
خود فاقہ بھی برداشت کرے مگر بچے کے اخراجات پورا کرنے میں
کسی طرح بھی عاجز نہ آئے۔ اور جو تکالیف سدِّ راہ ہوں
ان کو محسوس نہ کرے مگر اس وقت تک جب تک کہ بچہ قابل نہ ہو
جائے ہمت نہ ہارے۔ یہ بھی محنت ہے۔ اور محنت کا منشا
افادہ میں اضافہ ہے۔ یا معاوضہ حاصل کرنا ہے۔

ماں باپ کی توجہات کا مرکز اولاد اور عشاق کے لئے
معشوق قابلِ التفات! والدین احمق نہیں ہوتے۔ ان کی محنت
بھی عبث نہیں ہوتی۔ خاندان کی عزت۔ شہرت اور ضعیفی
میں بدل یا ابدال کے متمنی ہوتے ہیں۔

عشاق بلا سبب روتے۔ چلاتے اور صدمے نہیں
اٹھاتے۔ ان کا ایثار اور ان کی قربانی بھی محنت کے
مفہوم سے خارج نہیں۔

کشتی لڑنا کبڈی کھیلنا ٹینس۔ بیڈمنٹن اور سیر و
تفریح کے لئے جانا۔ یہ سب محنت ہے۔ ان کے بدل میں صحت
قوت اور فرحت نصیب ہوتی ہے۔

کوڑا کرکٹ خس و خاشاک۔ گوبر وغیرہ ناکارہ چیزوں
کا جمع کرنا اور ان سے کھاد پیدا کرنا۔ ہتھوڑا مارنا۔ آرہ کشی
کرنا۔ قلم لکھنا۔ سبق پڑھانا۔ بوجھ اٹھانا سب محنت ہیں گویا
تمام جسمانی اور دماغی کام جو بغرض حصول معاوضہ کئے جائیں
محنت میں داخل ہیں یا بالفاظ دیگر معاشی جد و جہد کہلا
سکتے ہیں۔

اقسامِ محنت

پیدا آور اور غیر پیدا آور

(اوّل) ایسی محنت جس کی تکمیل کے بعد معاوضہ
بدل۔ افادہ خواہ وہ کسی صورت میں ہو بہم پہنچے۔ پیدا
آور محنت کہلاتی ہے اور بالعموم بازارِ معاش میں پیدا آور محنت
کا جذبہ ہی کارفرما نظر آتا ہے

یہ ضروری نہیں کہ محنت کا بدل سیم و زر ہی ہو۔ بلکہ ہر
وہ چیز جس میں عوض و بدل کی قابلیت ہو وہی محنت کا صحیح
بدل ہے۔ اور ایسی تمام چیزیں دولت کہلانے کی مستحق ہیں
اور مبادلہ یا تبادلہ انہیں اشیا کا ہو سکتا ہے جن میں افادہ
اور استبدال دونوں صفات موجود ہوں۔

پانی سے پیاس بجھتی ہے۔ آگ سے گرمی اور روشنی حاصل
ہوتی ہے۔ اسی طرح دنیا کی تمام چیزیں جو خدا نے پیدا کی ہیں
اُن سب سے ایک نہ ایک احتیاج پوری ہوتی ہے اور احتیاج
پورا کرنے کی صلاحیت جو ان چیزوں میں پائی جاتی ہے۔ وہ افادہ
کہلاتی ہے۔ (باقی باقی)

اہلِ تجارت کیلئے جواہرات

جناب نیاز احمد نیاز مہتمم علمی "گداز"

مسٹر بنجمن فرینکلن۔ تمہارا فرض ہے کہ تم خفیف سے خفیف امور کا جن کا اثر تمہارے نام اور عزت پر پڑے لحاظ رکھو اور یاد رکھو تمہاری دوکان کا وقت پر کھلنا۔ تمہارے قرض خواہ کو ایک اور ششماہی کے لئے مطالبہ سے روک سکتا ہے لیکن جب تمہیں وہ غافل اور لہو ولعب میں دیکھے گا تو وہ اپنا قرضہ فوراً وصول کرنے کی کوشش کرے گا۔

۲۔ محنت کے بغیر کمائی نہیں ہو سکتی۔ دوکاندار کی جائداد اور اسکی دوکان پیشہ ور کا پیشہ ہی اسکی دولت اور عزت کا سرچشمہ ہے لیکن یہ ضرورت ہے کہ ہر کام محنت اور سرگرمی سے کیا جائے۔ محنت دولت کی ماں ہے اور محنت سے تمام برکتیں حاصل ہوتی ہیں۔

۳۔ آج محنت اور کام سے جی نہ چراؤ۔ کیونکہ کل کی کاوشوں کی کسی کو خبر نہیں ہوتی۔

مسٹر ہنٹ۔ ۱۔ تمہاری دانائی اسی میں ہے کہ تم تھوڑے خرچ سے زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ مگر شرط یہ ہے کہ ایمانداری بھی قائم رہے

۲۔ جب کام کو شروع کرو۔ اسکے ختم کرنے کا مصمم ارادہ کرلو۔ اور جب کسی کام کو ایک دفعہ سوچ سمجھ کر پسند کرچکو تو اسمیں کمال حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ اور یاد رکھو تمام مشکلات محنت اور استقلال سے حل ہو سکتی ہیں۔

۳۔ اپنے ہاتھوں سے کام کرنے میں عار نہ سمجھو۔ بلی دستانے پہنے ہوئے ہرگز شکار نہیں پکڑ سکتی۔

۴۔ اپنے کاروبار کیطرف پورا پورا دھیان دو۔ اور اسے دوسروں پر مت چھوڑو۔

۵۔ کفایت شعار بنو اور یاد رکھو کہ مٹی سے مٹکا نہیں بن سکتا۔ اس سے پیالہ تو بن سکتا ہے۔

۶۔ سادگی کو اختیار کرو۔ وہ جو لذات او عیاشی و عشرت میں پڑتے ہیں ایک دن ضرور نادار ہو جاتے ہیں۔

۷۔ علی الصبح اٹھو۔ کیونکہ خفتہ گیدڑ کبھی مرغی نہیں پکڑ سکتا۔

۸۔ ہر ایک سے مودبانہ پیش آؤ۔ کیونکہ خوش اخلاقی سے سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے حالانکہ اس پر کچھ خرچ نہیں آتا۔

۹۔ نیک چال چلن کامیابی کے زینہ کی پہلی سیڑھی ہے

۱۰۔ کبھی مت امید رکھو کہ بغیر محنت کے زر حاصل ہو سکتا ہے۔ جو آدمی مردوں کی جوتیوں کا انتظار کرتا ہے اسے کئی دن ننگے پاؤں رہنا پڑتا ہے۔

۱۱۔ کبھی مایوس مت ہو اور نہ ہی ہمت کو ہاتھ سے دو۔ کیونکہ خدا ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی آپ مدد کرتے ہیں۔ اگر تم ان ہدایتوں پر عمل کرو۔ تو پھر کوئی امر تمہارے دولتمند بننے میں مانع نہیں ہو سکتا۔

مسٹر لارنس۔ راستگی اور پاکیزگی اپنا اصول بنائے رکھو۔ دین او دنیا میں سرخروئی حاصل کرنے کے صرف یہی دو راستے ہیں۔ جو کام کرو وہ ایسا ہو کہ اس کے ظاہر کرنے میں

تمہیں بندوں اور خدا کے سامنے شرمسار نہ ہونا پڑے

مسٹر ولیم آرتھر۔ تم ہمیشہ ایسی روش اختیار کرو جس سے عام لوگوں کو فائدہ پہنچے۔ اور ان میں تمہاری عزت و ناموری ہو۔ اور جب اس مطلب کے لئے تمہارا کسی کے ساتھ مقابلہ آن پڑے۔ تو کسی کمینہ طریق کو ہرگز اختیار نہ کرو۔ کیونکہ کمینہ پن ناکامیابی سے بھی بدتر ہے۔

مسٹر واشنگٹن۔ اس کام کو ہاتھ مت لگاؤ جو تم سے نہ ہو سکے اور نہ ہی ایسا کرو۔ جو تم سے پورا نہ ہو سکے۔

مسٹر جان ویزلی۔ جہاں تک ہو سکے کماؤ۔ جہاں تک ممکن ہو بچاؤ۔ اور جہاں تک وسعت ہو سکے خیرات دو کیونکہ کمائی بغیر بچت کے محض بے سود اور رائیگاں ہے۔ اور بچت بغیر خیرات کے حرص اور مادہ پرستی ہے۔ لیکن بچانا اور خیرات کرنا دنیا میں اعلیٰ درجہ کی نیکی ہے۔

مسٹر آرتھر۔ کہا جاتا ہے تجارت ایک ناپاک کام ہے بے شک یہ ناپاک ہاتھوں میں ناپاک کام ہے اور حریصوں کے لئے سامان لالچ۔ تاہم یہ کام ہے۔ جس پر تمام دنیاوی کاروبار کا دارومدار ہے۔

مسٹر ڈیوڈ ریکارڈ

جو موقع ہاتھ لگے اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرو۔

(ترجمہ)

مسلمانوں میں فقدانِ تجارت

عبدالمجید شمیم مدیر

مسلمانوں نے جب سے اسلامی تعلیم و تہذیب سے کنارہ کشی اختیار کی ہے انکی حالت دن بدن رو بہ تنزل ہے۔ معاشیات میں مسلمان صفر ہے اور اسکی معاشی جد و جہد نہایت ناقابل بیان ہے۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمان تجارت کرتے تھے۔ اور ان کا نامور پیشہ تبلیغِ حق کے بعد تجارت ہی تھا۔ رسول اللہ نے بھی تجارت پر زور دیا ہے اور قرآن عظیم بھی تاکید کرتا ہے۔ مگر گمراہ اور بے نصیب مسلمان اپنے مقدس اصولوں سے اس طرح اغماض برت رہا ہے کہ اگر اس کا یہی حال رہا تو عنقریب وہ صفحۂ عالم سے مٹ جائے گا اور ترقی یافتہ، دولتمند اور صاحبِ اقبال قومیں اس طرف دھیان بھی نہیں دینگی کہ کون تھا اور اب کیا ہوا" مستعد اور ہشیار قومیں بے جان قوموں کو روند ڈالتی ہیں تاریخ گواہ ہے۔ اسلئے ہم کو چاہئے کہ ہم اپنے اخراجات کو کم کریں سادہ زندگی بسر کریں عشرت و عیش سے ہاتھ دھو ڈالیں جسقدر ہو سکے جمع کریں۔

ہندوستانی مسلمان کی فاقہ مستی، مفلسی اور تنگدستی اسکی اپنی پیدا کردہ ہے۔ جو کماتا ہے صبح سے شام اور شام سے صبح نہیں ہونے دیتا۔ ڈاکوؤں اور لٹیروں کی طرح اپنی آمدن کو خرچ کے گہرے اور تاریک کنوئیں میں ڈالتا ہے۔ فکرِ فردا کو مہمل سمجھتا ہے۔ دور اندیشی، معاملہ فہمی، تدبر، غور و فکر وغیرہ کو ڈھکوسلے جانتا ہے اور ہر دم "پدرم سلطان بود" کی رٹ لگاتا ہوا گھر کی چار دیواری تک کو ہضم کر جاتا ہے۔

احباب کی محفلوں میں جب تفریح و تعیش کی خاطر اطلس اور کمخواب کے گدیلوں اور تکیوں سے ٹیک لگا کر بیٹھتا ہے تو مسرت کے نشہ میں اسقدر سرشار ہوتا ہے کہ وہیں بیٹھے بیٹھے ایک ماہ کی پیشگی تنخواہ صرف کر دیتا ہے۔ جو بالکل حرام جاتی ہے۔ اس طرح وہ امنگ و ترنگ کی زندگی گزارتا ہوا جائز مستحقین کے حقوق کو مے و مینا اور ناچ و گانے کی بھینٹ چڑھا دیتا ہے اور مونچھوں پر تاؤ دے کر فخریہ کہتا ہے۔ سہ

نو روز و نو بہار و مے و دلربا خوش است
بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

مسلمان نے دولت کے صرف ایک ہی پہلو پر نظر ڈالی ہے۔ خرچ کرنا سیکھا ہے اور بچانا بھول گیا ہے۔ حالانکہ بادشاہ خرچ اور جمع دولت کے دونوں پہلوؤں پر کافی غور و خوض کرتے ہیں۔ اکثر عہدِ حاضر کی چند روشن مثالیں ایسی موجود ہیں اور وہ بھی بیرون ملک نہیں بلکہ ہندوستان میں۔ فضول اور بے جا خرچ کرنے والے مہاراجوں اور نوابوں کا حسرت ناک انجام قابلِ عبرت ہے۔

کسی دانا نے کیا خوب کہا ہے کہ "گدھوں کی طرح کماؤ اور بادشاہوں کی طرح خرچ کرو" جو ریاست یا سلطنت تمام آمدن صرف کر دے وہ بہت جلد تباہ ہو جاتی ہے۔ شاہی خزانے جس تاجدار نے چٹ کئے گویا اس نے اپنی اور رعایا کی ترقی اور عزت کو ہمیشہ کے لئے فنا کر دیا۔

صاحب علم طبقہ ریاستوں کے فرمانرواؤں کے نیک و بد حالات سے کما حقہٗ واقف ہے۔ منجملہ بہت کم ایسے ہیں جو رعایا کے حقیقی خیر خواہ ہیں۔ ورنہ کثرت و بہتات عیش پسندوں اور نفس پرستوں کی ہے۔ اہل اسلام کو چاہیئے کہ وہ اپنی خواہشات کو اس حد تک وسعت دیں کہ بعد میں "نیلام گھر" میں ان کا اثاثہ کوڑیوں کے مول بکتا نظر نہ آئے۔ کیا خوب کسی نے کہا ہے۔ کہ "داشتہ آید بکار" اور جو شخص صرف اس اصول کے ماتحت گزر اوقات کرنے کی اپنے آپ میں قابلیت پیدا کر لے وہ کبھی محتاجی اور غریبی کے چنگل میں نہیں پھنس سکتا۔

یہ تماشا گاہ حیات جس میں حضرت انسان کا لاؤلشکر پڑے کروفر اور شان و شکوہ سے خدائی نعمتوں کو اپنے لئے مخصوص قرار دے چکا ہے اس کیہاں سے کامران ہو کر نکلنا بہت مشکل ہے خدائے پاک نے ہمیں ایک دولت "عطا فرمائی جسے "دل" کے نام سے موسوم کیا جائے تو بیجا نہیں۔ اسی دولت سے ہم نے دنیا کے خوبصورت بازاروں سے سودا سلف خریدنا ہے۔ یہ دولت قدرت نے ہر امیر اور غریب کو عطا فرمائی ہے۔ جس شخص کو جو چیز محبوب ہو گی وہ بلا کم و کاست خرید لیگا۔ اگر عوام الناس نے اس دولت عظمیٰ کے محل مصرف کو پہچان لیا تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ گھاٹے میں رہیں۔ عقل و فراست ہر انسان کی اس سلسلے میں رہنمائی کرنے کے لئے تیار ہے کہ جائز و ناجائز مصرف کونسی ہے۔ کس حد تک ہم یہ جان سکتے ہیں کہ نیکی اور بدی میں سے ہمیں کس کا سودا کرنا چاہیئے۔ اکثر اوقات ہم نیکی اور بیشتر اوقات بدی خریدتے ہیں۔ نیکی کے بعد روحانی مسرت نصیب ہوتی ہے جس کے احساس سے کوئی سلیم العقل سر نہیں پھیر سکتا۔ اور بدی کا سودا کرتے وقت "دل" مصر ہوتا ہے۔ نفس کہتا ہے۔ اور بدی خرید چکنے کے بعد عقل و خرد دل ایسی نایاب دولت کے ناجائز اور بیہودہ مصرف پر نفس امارہ کو لعن و طعن کرتی ہے۔ اور انسان اپنے بدن پر ناپاکی کا بار گراں محسوس کرتا ہے اور جب تک پاک و صاف پانی سے ناپاک جسم کو نہ دھو لیا جائے طبیعت میں سکون پیدا نہیں ہوتا۔

پس اسی طرح دنیا کے سجے ہوئے بازاروں سے سودا خریدنے کے لئے اپنی دولت کا ایک دفعہ ضرور جائزہ لے لینا چاہیئے اور ریا۔ فریب اور دھوکہ سے پاک ہو کر کاروبار کرنا چاہیئے

نسائیات

فریاد

محترمہ خورشید جہاں آرا بیگم صاحبہ

اس زمانے میں مسلمانوں کی عزت کیا ہے
کر و فر کونسا ہے منصب و ثروت کیا ہے

کل جو کرتے تھے اخوت کی علمبرداری
آج وہ پوچھتے پھرتے ہیں اخوت کیا ہے

جس سے اسلام کی کھوئی ہوئی عظمت مل جائے
کوئی اتنا تو بتا دے کہ وہ صورت کیا ہے

خواب سے چونک کہ ہے وقتِ سحر اے مسلم
اٹھ کہ دنیا کو دکھا دے کہ شجاعت کیا ہے

مدتوں، دشمنِ اسلام رہے سرگرداں
یہ نہ سمجھے کہ مسلماں کی حقیقت کیا ہے

خوابِ غفلت نے دکھایا ہمیں اپنی یہ دن
کانٹے خود بوئے ہیں دشمن کی شکایت کیا ہے

پہلے تو درسِ اخوت میں ذرا کامل ہو
پھر زمانے کو دکھا دے کہ محبت کیا ہے

پھر وہی ولولے پیدا ہوں دلِ مسلم میں
پھر زمانے کو دکھا دے کہ شجاعت کیا ہے

میرا ایمان پہ مر مٹنا مرا ایماں ہے
جان کی مال کی دنیا میں حقیقت کیا ہے

سٹی مجسٹریٹ

(گذشتہ سے پیوستہ)

محترمہ ادیبہ جلیلہ انور سلطانہ ماہرخ اکبرآبادی

اتنا کہکر رڈلیف چلا گیا اور زبیدہ سوچنے لگی "اگر میں مجسٹریٹ کے ساتھ گئی تو کیا ہوگا؟ یہاں والے کہیں گے بھاگ گئی۔ اب عیسائی ہو جائے گی۔ چلو اچھا ہوگا۔ پھر تو میرا بہنوئی پیچھا چھوڑ دے گا۔ میرے ماں باپ مر گئے۔ رشتے کنبے کا کوئی باقی نہیں جس کی عزت کا خیال کروں۔ اپنی عزت کی حفاظت یہ تو میری جان کے ساتھ ہے۔ میرا دل صاف ہے اور انشاء اللہ رہیگا میری تربیت ایسے صحیح اصول پر ہوئی ہے کہ لغزش کا امکان نہیں"

زبیدہ کو اپنے چاروں طرف اندھیرا نظر آرہا تھا۔ تمام ملنے جلنے والوں کو اس کا بہنوئی اس کے خلاف کر چکا تھا۔ اس وقت ستمگر کی امداد غنیمت تھی۔ ایک عیسائی کو اپنا مکان کرایہ پر دے کر وہ مجسٹریٹ کے ہمراہ کار پر کاشمیر جانے کے لئے روانہ ہو گئی۔ زبیدہ کو کیا معلوم تھا کہ کیا پیش آنے والا ہے۔ میری قسمت مجھے اور کیا کیا رنگ دکھاتی ہے۔ کار مجسٹریٹ خود چلا رہا تھا کشمیر سے کچھ فاصلے پر موٹر ایک بستی میں سے گزر رہی تھی کہ سڑک کو پار کرتا ہوا ایک مسلمان موٹر کی جھپٹ میں آگیا۔ داہنے ہاتھ اور داہنے پاؤں کو بہت ضرب پہنچی مجسٹریٹ نے موٹر روک لی۔ چاروں موٹر میں سے اترے غریب بے بس زخمی زمین پر پڑا تھا۔ زبیدہ کو ایسا محسوس ہوا گویا یہ موٹر اس بے نوا پر نہیں بلکہ اس کے دل پر رواں ہوئی ہے۔ زخمی نے قہر آلود نگاہوں سے مجسٹریٹ کو دیکھا

اور مجسٹریٹ نے غریب کو ایک لات رسید کی۔ زبیدہ بت کی طرح اب تک کھڑی اس کے تازہ خون کو بہتا ہوا دیکھ رہی تھی غصے سے کانپ گئی اور مجسٹریٹ کو للکار کر کہنے لگی "شرم نہیں آتی ایک غریب کو اس بیدردی سے کچل دیا؟ ندامت تو برطرف اپنا رعب جمانے کے لئے ٹھوکر مارتے ہو۔ خارج از انسانیت تم ہی انسان ہو" مجسٹریٹ غصہ کی شدت سے دیوانہ ہو گیا۔ پہلا موقعہ تھا کہ اس نے بہت سے آدمیوں کی موجودگی میں ایسے تلخ الفاظ ایک لڑکی کی زبان سے سنے زبیدہ نے اپنے ہاتھوں کا سہارا دیتے ہوئے زخمی کو اٹھایا اپنے کندھوں پر اس کے بوجھ کو سہارتے ہوئے کہا "غلطی اور لغزش انسانوں سے ہی ہوا کرتی ہے مگر مرے پر سو درّے مجسٹریٹی اور حکومت کی شان دکھانے کا یہی طریقہ ہے۔ کہ غریبوں کو لاتوں سے مارا جائے" سڑک کے کنارے پر اس نے زخمی کو لٹا دیا اور اپنے دوپٹے سے دھجیاں پھاڑ پھاڑ کر اس کے زخموں کو صاف کرنے لگی۔ زخمی ایک لاوارث مسلمان تھا اس کی آہ کے ساتھ زبیدہ کا دل ہل جاتا تھا۔ مجسٹریٹ نے موٹر پر چڑھتے ہوئے سمتھ اور رڈلیف کو بھی سوار ہونے کا حکم دیا ایک چھوٹا سا سوٹ کیس زبیدہ کے آگے کی طرف موٹر کے دروازے کے پاس ہی رکھا تھا۔ رڈلیف نے موٹر پر چڑھ کر سوٹ کیس کو ٹھوکر ماری اور وہ موٹر سے نیچے گر پڑا۔ زبیدہ

نے سوٹ کیس پر نظر ڈالی اور رڈلیٹ کی طرف دیکھ کر مسکرا
دی گویا اس کی نگاہ کہہ رہی تھی کہ اپنے مسلم بھائی کی تکلیف
کو ہٹانے کے لئے مجھے تم جیسوں کی خفگی کی کوئی پروا نہیں موٹر
روانہ ہو گئی۔ اور زبیدہ تنہا اس گاؤں میں رہ گئی۔ مگر وہ پھر
بھی مطمئن تھی کہ میں اپنے
خبیث بہنوئی سے دور ہوں
اس کے پاس کافی رقم تھی جس
کے لئے وہ رڈلیٹ کو دعا
دیتی تھی کہ اس نے سوٹ کیس
پھینک دیا ورنہ بھیک
مانگنی پڑتی جو کچھ رقم تھی وہ
سوٹ کیس میں تھی۔ گاؤں
والوں نے گھر بہت سی
چھوٹی چھوٹی دیسی دوائیں
زبیدہ کو مہیا کر دیں اور انکی
ہدایتوں کے مطابق زبیدہ
زخمی کا معالجہ کرتی رہی تھوڑے
ہی دنوں میں زخمی کی حالت
سدھر گئی اور زبیدہ اسکو
کچھ روپے دے کر اپنے شہر
واپس آگئی۔ اس عرصے میں
اس کا تمام خوف دور ہو گیا
وہ بہت دلیر بن گئی تھی۔ گھر
پہنچ کر اس نے اپنے مکان کے دو چند کمرے جن میں سامان
بند کر گئی تھی کھولے زیادہ سامان فروخت کر ڈالا اور مختصر
سا سامان اپنی ضروریات کے مطابق رکھ لیا۔ عیسائی کرایہ دار

کو ہٹا کر باقی حصہ ایک شریف مسلمان کو کرایہ پر دے دیا
اور خود ایک اسلامیہ گرلز سکول میں دینیات پڑھانے
کی ملازمت اختیار کر لی اور اپنی ناکارہ زندگی خاموشی
بسر کرنے لگی ۔۔۔۔۔۔۔۔

قدرت کی حکمتوں سے
ہم نااہل انسان ناواقف
ہیں۔ اپنی کم عقلی اور نا
رسائی ذہن سے خدا
جانے کیا کیا تقصیریں کرتے
اور اپنے رحیم و کریم شہنشاہ
کی کتنی نافرمانیاں کرتے
ہیں۔ مگر وہ سخی خدا پوشی
اپنی ایسی ایسی نعمتوں سے
نوازتا ہے جن کا کہ ہم کبھی
خواب بھی نہیں دیکھ سکتے
زبیدہ کے ایک مستقل اصول
نے لوگوں کے دلوں سے
وہ بدگمانیاں دور کر دیں جو
اس کے بہنوئی نے پیدا
کر دی تھیں اور جس کا بانی
رڈلیٹ سمجھا جا چکا تھا۔
اب سوسائٹی کو تسلیم کرنا
پڑا تھا کہ وہ ایک سچی مسلمہ
ہے۔ تھوڑے ہی عرصے بعد شادی کے لئے اچھے
اچھے گھرانوں سے پیام آنے لگے۔ زبیدہ چاہتی تھی کہ اب
شادی نہ کرے مگر چند لوگوں نے اس کو مجبور کیا اور زمانے

محسنینِ دلگداز کی مساعی جمیلہ

جس عزم بالجزم استقلال اور شوق سے میں نے دلگداز
کا اجرا کیا وہ کچھ میرا ہی جی جانتا ہے۔ مارکیٹ کی قوت تقابل،
عام مسلمانوں کا صحائف و رسائل سے استغنا، کاغذ کی گرانی
وغیرہ کے مصائب اور خدمت اُردو، خدمت قوم اور خدمت
وطن کا جذبۂ لاتعدا اور پھر مجھ سا ناتجربہ کار اور یہ راہ دشوار
گذار، خیر طوعاً و کرہاً جو کچھ میں نے اور میرے رفقائے کار نے
کیا وہ اظہر من الشمس ہے۔ قوم جس عزت سے ہماری خدمات کا
اعتراف کر رہی ہے اس کی نظیر شاید ہی دنیائے صحافت میں
موجود ہو۔ میرے مندرجہ ذیل معاونینِ ادب اردو کی خدمت
کو ایک احسن فرض سمجھکر اپنے اپنے حلقہ میں "دلگداز" کے جاید
سرپرست بنانے میں ہماری اعانت فرمائی ہے میں بصمیمِ
قلب اُن کا شکر گزار ہوں		(نیاز احمد)

(۱) محترمہ وزیر بیگم صاحبہ ضیا ادیب فاضل مسز حکیم مظفر حسین صاحب اعوان منزل
لاہور ۱۱ خریدار۔ (۲) سید رضا علیشاہ صاحب ہیڈ محرر تھانہ ہارون آباد ۲ خریدار
جناب قبلہ محمد شفیع محمد اسحٰق تاجر کتب ایبٹ آباد ۵ خریدار۔ (۳) برادرم مسٹر رضا صاحب ۲ خریدار

کے نشیب و فراز خوب وضاحت سے سمجھائے۔ جن کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ شادی کے لئے آمادہ ہوگئی۔ مگر جو پیامات آتے تھے ان کو زبیدہ نے اس لئے منظور نہ کیا کہ وہ متمول لوگ تھے زبیدہ غریب آدمی چاہتی تھی۔ غریب لوگ بہ نسبت امیروں کے احسان شناس نیک اور اچھے ہوتے ہیں۔ ایک پیام ایک سٹی مجسٹریٹ کا بھی آیا۔ جس کو سن کر زبیدہ جل کر خاک ہوگئی اور دل میں کہنے لگی" حاکم سے بدتر تو دنیا میں کوئی آدمی ہی نہیں حکومت کے زعم میں وہ انسان بھی نہیں رہتا میں حکومت سے بیزار ہوں" یہی الفاظ اس نے امیدوار کو لکھ کر بھیج دئے۔ جو غالباً موید ہوا۔ کچھ عرصے بعد ایک کلرک کا پیغام آیا۔ تیس روپیہ تنخواہ اور عثمان نام تھا۔ زبیدہ نے اس پیام کو منظور کر لیا اور نہایت سادہ طریقے سے عقد ہوگیا۔ عقد کے بعد جس وقت زبیدہ نے اپنے شوہر کو دیکھا تو اس کے منہ سے نکلا" رڈلیف! میرے ساتھ دھوکا کیا۔ تمہارے باپ کی جو میں نے بے عزتی کی تھی۔ اس کا انتقام لینے کے لئے؟ رڈلیف میں خوب سمجھتی ہوں ان جعلسازیوں کو"۔

رڈلیف زور سے ہنسا۔ ایک انگریزی اور ایک اردو اخبار اس نے زبیدہ کی گود میں پھینک دیا۔ زبیدہ نے اردو اخبار میں ایک سرخی دیکھی" مسٹر رڈلیف سٹی مجسٹریٹ کا قبول اسلام بمبئی سے" اس نے نیچے لکھی ہوئی سطور پڑھیں" لکھا تھا" مسٹر رڈلیف نے جو حال ہی میں سٹی مجسٹریٹ درجہ دوم مقرر ہوئے ہیں اسلام قبول کر لیا ہے آپ کا اسلامی نام محمد عثمان تجویز ہوا"۔

اس کے بعد زبیدہ نے انگریزی اخبار کھولا جس میں رڈلیف سے ناراض ہو کر اور اسکو ہندوستان چھوڑ کر سٹی مجسٹریٹ اور سسٹر کے جرمنی جانے کی اطلاع درج تھی زبیدہ پڑھ کر مسکرائی اور کہا" رڈلیف" اسے تو بھلی اعثمان ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" عثمان نے متانت سے کہا" مجھے تم سے محبت تھی اور تمہارے حصول کی یہی تدبیر تھی۔ رہا مذہب وہ خدا گواہ ہے کہ تمہاری محبت سے مجبور ہو کر قبول نہیں کیا۔ بلکہ اس آتش شوق کو بچپن سے میں نے دل میں چھپا رکھا تھا۔ آزادی سے میں نے فائدہ اٹھایا" زبیدہ نے منہ چڑا کر کہا" یہی مجھ سے محبت تھی نا جبکہ سوٹ کیس میرا موٹر میں سے پھینکا دیا تھا" عثمان نے کہا" یہی تو محبت کا پہلا اظہار تھا"۔

انقلابات

(حضرت عزیز صدیقی)

(۲)

سونے کا زمانہ نہیں اے دیدۂ خواب
بیداری کا عالم ہی معیار شباب
اٹھ جاگ کہ یہ بے خبری خوب نہیں
ہر لمحہ ہے اک مرد عمل پایہ دریاب

زردار کی دلدوز نگاہوں کی قسم
مزدور کی ٹھٹھری ہوئی آہوں کی قسم
ہیں قائل انقلاب دنیا ہوں عزیز
غربت میں بھٹکتے ہوئے شاہوں کی قسم

میرے لئے

صفیہ بیگم شمیم مدیرۂ "گداز"

آراستہ ہے صحنِ گلستاں میرے لئے
نغمہ سرا ہیں مرغِ خوش الحاں میرے لئے

چلتی ہے سرد بادِ صبا میرے واسطے
آتا ہے روز ابرِ بہاراں میرے لئے

میری ہی دھن میں باغ میں پھرتی ہیں تتلیاں
کلیوں کے روئے ناز ہیں خنداں میرے لئے

روشن ہے میرے واسطے رخسارِ ماہتاب
تارے ہیں بزمِ چرخ میں رقصاں میرے لئے

کھلتی ہے میرے واسطے شفاف چاندنی
روشن ہے حورِ صبح کا داماں میرے لئے

میخانۂ چمن میں ہے خنکی میرے لئے
ہر چشمِ گل میں حسن ہے غلطاں میرے لئے

سبزہ بچھا ہے میری ہی راحت کیواسطے
ہر گل بنا ہے یوسفِ کنعاں میرے لئے

بہتے ہیں سوز و ساز سے دریا میرے لئے
شاداب ہے فضائے گلستاں میرے لئے

نغمات پر سرور سناتی ہے کائنات
لاتا ہے ابر عیش کا ساماں میرے لئے

بوندوں کی بارشیں ہیں کہ ہیروں کی انجمن
تاروں کا چھا گیا ہے گلستاں میرے لئے

سرخی شفق کو، نور سحر کو، گلوں کو بو
جاری ہے ایک چشمۂ فیضاں میرے لئے

کرتی ہے نذر اوس کے موتی خموش رات
گلشن کا عطر بیز ہے داماں میرے لئے

بل کھا رہی ہیں باغ میں گلپوش جھاڑیاں
ہر مطربِ چمن ہے غزلخواں میرے لئے

میرے لئے ہے موسمِ برسات کی بہار
لبریز ہے گلوں سے بیاباں میرے لئے

بخشی ہے مجھکو خالقِ یکتا نے کائنات
ہیں عیش کے نشاط کے ساماں میرے لئے

اوہام پرستی

جنابہ ممتاز الرشید صاحبہ ہیڈ معلمہ مدرسۃ البنات

اوہام پرستی کا مرض تقریباً ابتدائے آفرینش سے ہی اقوام کے ساتھ چلا آرہا ہے۔ جس ملک اور جس قوم میں جائیے۔ یہ مرض کسی نہ کسی رنگ میں ضرور پایا جائے گا۔ توحید کے پرستاروں نے ہمیشہ اس کے خلاف آواز اٹھائی۔ مگر کم علمی اور تدبر کے فقدان کے باعث ان کو کچھ زیادہ کامیابی نہ ہو سکی تعجب تو اس بات پر ہے کہ بڑے بڑے مدعیانِ تہذیب بھی اس مرض کا شکار ہیں۔ انگریز اب تک تیرہ کے ہندسے کو منحوس خیال کرتے ہیں۔

اوہام پرستی بعض دفعہ بڑی عجیب شکلیں اختیار کر لیتی ہیں۔ اسی کا اثر ہے کہ آج کل بعض امراض کو آسیب اور جنات کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور اس غلط فہمی کی بدولت کئی ایک مکار عامل لوگوں کو گمراہ کر کے اپنی جیبیں پُر کر رہے ہیں۔ اگر اسمیں صرف یہی خباثت ہوتی تو شاید اتنی بڑی بات نہ تھی۔ مگر غضب تو یہ ہے کہ اس قسم کے دھوکا باز عامل کئی کئی جانوں کے تلف کرنے کا موجب بھی بنتے ہیں۔

بت پرستی کی ابتدا بھی اوہام پرستی ہی سے ہوئی۔ یونانیوں نے قدرت کی مختلف چیزوں کے لئے مختلف دیوتا بنائے اور ہر دیوتا کے نام پر بت تراش کر ان کی پوجا شروع کر دی۔ ہندوؤں کے ہاں بھی بت پرستی اسی خیال کے ماتحت شروع ہوئی۔ بلکہ اسلام کے آنے سے پیشتر تقریباً تمام اقوام عالم بت پرستی اور اوہام پرستی کی بیماریوں میں مبتلا ہو چکی تھیں۔

حیرت ہے کہ لوگ اوہام پرستی کے تباہ کن نتائج اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بھی عبرت نہیں پکڑتے۔

سترھویں صدی عیسوی میں اوہام پرستی کا خوب زور تھا خدا کے بندے اس کے خلاف چیخ پکار کرتے تھے۔ مگر ان کا احتجاج بہت ہی کم اسے زیادہ اثر نہ پیدا کر سکا۔ اس زمانے میں سفید رنگ کے لوگوں کی ایک جماعت کسی جزیرے میں آباد تھی۔ یہ لوگ عام طور پر تجارت پیشہ تھے۔ جزیرے کی پیداوار جہازوں میں لاد کر دیگر ممالک میں لے جاتے اور خوب روپیہ کماتے تھے۔ مذہب وغیرہ سے انہیں کچھ زیادہ سروکار نہ تھا۔ ایک روز ارکب نام ایک یہودی کہیں سے پھرتا پھراتا اس جزیرے کیطرف آنکلا۔ یہ شخص عرصہ تک یونان میں رہ چکا تھا۔ اس لئے یونانی تہذیب اور مذہب سے خوب واقف تھا۔ اس نے دیکھا کہ جزیرے کے باشندے مذہب سے تقریباً بے خبر ہیں تو اس نے انہیں دلائل و براہین سے بت پرستی کی طرف مائل کیا اور ایک یونانی دیوی کے نام سے جزیرے کے مختلف حصوں میں بت نصب کروا دئیے۔ لوگ آہستہ آہستہ دیوی کیطرف متوجہ ہو گئے۔ اور ارکب انہیں دیوی کی تعلیمات سے بہرہ ور کرتا رہا۔ کچھ عرصہ گزرنے پر ارکب کو دیوی کے ذریعے غیب دانی کا ڈھونگ رچانے کا خیال آیا۔ چنانچہ اس نے پادریوں سے ساز باز کی اور چالاک اور خوش الحان پادری کو شہر کے دو...

بت کے اندر بٹھا دیا اور غیب گوئی کے لئے صبح شام کے اوقات مقرر کر دئے۔

غیب کے حالات جاننے کا تقریباً ہر شخص مشتاق ہوتا ہے اس قسم کے غیب دان لوگوں کی تک بندی بعض دفعہ درست بھی نکل آیا کرتی ہے۔ اب دیوی کی پوجا زیادہ زور شور سے ہونے لگی۔ لوگ اس کے پاس آتے سجدے کرتے منتیں مانتے اور چڑھاوے چڑھاتے بعض دفعہ تجارتی کاروبار کے متعلق مشورہ طلب کرتے اور آیندہ کے حالات بھی دریافت کرتے تھے غرضیکہ ارکب کا فریب خوب چل نکلا اور اسکی آمدن اب خاصی اچھی ہوگئی۔ رات ہوتی تو خود بھی گلچھرے اڑاتا۔ اور پادریوں کو بھی شراب وغیرہ پلا کر خوش کر دیتا۔

اب اسے کسی عالی نسب لڑکی سے شادی کرنے کا شوق چرایا۔ اتفاق سے اس جزیرے کا بادشاہ فوت ہوگیا اس کے بعد اسکے وارث صرف ایک لڑکی اور ایک لڑکا تھا۔ لڑکی نہایت حسین تھی۔ اسلئے ارکب کا خیال اس کی طرف دوڑنے لگا مگر وہاں تک رسائی کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ کیونکہ شہزادہ بت پرستی سے متنفر ہونے کے سبب سے اس کے پاس کبھی نہیں آیا تھا مگر وہ چاہتا تھا کہ شہزادے پر کسی نہ کسی ڈھب سے اپنے ڈورے ڈال کر شہزادی سے ملاقات کی کوئی صورت نکالے۔ اب تو اسے دن رات اسی بات کی دھن تھی۔ ایک روز اس نے اپنے ایک ہمراز پادری سے اس خواہش کا ذکر کیا تو اس نے اس کی مدد پر کمر باندھ لی۔

شہزادہ بچپن ہی سے موسیقی کا بڑا شائق تھا۔ خود بھی خوش الحان تھا اور ہمیشہ ایک آدھ گایک بھی اسکے ہاں دونوں وقت کے کھانوں پر موجود ہوتا تھا۔ پادری شہزادے کی طبیعت سے واقف تھا۔ اس نے اسی عادت سے فائدہ اٹھانے کی ٹھان لی۔ ایک روز سب سے بڑے بت کے سامنے رقص و سرود کی محفل گرم کی۔ جزیرے کے بہترین گویوں کو بلایا اور شہزادے کو بھی دعوت دی۔ گو شہزادہ وہاں سے متنفر تھا مگر اپنے شوق کی وجہ سے وہاں جانا بھی منظور کر لیا محفل میں شمولیت سے اسے خاص مسرت حاصل ہوئی اور اسنے گانیوالے کو خوب دل کھول کر انعامات دئے پادری دل ہی دل میں بہت خوش ہوا اور محفل کو ہفتہ وار منعقد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

ایک روز محفل گرم تھی۔ شہزادہ بیٹھا موسیقی پر سر دھن رہا تھا۔ ارکب نے موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی شہزادے کے سامنے آیا اور بڑے غضبناک لہجے میں اس سے یوں مخاطب ہوا "اے شہزادے! تو اس جزیرے کا والی ہے تو مذہب سے برگشتہ ہے اسلئے عنقریب تیری وجہ سے اس جزیرے پر وبال آنے والا ہے۔ یاد رکھ رعیت کا نقصان تیرے ذمے ہوگا یہ الفاظ وعید سنا کر ارکب نے اپنا لہجہ ذرا بدل لیا اور کہا "اے شہزادہ والا تبار! مجھے اس دیوی نے تیری ہدایت کے لئے مامور کیا ہے ابھی وقت ہے توبہ کر لے ورنہ پچھتائیگا اور وقت گزرنے پر افسوس کرنا محض لاحاصل ہے۔ اگر تو دیوی کی عبادت کو اپنا شعار بنالیگا۔ تو خود تمام بلیات سے محفوظ رہنے کے علاوہ اپنی رعایا کو بھی آنے والے عذاب سے بچالیگا۔"

کہتے ہیں جب برے دن آتے ہیں تو عقل جاتی رہتی ہے۔ شہزادے پر توہمات کا غلبہ ہوا اور وہ ارکب کے بھرے میں آگیا اور اس وقت بت کے سامنے جھک گیا اور پے در پے کئی سجدے کئے۔ بس کیا تھا۔ رہے سہے لوگ بھی دیوی کی عبادت کے لئے امنڈ کر آگئے۔ اب ہر کس و ناکس نے بت کی منتیں اور اس سے فالیں لینا

شروع کیں۔

شہزادہ داری کا پکا عابد بن گیا۔ گو اسے بت کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے کبھی کبھی جھجک سی آتی تھی۔ مگر جب بت سے آواز نکلتی تو وہ سہم جاتا۔ اب اس نے اپنا محل سب سے بڑے بت کے قریب بنوانا شروع کر دیا۔ محل کی تکمیل ہوگئی۔ تو وہ اپنی بہن کو ساتھ لے اپنے رہائشی مکان کو چھوڑ نئے محل میں آباد ہوگیا اور زرکب کی آمد و رفت اسکے ہاں شروع ہوگئی۔

اسلام اور حقوقِ نسواں

از جنابہ محترمہ حسن آرا لیڈی فزیشن بنت ڈاکٹر محمد الدین انسٹیٹیوٹ آف انڈین میڈیکل سائنس

سورہ کہف میں اللہ تعالیٰ جو فرماتا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ خدا کی آیتیں یعنی (Laws of Nature) کو انسان جھٹلاتا ہے اور اپنے عمل کی ذرا بھر پروا نہیں کرتا ماحول کے حالات سے بے خبر اور بصارت اور سماعت کی باطنی قوتوں سے بے بہرہ رہتا ہے۔ حضرت موسیٰ بڑے اولوالعزم پیغمبر تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام علم لدنی جانتے تھے۔ یہ علم ان میں فطرتاً موجود تھا۔ اکتسابی نہ تھا۔ علم لدنی کے اصلی معنی تو یہ ہیں کہ بات کی حقیقت تک پہنچنا۔ جسکو عقل سلیم رائے صائب اور معاملہ فہمی بھی کہتے ہیں مگر در اصل علم لدنی کے معنی علم باطنی کے ہیں۔ آپ اُسے Psychology (علم النفس) کہہ سکتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر سے عہد کیا تھا کہ وہ علم لدنی کے حاصل کرنے کے دوران میں سوال سے پرہیز کرینگے۔ مگر بشریت کے تقاضا کے سبب سوال کرنے سے رک نہ سکے۔ کیونکہ واقعات جن پر سوال کیا جاتا تھا وہ دنیوی یعنی مادی حدود سے تجاوز کرتے تھے۔ گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے نفس پر ضابطہ نہ رکھ سکے۔ یعنی جس بات کو پوچھنے کو جی چاہتا تھا۔ اسکے پوچھنے سے باز نہ رہ سکے حضرت خضرؑ نے اپنے ارادے کو بالکل خدا کے ارادے کے مطیع کر رکھا تھا۔ آپ کا یہ کہنا کہ ہم نے چاہا۔ گویا یہی کہنا تھا کہ جا۔ حضرت خضر علیہ السلام کے اَنا کا مقام بہت بلند تھا۔ بقول ڈاکٹر اقبال ؎

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

اسلام عین فطرت ہے انفرادی اور اجتماعی زندگی کا آئین ہے۔ دنیاداروں کو دنیا سے دلبستگی ہے۔ فطرت کی قانون شکنی کا انہیں کچھ خوف نہیں۔ اسلام انسانی آزادی کا پیغام لے کر آیا ہے۔ ہر شخص کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے لیکن مسلمانوں میں طبقۂ رجال کے افراد طبقۂ نسواں کے حقوق کے متعلق لیت و لعل کرتے ہوئے دنیوی مفاد کے مقابلہ میں خدا کی آیات کو جھٹلاتے ہیں۔ سورہ نسا میں اللہ تعالےٰ صاف طور پر فرماتا ہے کہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کو توڑنے والے اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کرنے والے ہمیشہ رہیں گے آگ میں۔ یہ اُن کے لئے ہے عذاب ذلیل کرنے والا" فطرت کا منشا ہے کہ دولت کی تقسیم ہوتی رہے اور انسان کی آزادی ہی جو اُسے فطرت سے حاصل ہے ملی حدود کے اندر رہتے ہوئے قائم رہے۔ جیسا کہ اس شعر سے واضح ہے ؎

صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے پا بگل بھی ہے
انہیں پابندیوں سے حاصل آزادی کو تو کر لے

سرمایہ کی صحیح تعلیم اسلام نے جو میراث کے رنگ

بن گئی ہے اس میں ملت اسلامیہ کی بہتری ہی بہتری ہے
طبقہ رجال کو طبقہ نسواں کے حقوق کی حفاظت کرتے وقت
سندری حصص کی تقسیم میں دریغ نہ ہونا چاہیئے۔

ازدواجی زندگی کے دوران میں جب ایسی مشکلات پیش
آئیں کہ ہر دو فریق کی علیحدگی ضروری ہو تو اسلام اس کے
لئے بھی صاف صاف احکام دیتا ہے ہماری بدقسمت بہنوں
کو خاص خاص حالات کی تحت میں علیحدگی نہ ہونے کے
سبب سے تبدیلی مذہب کی ضرورت پڑجاتی ہے۔ جیسا نچہ
آل انڈیا ویمن کانفرنس ۱۹۳۵ء میں اس مشکل کے حل کیلئے
اس بات پر زور دیا گیا کہ انگریزی عدالتوں سے عورتوں کے اس
حق کو تسلیم کرایا جائے جو امید کی جاتی ہے کہ قانونی صورت
اختیار کریگا

میراث کی تقسیم میں ہمارے بھائی جو فطرت سے منحرف
ہو رہے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سرمایہ کی تقسیم غیر مناسب
محل پر ہو رہی ہے یعنی عدالتوں میں بدکاریوں میں اور مشترکہ
سرمایہ کی کمپنیوں میں جس کی محض بنیاد سود پر ہے۔ جن میں سے
بعض تو دیوالہ نکال دیتی ہیں اور بعض ایسی ہیں جن میں روپیہ
لگا ہوا خطرہ سے خالی نہیں۔

ہندوستان کے مسلمانوں کو چاہئے کہ قرآنی احکام کی روح
کو نظر انداز نہ کریں۔ اسے ظاہری نگاہ سے بھی دیکھیں اور اس
کا علم لدنی کی نگاہ سے بھی مطالعہ کریں۔ اس علم لدنی کی نگاہ
سے حضرت خضر علیہ السلام کو ملا تھا۔ سرمایہ کی تقسیم اور اسکے
لگاؤ کا سبق سوشلزم سے نہیں بلکہ قرآن کریم سے سیکھیں،
اور غلامی کی زنجیروں سے نجات حاصل کریں۔ یہ کہنا بے سود
ہوگا کہ ہماری کتنی بہنیں دکھ درد کی زندگی بسر کر رہی ہیں اور
ان کے خاندان کے طبقہ رجال کو اپنی ظالمانہ روش کا ذرہ
بھر احساس نہیں۔ باوجود اسکے کہ ہندوستانی مسلمان مردوں کو
علم ہے کہ ان کے سرمایہ کے لگاؤ کا جو موجودہ طریق ہے۔
انہیں ان کے مقصد میں ناکام کرے گا ان کی ذات کے لئے
خطرہ کا باعث ہوگا اور مستقبل قریب میں انہیں اس مصیبت کا
سامنا کرنا پڑے گا۔ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں صاف
صاف بیان کر دیا ہے۔ یہ مصیبت بالشوزم کی طرح سے
کوئی چھوٹی سی مصیبت نہ ہوگی۔ بلکہ یہ خداوندی انتباہ ہوگا
ہم سب بہنوں کو چاہئے کہ ہم سب مل کر دعا کریں کہ ہمارے
بھائیوں کو خداوند تعالیٰ صراط مستقیم دکھائے تاکہ وہ اس
آنے والی مصیبت سے بچ سکیں۔

آنیوالا فتنہ ہے اک اور بھی گردوں کے پاس
سامنے تقدیر کے رسوائی تدبیر دیکھ

یہ کہ ہم گورنمنٹ سے استدعا کریں کہ ہم مسلمانوں میں میراث
کی تقسیم شرعی طور پر ہو۔ اس طرح سے ہو۔ اس طرح سے
ہو لیجئے۔ مگر یاد رکھئے کہ جس طرح سے حلف کی دو قسمیں ہیں
ایک Religious یعنی مذہبی اور دوسرے
Constitutional یعنی آئینی۔ اول الذکر
حلف لینے والے کو خدا کی ہستی پر ایمان ہوتا ہے اور آخر الذکر
خدا کی راہ سے بھٹکے ہوئے کو صرف دنیوی قانون کا ڈر۔ قانون
دان جانتے ہیں کہ یہ ڈر کیا حیثیت رکھتا ہے اسلئے ہم سب
بہنوں کی تمنا ہونی چاہیئے۔ کہ ہمارے مسلمان بھائیوں کو ایمان
کی سلامتی نصیب ہو اور جب ایمان انہیں حاصل ہو گیا
تو نہ کسی ملکی قانون کی ضرورت ہے اور نہ کسی تدبیر کی اللہ
ہمارے بھائیوں کے دلوں کو ایمان کی نورانی شعاعوں سے منور
کرے۔

آمین ثم آمین !!

حفظِ صحت

ہیضہ

(جناب اختر حسین اعوان میڈیکل کالج لاہور)

اسباب ۔ سب سے مقدم جراثیم ہیں۔ یہ ہمکو اس وقت تک نقصان نہیں پہنچا سکتے جب تک ہمارے جسم میں ان کے نشو و نما پانے کی صلاحیت نہ ہو ہماری آنتوں میں گندگی ان کی پرورش کے موافق سامان بہم پہنچاتی ہے۔ ہم اپنے آپ کو اس موذی مرض سے تب ہی بچا سکتے ہیں اگر ہم مندرجہ ذیل چیزوں کا خیال رکھیں۔

اول۔ جراثیم یہ ہمارے اندر پانی۔ دودھ۔ غذا کے ذریعہ سے داخل ہوتے ہیں اسلئے مریض کی تیمارداری کرنے والے اس وقت تک محفوظ ہیں جب تک وہ اپنی خوراک کا انتظام خاص رکھتے ہیں۔ یہ مرض صرف چھونے اور سانس لینے سے نہیں لگ سکتا۔ جراثیم ہماری آنتوں میں ایک قسم کا زہر پیدا کر دیتے ہیں۔ یہ خراش پیدا کرتا ہے۔ قدرت اس سے بچنے کے لئے ان کو بذریعہ اسہال خارج کر دیتی ہے۔ گو جراثیم آنتوں ہی میں موجود رہتے ہیں لیکن زہر دوران خون کی وجہ سے تمام جسم میں پہنچ جاتا ہے۔ جب یہ ہمارے دل اور دماغ میں پہنچ جاتا ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔

دوم۔ ہمارے جسم میں اس بیماری کو قبول کرنے کی صلاحیت۔ ہمارا جسم بے اعتدالیوں۔ تکلیفوں اور دوسری نہایت کمزور ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ہم ظاہری اچھی صحت رکھتے ہوئے اس بیماری کے شکار ہو جاتے ہیں۔

سوم۔ ہماری آنتوں میں غلاظت و گندگی۔ حتی الامکان ان چیزوں سے جو ہماری آنتوں میں سڑ سکیں مثلاً بسٹھر گلے سڑے ہوئے میوے۔ چنے۔ بھٹے۔ پکوڑیاں۔ دال اور آم سے پرہیز کریں۔ جراثیم بھی ہماری طرح جان رکھتے ہیں اسلئے ان کو بھی خوراک کی ضرورت ہے۔ یہ گندگی ان کو خوراک بہم پہنچاتی ہے۔ یہ اسلئے کہ ہم کو کثرتِ غذا سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

علامات ۔ تین دن کے اندر دست اور قے شروع ہو جاتے ہیں۔ بعض دفعہ تو مریض بغیر کسی دست و قے کے جاں بحق ہو جاتا ہے مگر زیادہ تر ان چیزوں کی شدت ہوتی ہے۔ رفتہ رفتہ مادہ پانی کی طرح خارج ہوتا ہے جو چاول کے پانی کی طرح ہوتا ہے۔ ساتھ ہی اسی رنگ کی قے بھی شروع ہو جاتی ہے۔ مریض کمزوری محسوس کرتا ہے۔ پیٹ میں جلن دست و قے کی زیادتی خون کو گاڑھا بنا دیتی ہے۔ چہرے کا رنگ پھیکا ہو جاتا ہے آنکھیں اندر گھس جاتی ہیں۔ ٹھنڈے سانس اور ٹھنڈے پسینے آتے ہیں۔ نبض ہلکی ہو جاتی ہے۔

علاج۔ اپنا علاج گھریلو دعاؤں سے ہرگز نہیں کرنا چاہئے بلکہ قوم ڈاکٹر کی مدد حاصل کرنی چاہئے اور اسکی ہدایت پر پوری طرح عمل کرنا چاہئے اگر آپ ڈاکٹر نہیں ڈھونڈ سکتے تو مندرجہ ذیل تدبیروں سے فائدہ اٹھائیں۔

(۱) مرض کی ابتدا میں آنتوں کو کلوروڈین وغیرہ افیون کے مرکبات سے کرنہر سے صاف کردیں۔

(۲) کافوریا نقائی ذل ایک رتی کی خوراکوں میں بطور کرم کش دوائے دو دو گھنٹہ بعد دیں اگر پیاس زیادہ ہو تو برف کے ٹکڑے یا سرد پانی برابر دیں۔ اگر سردی لگے تو ہاتھ پیروں کو گرمی پہنچائیں۔

احتیاطیں

(۱) مریض کے دست اور قے کنوؤں کے نزدیک دھوئیں

(۲) بیماری کے دنوں میں کنوؤں میں Potassium permanganate لال دوا ڈالیں۔ جہاں تک ہوسکے کنوؤں کے پانی کو استعمال نہ کریں۔

(۳) دودھ یا پانی اُبال کر پینا چاہیے۔

(۴) کھیرے۔ ککڑی۔ خربوزے اور تربوز کو استعمال نہ کریں۔ کوئی کچا پھل استعمال نہ کریں۔ پان سے بھی پرہیز کرنا چاہیئے۔ کیونکہ کنجڑے ان کو گندے پانی سے دھوتے ہیں۔

(۵) کھی میٹھی ہوئی چیز کا ہرگز استعمال نہ کریں۔ دست و قے کو کھلا ہوا میں نہ چھوڑیں۔ کیونکہ مکھیاں ان پر بیٹھ کر اپنے ساتھ جراثیم چپالیتی ہیں۔ جب یہ کھانے والی چیز پر بیٹھتی ہیں تو جراثیم ان میں چھوڑ جاتی ہیں۔

(۶) مریض کی قے و دست کو ڈس انفیکٹ کرو۔ اسکے لئے

عورت کے ضروری ہار سنگار پر مفید ترین کتاب

اس کتاب کو ہر ایک خاتون کو پڑھنا چاہیئے

خزینۂ حسن

المعروف بہ

آئینہ خانہ

زبان بالکل سادہ اور شستہ

مرتبہ

جناب ڈاکٹر غازی عبدالمجید نسیم وزیری جرنلسٹ مدیر گداز

چند ابواب کے عنوانات ذیل میں ملاحظہ فرماویں

خوبصورتی کے راز - جسمانی ورزشوں کے طریقے - کالے بدنما چہرے کو گورا چٹا بنانے کی ترکیبیں - بہترین نسخے بدنما چہرے کیونکر خوبصورت بن سکتے ہیں - بیشتر اخبارات نے بہترین آرا لکھی ہیں - یہ کتاب ہر گھر میں موجود ہونی چاہیئے - دیگر ہر قسم کے نسخہ جات - آواز کو دلکش بنانیوالے نسخے خضاب - بالوں کو خوبصورت بنانے کے نسخے اسمیں درج ہیں قیمت رعائتی - ار صفحات بکثرت کاغذ نہایت عمدہ ہیں - محصول ڈاک ۵ ر

داستان حسن - ورزش کے فائدے - ورزش کے لئے ہدایات - اصلی حسن مصنوعی حسن - دوامی

شاعرانہ - طبی حسن - رہائشی مکان - طویل عمری - طعام غذا - بسیارخوری کے نقصانات - کم خوری سے پیدا ہونیوالے امراض

مناسب غذا - غسل لوازمات غسل - ورزشیں - عینک سے نجات - صنف نازک کی آرایش وزیبایش - کارآمد اور مفید مشورے -

مہاسے اور ان کا علاج - مفید ابٹنے - داغ دھبے چھائیاں دور کرنیکے نسخے - چہرہ صاف کرنے والی دوائیں -

ودم - ہپ

لی صلاحیت - ہمارا جسم بے

نسایت کمزور ہو جاتا ہے

غلام علی اینڈ سنز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور

مقدسین اسلام کی پاکیزہ سوانحعمریاں

"تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را"

سوانح عمری حضور سرور کائنات

خاتم النبیین کے نام طبع ہوئی ہے جس میں آپ کی حیات طیبہ کے مفصل حالات درج کیے گئے ہیں۔ انداز بیان پُر تاثیر اور حد درجہ دلچسپ ہے۔ ہدیہ صرف ۱۲ کاغذ کتابت طباعت نہایت عمدہ

سیرت الفاروق

حضرت عمر فاروق کی زندگی کے کُل ہم واقعات کو بطرز جدید لکھا گیا ہے۔ قابل مطالعہ ہے۔ ہدیہ صرف ۶ ہے۔

ذوالنورین

حضرت عثمان غنی کی پاکیزہ زندگی کے مکمل حالات نہایت صحت و تحقیق کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ مسلمان بچوں کے لئے خاص طور پر قابل مطالعہ ہے۔ ہدیہ ۶ صرف۔

الصدیق

اس کتاب میں حضرت ابوبکر صدیق کی زندگی کے مشہور زریں واقعات درج ہیں۔ ہدیہ صرف ۶

اسد اللہ

حضرت علی ابن ابیطالب شیر خدا کی شاندار زندگی کے خاص خاص واقعات کو قلمبند کیا گیا ہے تاکہ اہل اسلام استفادہ کریں۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ ہدیہ ۴

سیف اللہ

حضرت خالد بن ولید کی حیات مقدسہ کے مکمل حالات از حد صحت و تحقیق سے لکھے گئے ہیں۔ ہدیہ ۴ ہے۔

سوانح عمری حضرت غوث الاعظم

حضرت غوث الاعظم کی زندگی کے مکمل اور مفصل حالات نہایت وضاحت سے لکھے گئے ہیں۔ ہدیہ صرف ۸

حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی زندگی

کے پاکیزہ حالات نہایت تفصیل کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ تصاویر بھی بعض مواقع کی کتاب میں درج ہیں۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ قیمت صرف ۱۰

محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار ہوگا

شیخ غلام علی اینڈ سنز تاجران کتب کشمیر ۱۰

دلگداز لاہور
۷۸
اگست ۱۹۲۸ء
رہبر سوزن کاری مکمل دو حصہ
قیمت عہ
یہ ایک زنانہ دستکاری کی بہترین کتاب ہے۔ اسے کامل صنعت کار بہنوں نے جدید فیشن کی دلکشیوں سے جن سے دنیائے نسواں دن بدن مانوس ہوتی جا رہی ہے کے پیش نظر ترتیب دی ہے
کتاب کی اگرچہ صنعت کار طبقہ نے از حد قدر کی ہے۔
مگر مارکیٹ کی بعض ناکارہ کتابوں سے شائقین اس قدر استفادہ نہ کرسکیں گی جس قدر اس سے۔ اسمیں ہر صنف صنعت پر ان گنت
پھول بیلیں اور حاشیے وغیرہ موجود ہیں۔ نیز کاڑھنے کے لئے مفید ہدایات بھی ہیں۔ ہر چیز بالتفصیل ہے۔
قمیصوں کے کف۔ دامن۔ گھیرے۔ گلے اور بیلیں ہر قسم۔ مرکز نوع بہ نوع۔ مناظر۔ قطعات اور سینکڑوں نایاب ڈیزائن
ہیں جو آپ کو اور کسی کتاب میں بھی نہیں مل سکیں گے۔
انگریزی پھولدار حروف۔ اے سے زیڈ تک اور "ویلکم" اور "گڈ نائٹ" وغیرہ نئے نئے سٹائل کے موجود ہیں۔ ہمیشہ پتہ
ذیل سے خرید فرمائیں * قیمت کامل ہر دو حصہ عہ علاوہ محصولڈاک۔
اور
خوانِ نعمت
ہماری وہ مقبولِ عام کتاب ہے جو ہر گھر میں مقبول و ہر دلعزیز ہے
اس کتاب میں ہر قسم کے کھانوں کے بنانے کی ترکیب نہایت تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ اعلیٰ۔ ادنےٰ اور درمیانے
ہر سہ انسانی طبقوں کے لذیذ۔ نفیس اور خوش ذائقہ کھانوں کے پکانے۔ اور حلوے مختلف۔ کھیریں۔ مربے۔ چٹنیاں
اچار۔ نیز کیک پیسٹری وغیرہ ہر قسم بنانے کی مکمل ترکیبیں درج ہیں۔ قیمت ۱۲؍ رعایتی ۱۰؍ علاوہ محصولڈاک۔
ملنے کا پتہ
غلام علی اینڈ سنز تاجرانِ کتب کشمیری بازار لاہور

اردو رسم الخط کی پیدائش۔ تحریر کا وجود۔ اصناف اور محاسن پر اپنی نوعیت کی پہلی معرکۃ الآرا کتاب ہے۔ جو علم التواریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے شاندار تحفہ ہے۔

قیمت ۳ روپے

(ملنے کا پتہ)

شیخ غلام علی اینڈ سنز تاجران کتب کشمیر

نیم بسمل مظلوم اور مُردہ مسلمانوں کیلئے

پیغام حیات

یعنی

تذکرۂ بہادرانِ اسلام عرف تاریخ اسلام

اٹھاؤ، پڑھو اور دیکھو کہ تمہاری بے بسی، مفلوک الحالی اور تباہ حالی کس قدر حوصلہ فرسا ہے؟ ہر قوم تمہاری دشمن ہے، ہر انسان تمہارا جان لیوا۔ زمین برباد کرنے پر تلی ہوئی اور آسمان آگ برسا کر خاک سیاہ کر دینے پر آمادہ! اتنی بے حمیتی، بے غیرتی اور بے شرمی حیف! تیری اس بے ننگ و نام زندگی پر، بے حرکت زندگی پر، بے عمل زندگی پر! اٹھ خوابِ غفلت کے دلدادہ، اپنی بربادی اور خوفناک بربادی پر شرر کیطرح چمک اور اپنے تن و توش کو جلا اور دشمنوں کو بھی شعلوں کی لپیٹ میں لا کر راکھ کا ڈھیر بنا دے۔ اگر اس جمود و خمود کی حالت چنداں اور رہی تو تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ جو قومیں ہر حیثیت سے تجھے نگل جانا چاہتی ہیں وہ تجھے دنیا کے فوائد و افادات سے دور ایک کونے میں پھینک دینگی۔ اگر تو نے اپنے مصلحین قوم اور قومی تعمیر کے حصہ داروں کے حالات سے واقفیت بہم پہنچا کر اپنے لیئے رہبر نہ بنایا تو تیرا مٹ جانا یقینی ہے۔ قیمت ۱۲؍۔ کاغذ، کتابت اور طباعت عمدہ۔ پتہ ذیل سے خرید فرمائیں

گداز بکڈپو کشمیری بازار لاہور

ہمیشہ
ایماندار پایا
اس فرم کو
سوانح عمری
خاتم النبیین
حضرت محمد رسول اللہ صلعم
ہدیہ
صرف ۱۲
چہار یار
تمام دینی و دنیاوی علوم و فنون
کی کتابوں کے انتخاب کے لئے بے نظیر
تحفہ علمی مع جنتری
صرف کارڈ لکھ کر مفت منگائیے
شیخ غلام علی اینڈ سنز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور
تذکرہ بہادران اسلام
جدید لغات
اردو مکمل
قیمت مجلد
موٹر کار انجنیئر
الیکٹرک انجنیئر
کلید موٹر

التاجر الصدوق يحشر يوم القيامة مع الصديقين والشهداء

دلّال

مدیر
عبدالمجید شمیم

شائع کیا

مقام اشاعت : کشمیری بازار - لاہور

اسلامی، ادبی، تاریخی، اقتصادی اور نسوانی

ماہنامہ

دلگداز

لاہور

ستمبر ۱۹۳۷ء

ادارۂ تحریر

مرزا محمد اسلم بیگ نسیم
محمد عبد اللطیف تسلیم

ح ب
ص ب شمیم
خواہرزادی حضرت جوش مدظلہ

دفتر کشمیری بازار لاہور

سالانہ چندہ ہیر — ششماہی عہ ر — سہ ماہی ۹ر — فی پرچہ ۳ر

باہتمام منشی محمد مسکین بٹ ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر علمی پرنٹنگ پریس لاہور میں چھپ کر دفتر ماہنامہ دلگداز کشمیری بازار لاہور سے شائع کیا

ضخامت ۲۰۰ صفحات کے قریب ہوگی۔ مستقل خریداروں کو مفت یعنی

اور غیر خریداروں کو آٹھ آنے علاوہ محصولڈاک پر مل سکے گا

اس لئے

آپ آج ہی دلگداز کی سرپرستی (عہ) قبول فرماتے ہوئے اپنے قومی فرض سے سبکدوش ہونے کی کوشش فرمائیں۔ مضامین کے اعتبار سے۔ حجم کے لحاظ سے اور قوم کی صحیح ترجمانی کے معیار سے آپ اسے دیگر رسائل سے بہت بلند پائیں گے۔

"فرقۂ نسوان کی بہتری اور اصلاح پر" اسلامی مضامین جو بچیوں کی عادات پر گہرا اثر ڈالنے کے شاہد وضامن ہوتے ہیں خاص خاص عالمانِ دین کی محنتِ شاقہ کے نتیجہ ہوتے ہیں۔ اسلامی معاشرت اور مغربی معاشرت کا موازنہ از حد دلچسپی لئے ہوتا ہے مسلمان بچوں اور بچیوں کے لئے نہایت مفید اصلاحی رسالہ ہے۔ ہر ہندوستانی مسلمان کے گھر میں اس کا پڑھا جانا نہایت ضروری ہے۔

مشتہرین

حضرات کو بھی اپنے اپنے اشتہارات درج کرانے کے لئے

فی الفور

متوجہ ہونا چاہیئے۔ یہ پرچہ ہر طبقہ میں قیامت کی مقبولیت لئے ہوئے ہے۔ سستا ہونے کے سبب سے غریبوں میں اور مضامین کی عمدگی کے باعث اعلیٰ طبقہ کے لوگوں میں۔

(مہتمم اعلیٰ)

دعوت

برادران مکرم!

کوئی کام اکیلے ہونا مشکل ہوتا ہے۔ اسلئے ہر دانا کام کی اہمیت اور حقیقت سے آگاہ ہوکر واقف کار لوگوں کی اعانت و مشورت کا طالب ہوتا ہے۔ آپ کی نظروں سے "سالنامہ نمبر" کا اعلان گزر چکا ہے۔ مضامین حسب توقع موصول نہیں ہو رہے۔ اسلئے از سر نو یاددہانی کے لئے ادیبانِ ملک سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ

اسلامیات

ادبیات

نسائیات

اقتصادیات

مستقل عنوانات کے ماتحت جو کچھ سالنامہ کے لئے لکھ سکیں جلد دفتر میں بھیجدیں۔

جن حضرات کے

بلاک موجود ہوں۔ وہ اپنے بلاک کے ساتھ اپنا کلام نظم و نثر بھی روانہ فرمائیں۔

کوئی صاحب یا کوئی بہن

مطبوعہ نظم یا مضمون ارسال کرنے کی تکلیف نہ اٹھائیں۔

اگر زبانِ اردو پر مقالاتِ مفید زیادہ سے زیادہ موصول ہوں گے تو بہترین "مقالہ نگار" کو انعام دیا جائے گا۔

(ایڈیٹر)

ادبِ اردو۔ مذہبِ اسلام اور اقتصادِ ملک

کا اپنی نوعیت کے واحد ترجمان

ماہنامہ "دلگداز"

ترتیب دیا جانے لگا ہے۔ جو دنیائے صحافت میں ایک نہایت شاندار ادبی تحفہ ہوگا

جس میں

اسلامیات۔ ادبیات۔ نسائیات اور اقتصادیات

موضوعات پر

علمائے کرام کے مواعظ حسنہ۔ ادیبانِ ملک کے ادبی مقالے

نظمیں۔ افسانے اور غزلیں۔ جلیل القدر ادیب خواتین کے جواہر پارے

اور ماہرینِ اقتصاد اور تاجرانِ ملک کے مفید ترین معلومات

درج ہونگے

اشارات!

غازی عبدالمجید شمیم وزیری مدیر

ہماری کاوشیں اور محنتیں کچھ ایسی نہیں ہیں۔ جن کو زمانہ بہت سر فراموش کر سکے اور اگر زمانہ ایسا کرنے پر تل جائے تو بھی ہم مقابلہ کے لئے دست بدست اور کمر بستہ ہر وقت تیار ہیں۔ ہمارے مقاصد و مفاد کچھ ایسے نہیں جن سے کسی ذوقِ سلیم رکھنے والے فرد و قوم کو مجالِ انکار ہو۔ ہر انسان اپنے علمی سرمایہ۔ ذوقِ طبیعت اور ذہن رسا سے کچھ نہ کچھ کام لیتا ہے۔ میں نے بالعموم اپنی بساط کے مطابق اور دردِ قوم کے موافق جس قدر خدمات سرانجام دی ہیں وہ "کتاب دنیا" کے صفحات پر اس طرح منقش ہیں کہ گوجرانوالہ سے حقیقت۔ تجارت۔ نقیب مختلف وقتوں میں جاری کئے پھر فاران۔ شعلہ۔ نصرت وغیرہ میں کام کیا۔ بعدہٗ رہبر سرینگر اور آج کل "دلگداز" کی ادارت!

میں نہیں کہہ سکتا کہ باوجود اتنے پرچوں کے اجراء پر بھی میں کوئی قوم کی مفید خدمت سرانجام دینے کے قابل سکا ہوں یا نہیں۔ ہاں خلافت کی مجلس کے آخری ادوار کے بعد جسقدر ملکی تحریکات جاری ہوئیں کم و بیش ان سب میں میں نے کام کیا۔ مجھے علم ہے کہ میں آج تک اپنی جد و جہد میں کبھی ناکام نہیں ہوا۔ ہمیشہ رب العالمین کی رحمت میرے شاملِ حال رہی ہے۔ حقیقتاً میرا ہر قدم "قومی خدمت" اور میرا ہر اشارہ و کنایہ انسانی بہبودی اصلاح کا علمبردار رہا ہے۔ اسی لئے نازک سے نازک مراحل میں بھی فتح و نصرت نے مجھے تنہا چھوڑنا پسند نہ کیا۔

دلگداز کا اجرا بہ اقتضائے وقت ہے اور اس کی زندگی "قومی خدمات" کے لئے وقف ہے۔ میں یہ نہ چاہتا تھا کہ اجراء دلگداز کے بعد امن و چین سے کنج خلوت میں بیٹھوں مگر کیا کروں موسم گرما کی تیز لُو سے لاچار اور عاجز ہوں۔ خدا خدا کر کے جو کچھ ہو سکتا ہے کرتا ہوں مگر اچھی طرح جانتا ہوں کہ جو کرنا چاہیئے۔ وہ نہیں ہو رہا۔ متوقع ہوں کہ عنقریب علمی و ادبی مجلسوں کے قیام اور "زبان اردو" کی وسعت و ترویج کے لئے ہندوستان کے گوشہ گوشہ کی خاک چھاننا شروع کرونگا۔ میرا مقصد "ہندوستانی" اور "اردو" کے نام پر میدانِ کارزار کو گرمانا نہیں بلکہ ہمسایہ قوم کے غلط قدم کو روکنے بے سکت کرنے اور شل کرنے کا ہے۔

میں برادرانِ اسلام کی موجودہ حالت اور نزاکت وقت کو بفضلِ ایزدی بالاستیعاب دیکھ رہا ہوں۔ جذبہ

کارجس فراوانی سے ہمارے مسلم نوجوانوں میں موجود ہے۔ اگر اُسے ایک "قومی خدمت" پر صحیح اور جائز طریق پر صرف کرنے کا پورا پورا انتظام و نسق ہو سکے تو انشاء اللہ آج کا یہ مردہ۔ نیم بسمل اور مصیبتوں کا مارا مسلمان قلیل ترین عرصہ میں ہندوستان کی کایا پلٹ دینے کے قابل ہو سکتا ہے۔

بے توجہی کی حالت میں دلگداز کی جو اہلِ ملک نے قدر افزائی فرمائی ہے اس کے لئے میں از حد ممنون ہوں اور اپنے رفقائے کار مرزا محمد اسلم بیگ نسیم۔ ایم اے لطیف سلیم صاحب اور گرامی قدر ادیبانِ ملک میں سے مولانا رشید احمد صاحب ایم اے۔ ایم او۔ ایل۔ حضرت سید ضیا جعفری مدیر "شرر" حضرت سید مظہر گیلانی۔ حضرت ماہر دہلوی مصنف تحقیقاتِ ماہر وغیرہ۔ حضرت رشید احمد صاحب صحرائی۔ مرزا غلام عباس صاحب زائر۔ جناب سید فارغ صاحب حضرت رفیق عزیزی مدیر "کامیاب"۔ جناب سجاد ہاشمی جنیوٹی جناب ملک شمس بی اے۔ حضرت اولاد حسین شاداں بلگرامی جناب عبدالرحمن صاحب شوق مدیر "عارف"۔ جناب خان احمد حسین خان صاحب بی اے ایم آر ایس اے لندن مدیر "شباب اردو" جناب اصغر حسین خان نظیر صاحب۔ حضرت جلال ملیح آبادی جناب لالہ نند کشور صاحب آنگر بی اے ایل ایل بی وکیل۔ جناب ملک عبدالرحیم صاحب اسیر۔ حضرت عبدالعزیز صاحب فطرت حضرت مولانا مسکین صاحب مدیر روزنامہ احسان اور حضرت جوش ملیح آبادی مدیر "کلیم" کی دلگداز نوازی پر الفاظ تشکر کا اپنے ذہن میں ذخیرہ نہ پاکر اپنی بے بضاعتی کا معترف ہوں۔ اور متوقع ہوں کہ وہ اس سلسلۂ عنایت و اعانت کو جاری و ساری رکھیں گے۔

نیز اپنی اُن جلیل القدر بہنوں کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے بہرہ نسواں کی مدیرات محترمہ صفیہ[1] بیگم شمیم ہمشیرزادی علامہ جوش مدظلہ اور محترمہ ح۔ ب صاحبہ کی مدد فرمانے اور اپنے طبقہ کی اصلاح پر نظمیں افسانے لکھ کر درد و احساس کا اظہار فرمایا ہے۔

محترمہ نازآرا بنت (عالیجناب شیخ فرمان علی صاحب ڈپٹی انہار) اور انکی ہمشیرہ محترمہ ممتاز خانم۔ ادیبہ جمیلہ جناب محترمہ انور سلطانہ ماہرخ صاحبہ۔ محترمہ ایس۔ ایس منظور زیدی محترمہ ممتاز الرشید صاحبہ ہیڈ معلمہ مدرسۃ البنات گوجرانوالہ محترمہ انور جہاں بیگم صاحبہ مستور۔ محترمہ وزیر بیگم صاحبہ حیا۔ محترمہ محمودہ خانم صاحبہ و عزیزی مریم خانم صاحبہ اور عزیزی مسرت نسیمہ صاحبہ بنت حضرت ماہر دہلوی اکے نام نامی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

مجھے کامل یقین ہے کہ قوم کی مائیں اپنی بچیوں کی اصلاح و تربیت کے لئے "دلگداز نوازی" سے کبھی بھی غافل نہ ہونگی۔ اور دلگداز تو ہر وقت اُن کی خدمت کے لئے حاضر ہے +

[1] پہلے کی نسبت اب آپکو دلگداز کیطرف زیادہ توجہ کرنی چاہئیے۔ سالانہ کی کتابت شروع ہو رہی ہے۔ مضامین کی فراہمی کے لئے ذمہ تنہا ہے۔

فہرست مضامین

جلد (۱) مقامِ اشاعت کشمیری بازار لاہور نمبر (۶)
مہتمم اعلیٰ شیخ نیاز احمد نیاز

نمبر شمار	مضمون	صاحب مضمون	نمبر صفحہ
۱	اشارات	مدیر	۱ تا ۸
	اسلامیات		
۲	حقائق القرآن	حضرت مولانا حمید الدینؒ	۹
۳	اکملیت اسلام	پروفیسر عبدالحمید صاحب	۱۲
۴	فطرت الاسلام	نواب ابو نصر صاحب مدظلہ	۱۵
۵	شکوہ	مولانا محمد اسحٰق صاحب	۲۱
۶	ہمارا اخلاقی تنزل	مولانا سید ظہور احمد صاحب	۲۷
۷	عروسِ عرب	جناب محمد یعقوب صاحب	۲۹
	ادبیات		
۸	موٹر والی	از جائنٹ ایڈیٹر	۳۲
۹	طلوع آفتاب	حضرت سید مناظر گیلانی	۳۶
۱۰	اردو ہندی	مولانا ارشد مدظلہ	۳۷
۱۱	زمزمہ تغزل	حضرت اخگر	۴۰
۱۲	فقیر	حضرت رضا ہمدانی	۴۱
۱۳	غزل	حضرت فطرت	۴۳
۱۴	مطالعہ		۴۴
۱۵	چچا نے حجامت بنائی	حضرت ایم۔ اسلم	۴۵
۱۶	غزل	حضرت آرزو	۴۸
۱۷	یاد رفتہ	جناب محمد یوسف خان	۵۱
۱۸	غزل	ایم سعید صاحب	۵۰
۱۹	اسوقت	حضرت جوش	۵۲
۲۰	نقد و بصر	جوائنٹ ایڈیٹر	۵۴

نمبر شمار	مضمون	صاحب مضمون	نمبر صفحہ
۲۱	محبت کی راہ	مولانا ظفر علی خان	۵۵
۲۲	آہ	حضرت تاہر	۵۶
	اقتصادیات		
۲۳	کساد تجارت	ایڈیٹر	۵۷
۲۴	اب وہ بزرگ کہاں		۶۰
۲۵	دوکانداری	مولانا تلقل شرقی	۶۱
	نسائیات		
۲۶	غزل	مدیرہ	۶۴
۲۷	اے مسلمہ	محترمہ مریم خانم صاحبہ	۶۵
۲۸	غزل صوفیانہ	محترمہ مستور	۶۶
۲۹	مشرق او مغرب	محترمہ ح۔ س	۶۷
۳۰	انداز بیان		۶۸
۳۱	مچھلی کے آنس کا پردہ	عزیزی آفسہ منور	۶۹
۳۲	نوائے حق	محترمہ محمودہ خانم	۷۰
۳۳	گلدستہ	جناب مکرم حسین	۷۱
۳۴	جب آپ		۷۲
۳۵	کہاوت		۷۴
۳۶	خوف اجل		۷۶
۳۷	حسن کے دیوانے		۷۸
۳۸	وہ آئے		۷۹
	انگریزی بولنے والی بیوی		۸۰

برادرانِ اسلام

رسالہ "دلگداز" پابندیٔ وقت کے ساتھ شہر لاہور سے ہر انگریزی ماہ کی پندرہ تاریخ کو شائع ہوکر قدر دانوں کے خجستہ ہاتھوں کو چومنے کا شرف حاصل کرتا ہے۔ مسلسل چھ مہینے سے ناظرینِ "دلگداز" دلگداز کی پالیسی اور اسکے مقاصد سے بالاستیفا واقفیت بہم پہنچا چکے ہوں گے۔

اسلامیات ۔ پہلا حصہ ہے جسمیں مذہب اسلام کی تبلیغ اور رائت اسلام کے بلند کرنے والوں کے بلند اخلاق سے نونہالان قوم کو استفادہ کرنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ علمائے کرام ازلبس محنت سے مضامین تیار کرتے ہیں۔

ادبیات ۔ دوسرا حصہ ہے جسمیں بلند پایہ نظمیں ۔ غزلیں ۔ افسانے ۔ ادب لطیف ۔ غیر زبانوں کے مفید مضامین کے تراجم ہوتے ہیں ۔ جو ملک کے نامور ادبا و شعرا کی دنیائے خیالات وجذبات کا خوشنما مرقع ہوتے ہیں۔

اقتصادیات ۔ تیسرا حصہ ہے ۔ جو معاشیات پر ٹھوس اور پُر اثر مقالے پیش کرتا ہے۔

نسائیات ۔ چوتھا حصہ ہے ۔ جو اسلام کی بیٹیوں کو اسلام ۔ ادب ۔ اخلاق ۔ صنعت اور دستکاری کے لئے وقف ہے۔

آپ اس کے مطالعہ سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ پرچہ بلا رو رعایت کتنا مفید ہے۔ اور آپ اس گرانیٔ کاغذ کے زمانے میں بنظرِ انصاف اسکے سالانہ چندہ ؎ پر غور فرمائیں۔ ہم قومی خدمت کو اپنے نقصان سے زیادہ اہمیت دیتے ہوئے اپنی کوششوں میں صبح و شام مصروف ہیں اگر آپ صرف ایک ایک خریدار اور بہم پہنچا دیں تو "دلگداز" بیش از پیش خدمت کرنے کے لئے خم ٹھونک کر میدان میں ڈٹ جائے ۔ اور وہ خدمت کرے جو آپ کے لئے موجب افتخار و ناز ہو۔

امید ہے کہ جملہ برادرانِ اسلام توجہ فرمائیں گے ۔ والسلام

(مینجر)

حقائق القرآن

مذہبِ عشق از ہمہ ملت جداست
عاشقاں را مذہب و ملت خداست

(گذشتہ سے پیوستہ)

از حضرت مولانا حمید الدین صاحب فراہی رح

اسم اللہ کا مفہوم باپ ماں کے مفہوم سے بدرجہا ارفع ہے

(۱۴) اسی اولیت سے یہ بات بھی صاف ظاہر ہوگئی کہ جس قدر ہماری ذات کے ساتھ رشتے بندھے ہیں۔ مثلاً والدین اولاد خویش واقارب دوست دشمن وغیرہ ان سب کے علائق بمقابلہ اس تعلق کے جو ہم کو خدائے پاک کے ساتھ ہے بالکل ہیچ ہیں عارضی بے ثبات اور پھر طرفہ یہ کہ اسی خدا کے بخشے ہوئے ہیں بالکل خلاف عقل وخلافِ انصاف ہوگا اگر ہم اس اعلیٰ نسبت کو زیادہ سے زیادہ باپ کے رشتہ کے برابر سمجھیں۔ ماں باپ کا تصور ایک ناقص مثال اس اسم اعظم مبرا کی ہو سکتی ہے اور مذہب کی ابتدائی الف۔ ب سیکھنے کے زمانہ میں اس سے کچھ کام لیا جا سکتا ہے۔ مگر جب اس اسم مقدس کا اعلیٰ فہم دے دیا گیا تو پھر اس کو باپ باپ کہتے رہنا صرف اسی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ باپ سے اعلیٰ مفہوم نہیں سمجھا۔ یعنی اللہ کا مفہوم نہیں پایا۔ جیسی احمق وہ لڑکی ہوگی۔ جو عروسی کے وقت بھی اسی گڑیوں کے کھیل میں محو رہے۔ بے شبہ اس نے ابتک نہیں جانا کہ دولہا کسے کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ نصاریٰ کے پاس کوئی لفظ نہیں جس کو اسم مقدس کہیں۔ وہ ایک ہی لفظ کو اللہ اور فرشتہ اور حاکم اور امیر کے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔ جب وہ مریم علیہا السلام کو خدا کی ماں کہتے ہیں تو ہمارا دل تھرا جاتا ہے۔ اللہ اکبر کہاں شان کبریائی اور کہاں یہ کودکی۔ اگر اسم مقدس کے مفہوم کو جانتے تو ہرگز یہ کلمہ ان کی زبان سے نہ نکلتا۔

(۱۵) لیکن باوجودیکہ ہمارے لئے یہ تعلق تمام رشتوں سے زیادہ دلپسند ہے کہ ع

ہم اسکے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

تاہم اسکی "بے ہمگی" کا مفہوم ہم کو مغرور نہیں ہونے دیتا اس کی بے غرض اور بے انتہا رحمت کا شکر کرتے ہیں مگر اس کو درجۂ الوہیت سے اتار کر باپ بھائی نہیں بناتے "بے ہمہ" سے جو مفہوم سب سے اول ذہن میں آتا ہے وہی ہے دوسرے مفہوم اسکے بعد ذہن میں آتے ہیں اور اسلئے گمراہی کا رستہ پہلے سے بند کر دیا ہے۔

(۱۶) پس جو مفہوم کہ اسم مقدس اللہ کے اندر کبریائی اور اولیت اور خالقیت مطلقہ اور رحمت عامہ اور حقیقی محبوبیت کا تھا وہ سب اس کلمہ سے سمجھا گیا اور یہ معانی اس سے درجہ بدرجہ حاصل ہوئے ہیں۔ اسی لئے پہلے معنی کے سوا دوسرے معنی اس لفظ سے بغیر تفکر اور تدبر کے سمجھ میں نہیں آتے۔ مگر قرآن ہم کو تاکید کرتا ہے کہ تدبر اور تفکر سے کام لو اور بے شمار آیتوں میں اس کا ذکر ہے کہ عقل کی عبادت یہی ہے کہ سوچے (التفکر عبادة العقل)

شرح الصمد

(۱۷) بعضے وہ معنی جو بے ہمہ میں جھلکتے تھے اور اس سے تبذیر سمجھے جاتے تھے۔ اسے باہمہ نے روشن کر دیا۔ محض اسکی "بے ہمگی" اور بے نیازی کو خیال کر کے بعضے لوگوں نے تنگ فہمی کی وجہ سے اسکی بے شمار نعمتوں پر بھی کچھ توجہ نہ کی اور اسے ایک بے پروا گوشہ نشین علت العلل سمجھ لیا۔ پس ان کی غلطی دور کرنے کے لئے اسکی باہمگی کی تصریح کی حاجت ہوئی۔ خود بے شک بے نیاز ہے مگر سب کی دستگیری اور خبرگیری کرتا ہے۔ نصرت اور مدد اور تسلی کا اعلیٰ قبلہ کوئی اس کے سوا ہو ہی نہیں سکتا۔ تمام قوت اور تمام احسان کا سرچشمہ ہونے کے ساتھ جب انکو عطا کرتا ہے۔ مانگنے کی خواہش بھی وہی بخشتا ہے یعنی بلوا کر بخشش کرتا ہے۔ بلکہ بن مانگے دیتا ہے۔ لیکن اگر کوئی قبول نہ کرے تو یہ کام اس کے دائرۂ عمل سے باہر ہے بندگی تو تمہیں کرو گے تمہاری طرف سے وہ بندگی نہیں کر سکتا اور تعجب آتا ہے کہ کیونکر نصاریٰ مانتے ہیں کہ اس نے خود اپنے تئیں ہمارا کفارہ کر دیا۔ اگر یہ ممکن ہوتا تو ہماری طرف سے نیکی کر دیتا بلکہ اپنی انتہا نیکیوں کو ہمارا کفارہ بنا دیتا۔

لغوی معنی الصمد

(۱۸) کلمہ صمد جس کا ترجمہ باہمہ کیا گیا اصل وضع میں بڑی چٹان کو کہتے ہیں۔ اور چونکہ دشمنوں کے حملہ کے وقت اسکی پناہ پکڑتے ہیں۔ اسلئے سردار کو جو قوم کی پشت پناہ ہو اور سب لوگ اسی کی طرف متوجہ ہوں صمد کہنے لگے۔ زبور اور دیگر کتب مقدسہ میں خدائے تعالیٰ کو اکثر چٹان اور مدد کی چٹان کہا گیا ہے (اسکی سند بیں اصل کتاب نظام القرآن میں ہیں)

بلاغت ترکیب صفت احد و صمد

احد (بے ہمہ) اور صمد (باہمہ) دو ثبوتی صفتیں ہیں۔ اور بظاہر متقابل ہیں مگر خدائے پاک کی تمام صفتیں ایک ہی ذات کے مختلف مظاہر ہیں۔ ایک پر غور کرو تو دوسری سب اسمیں شامل ہو جاتی ہیں مختلف صفات سے اسکو مرکب سمجھنا غلطی ہے لیکن جو کچھ تقابل ہے وہ بنظر ظاہر ہے جیسا کہ بے ہمہ کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے۔

احد اور صمد دو صفتوں کے ساتھ ساتھ ذکر کرنے سے ظاہر طور پر ان شبہوں کو دور کر دیا جو راہ مستقیم سے ادھر ادھر ہٹا سکتے تھے اور ان بظاہر متقابل صفتوں کو مثل دو آئینہ متقابل کے یکجا کر کے معرفت الٰہی کا جلوۂ کامل دکھا دیا

۔ درحقیقت وہاں چونکہ دوئی کا شائبہ نہیں ہے ۔ اسلئے
ان دونوں صفتوں کو ایک ساتھ تصور کرنا اور دونوں کے اثر
سے جو حالت معتدل ہیں الخوف والرجا پیدا ہوتی ہے اُس پر
ثابت رہنا نہایت مشکل کام ہے ۔ صفاتِ باری میں تقابل کو
جمع کرنا اسلئے مشکل ہے کہ اُسکی ہر صفت غیر متناہی ہے اور
اسی وجہ سے مجوسی کی عقل اُسکی متحمل نہ ہوئی اور دو خدا مان لئے
اور ہمزاد نے بلا ضرورت اہرمن فرض کر لئے ۔ زندگی بخشنے والا ۔
زندہ رکھنے والا ۔ زندگی لینے والا ۔

اگر سبب دوئی آئی کمال جاتا رہا ۔ کمال کے ساتھ بقا بھی
رخصت ہوئی پس ایک خیال خام کو خدا بنا لیا جس کا کچھ
بھی وجود نہیں ۔ معدوم محض سے جی لگا کر ہلاکت کے سوا
اور کیا مل سکتا ہے ۔

مشکلات

اکثر دنیا میں انسانوں پر مصیبتیں اور مشکلیں آتی ہیں
مردانِ خدا نہایت پامردی سے اُن کا مقابلہ کرتے ہیں مسلم
نمازیں پڑھتے اور دعائیں مانگتے ہیں ۔ وظیفے اور ورد کرتے ہیں ۔

اکرم ۔ میں گھر سے بھاگ گیا تھا ۔ میری والدہ کو سخت
صدمہ ہوا ۔ بیان کرتے ہیں کہ میری اماں نے ایک ایسا وظیفہ
کیا جو از حد کٹھن تھا ۔ یہ درست ہے کہ جس روز میری والدہ
نے وظیفہ شروع کیا ۔ اُسی دن سے میرے قلب پر اس کا
اثر شروع ہوا بعض اوقات تو دل سخت پریشان ہونے
لگتا ۔ آخر میں سخت اداس ہو گیا اور واپس گھر لوٹ آیا ۔

محمود ۔ میرا باپ وکیل ہے ۔ اور اس نے کئی عورتیں
کیں میں بھی تمہاری طرح اپنی والدہ کا اکلوتا بیٹا تھا ۔ باپ
تو کچھ عیش پسند واقع ہے اور والدہ خدا پرست ۔

جب میری شادی ہوئی تو میری بیگم نے مجھے روپے
کے جائز مصرف سے اور ناجائز سے روکنے کی ازحد
کوشش کی ۔ جیسے کہ والدہ کو بھی خرچ نہ دینے کی تلقین
کی میں سٹ پٹایا اور میں نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا ۔ مگر
رفتہ رفتہ بیگم کی محبت غالب آگئی اور میں نے اس کی
ابروؤں کے اشاروں پر ناچنا شروع کر دیا ۔

کبھی کبھار میں والدہ کو ملنے جاتا تو وہ بہت سمجھاتی
مگر انگریزی فلسفہ پڑھے ہوئے اسلامی فلسفہ کے کب قائل
ہوتے ہیں ۔ یہی میرا حال تھا ۔ اب تو مہینوں اماں کے ہاں میں
نہ جاتا ۔

آخر میری والدہ نے تنگ آکر مندرجہ ذیل کتابیں بازار
سے منگوائیں اور وظائف و اوراد میں مصروف ہوئی ۔ آج ان
کے اثرات ایسے ہیں کہ میں ایک قدم بھی بغیر ان کے حکم کے
نہیں چلتا ۔ اور یہ سب کتابیں شیخ غلام علی اینڈ سنز تاجران
کتب کشمیری بازار لاہور سے مل سکتی ہیں ۔ :

دعائے گنج العرش مجلد بارہ ۴ر کلاں ۱۲ر دلائل الخیرات ۔ مجموعہ
وظائف قادری ۱۲ر ۔ نماز مترجم کلاں حاشیہ دار ۱۰ر ۔ نماز مترجم
خورد معہ درود تاج ار تصویر بارہ امام ۔ گنج العرش رنگین نورنامہ
عہدنامہ ۔ مہر نبوت ۔ ہفت ہیکل فی ایک پیسہ ۔ عہدنامہ مترجم
کلاں ۔ رجواہر القرآن مترجم حاشیہ دار ۴ر درود مستغاث کلاں ۱ر

اکملیتِ اسلام

(پروفیسر مولانا عبدالحمید صاحب مبلغ اسلام)

(گذشتہ سے پیوستہ)

اسلامی تعلیمات کی امتیازی شان

اگرچہ رہبانیت[1] کو اسلام نے خارج کیا ہے اور حسنِ معاشرت کے متعلق احکام دئے ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی ہدایت کی ہے کہ بالکل دنیا میں منہمک نہ ہو جاؤ۔ کیونکہ دنیا کی زندگی دھوکے کی ٹٹی[2] ہے۔ نماز روزہ۔ حج وغیرہ ارکان اسلام کی تاکید کی ہے اور ظاہری ارکان پر بھی زور دیا لیکن ساتھ ہی یہ بھی حکم دیا کہ نیکی کے یہی معنی نہیں کہ نماز کے لئے پورب پچھم کو منہ پھیر دیا۔ بلکہ اللہ کی محبت میں عزیز و اقارب یتیموں محتاجوں مسافروں کو اپنا مال دینا۔ غلاموں کو آزاد کرنا۔ زکوٰۃ دینا۔ نماز پڑھنا اپنے عہد کو پورا کرنا سختی اور تکلیف میں ثابت قدم رہنا اسلام کی سچی روح[3] ہے۔ آپ بتائیں کہ اس سے بڑھ کر نیکی کی کیا تعریف ہو سکتی ہے نیکی کا دارومدار محض ظاہری ارکان پر ہی نہیں ہے بلکہ خدا کی سچی محبت اور انسانوں کے ساتھ سچی ہمدردی اور ایثار میں ہے۔ اسلام کی بڑی خوبی یہی ہے کہ دنیا و آخرت مادی اور روحانی عالم دونوں کی رعایت رکھتا ہے اور جب انسان ظاہری ارکان اور اصولوں کا پابند ہو گیا تو پھر نیکی کے معنی اس کے لئے وسیع ہو جاتے ہیں، اور وہ آگے قدم رکھتا ہے اور اس کا روحانی احساس قوی ہونے لگتا ہے۔ خود آقائے مدنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایک بہترین نمونہ ہے۔ اسی لئے کہا گیا

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

عملی نمونہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک بیان کرتے ہیں کہ آپ سر کے نیچے کملی رکھے ہوئے کعبہ کے سائے

[1] لا رہبانیۃ فی الاسلام [2] وما الحیوٰۃ الدنیا الا متاع الغرور [3] لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق و المغرب ولکن البر من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر والملٰئکۃ والکتٰب والنبیین واٰتی المال علیٰ حبہٖ ذوی القربیٰ والیتٰمیٰ والمسٰکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب واقام الصلوٰۃ واٰتی الزکوٰۃ والموفون بعھدھم اذا عاھدوا والصٰبرین فی البأساء والضراء وحین البأس اولٰئک الذین صدقوا واولٰئک ھم المتقون

میں لیٹے ہوئے تھے۔ آپ نے مشرکوں سے بہت کچھ ایذا اور تکلیف پائی تھی میں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ کفار کے لیے بددعا کیوں نہیں کرتے۔ یہ سن کر آپ اٹھ بیٹھے اور آپ کا چہرہ سرخ ہوگیا اور فرمانے لگے۔ اگلے لوگوں میں ایسے ایسے بزرگ گزرے ہیں کہ بے دین لوگ ان میں سے کسی کو زمین میں گڑھا کھود کر کھڑا کر دیتے تھے۔ اور اس کے سر پر آرہ چلا کر اسے دو ٹکڑے کر ڈالتے تھے لیکن اس قدر تکلیف بھی اس بزرگ کو دین سے نہ پھیر سکتی تھی اور ان کے جسم کی لوہے کی کنگھی اس سختی سے کھینچتے تھے کہ وہ اس کے گوشت کو چھیل کر کے پٹھے اور ہڈیوں تک پہنچتی تھی مگر یہ سختی اسے دین سے نہ پھیر سکتی تھی۔

سبحان اللہ! بہت قدر ہے کی اس سے بڑھ کر اور کیا تعلیم ہو سکتی ہے۔

معاملات

اسلام نے تمام تعلیمات میں اعتدال کو مدنظر رکھا ہے۔ خواہ عبادات میں ہو یا معاملات میں مثلاً یہ فرمایا ہے کہ برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے۔ بدلہ لو تو اس میں اسی قدر تکلیف دو جتنی تمہیں پہنچی تھی۔

لیکن اگر صبر کرو۔ درگزر کرو۔ معاف کرو۔ اور بخش دو تو اللہ نہیں دوہرا اجر دے گا۔ اور اللہ ایسے لوگوں کو دوست رکھتا ہے اس کو بار بار مختلف مقامات میں آیات سے بیان کیا ہے اور برائی کے مقابلہ میں عفو کو درجہ بہت بڑھا دیا ہے۔ آخر یہاں تک کہہ دیا کہ تم کو ہکا دو۔ خیل کا رواج۔ دشمنوں اور مخالفوں سے شیوہ عفو غفران اختیار کرو گے تو تمہاری خطاؤں سے درگزر کریگا یعنی بدلہ لینا اگرچہ انسان کی عادت میں داخل ہے اور مقتضائے عدالت ہے لیکن اخلاق کریمانہ کا یہی مقتضا بھی ہے کہ برائی کے عوض بھلائی کرو اور عموماً درگزر کرو پھر یہ بھی فرمایا ہے کہ بری بات کا جواب ایسا کہو جو سب سے بہتر ہو۔

ایک جگہ فرمایا کہ نیکی اور بدی برابر نہیں ہو سکتی۔ برائی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کرو کہ وہ بہت ہی اچھا ہو۔ اگر ایسا کرو گے تو تم دیکھ لو گے کہ تم میں اور کسی شخص میں عداوت تھی تو اب ایک دم سے گویا وہ تمہارا دلسوز دوست ہے اور حسن مدارات کی توفیق نہیں لوگوں کو دی جاتی ہے جن کے نصیب بڑے ہیں۔

عدل کا بہترین نمونہ

یہی سمجھایا ہے کہ کسی قسم کی عداوت تم کو عدل کرنے سے باز نہ رکھے اور کسی جماعت کی دشمنی تم کو انصاف کرنے سے نہ روکے تم اپنے دشمن اور دوست سب سے عدل و احسان اور انصاف کا برتاؤ کرو چنانچہ فرمایا ہے۔ اے ایمان والو رشتہ دار غریب اور مسافر کے حقوق دیتے رہو اور دولت کو بے جا نہ اڑاؤ۔ دولت کو بے جا صرف کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکر گزار ہے۔ اگر تم کو اپنے پروردگار کے فضل کے انتظار میں جس کی تم کو توقع ہے ان سے منہ پھیرنا پڑے تو نرمی سے ان کو سمجھا دو۔

اپنا ہاتھ اتنا نہ سکیڑو کہ گردن میں بندھ جائے اور نہ بالکل ایسے پھیلا ہی دو کہ تم تہی دست ہو کر لوگوں کی ملامت سننے بیٹھو۔

لہ وجزاؤ سیئة سیئة مثلھا فمن عفا واصلح فاجرہ علی اللہ (شوریٰ) وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ ولئن صبرتم فھو خیر للصابرین۔

لہ فاعف عنھم واصفح ان اللہ یحب المحسنین (مائدہ) ولیعفوا ولیصفحوا الا تحبون ان یغفر اللہ لکم

لہ ادفع بالتی ھی احسن (مومنون) ولا تستوی الحسنة ولا السیئة ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوة

اخوت و مساوات

پھر اسلام نے ایک دوسری تعلیم دی جو تمدن کی جان اور ترقی عالم کی روح رواں ہے فرمایا ہے۔ انما المومنون اخوۃ۔ یعنی مسلمان سب بھائی بھائی ہیں۔ یہ بات صرف اسلام میں پائی جاتی ہے کہ ایک ادنیٰ غلام اور ایک شہنشاہ برابر ہے اور یہ صرف قول ہی نہیں بلکہ ابتدائے اسلام سے لے کر اب تک اس پر عمل جاری ہے اور یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے غلام بھی بڑے بڑے شاہنشاہ ہوگزرے ہیں۔ اسلام میں داخل ہوتے ہی غیر شخص برادری کا بھائی ہوجاتا ہے اور اس کے حقوق سب کے برابر ہوجاتے ہیں۔ اسلام کی یہ تعلیم جادو کا اثر رکھتی ہے۔ اور اس نے اشاعت اسلام میں بہت بڑی مدد دی۔ اس کی تازہ ترین مثال علامہ خالد لطیف گابا کا مشرف بہ اسلام ہونا ہے۔

دنیا میں جتنی اقوام ہیں ان کی تقسیم محض جادو جغرافیہ کی رو سے ہے لیکن مسلم اس تنگ اور ادنیٰ امتیاز سے بلند تر ہیں وہ سب ایک ہیں خواہ کہیں ہوں افریقہ کا حبشی۔ عرب کا بدوی۔ ہندوستان کا برہمن۔ یورپ کا فرنگی مصر کا فلاح غرض دائرہ اسلام میں داخل ہوتے ہی یہ سب کمزور اور عارضی امتیاز اٹھ جاتے ہیں اور وہ ایک ہوجاتے ہیں مسلمان کہیں ہو۔ اور کوئی ہو مسلمان ہے اس کا وطن سارا عالم اور اسکی برادری سب مسلمان ہیں خدا فرماتا ہے۔

سب مل کر مضبوطی سے اللہ کا ذریعہ پکڑے رہو۔ اور ایک دوسرے سے الگ نہ ہو جاؤ۔ اللہ کا وہ احسان یاد کرو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اور اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کی اور اسکے فضل سے تم بھائی بھائی ہوگئے[۵]

عالمگیری

اس سے بھی بڑھ کر اعلیٰ اور افضل ایک اور بھی اسلام کی تعلیم ہے جو درحقیقت تمام عالم کے لئے صلائے عام ہے حضور نے فرمایا من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ[۴]۔ اس سے بڑھ کر کامل وسیع اور عالمگیر اصول کسی دین اور مذہب میں نہیں پایا جاتا اسلام نے اپنا دائرہ اسقدر وسیع کردیا ہے کہ اس سے زیادہ وسیع ہونا ممکن ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کا ہمیشہ بول بالا رہیگا اور دنیا پر اسکی حکومت بلحاظ اصولوں کے ہوگی۔ گویا اسلام نے مذہب کی تکمیل کردی اور خدا کی نعمت کو سارے عالم پر پھیلا دیا۔ اس کا مشرب اسقدر ہمہ گیر اسکے اخلاق اسقدر پاکیزہ اور اسکی تعلیم اسقدر پاکیزہ اور اسکی تعلیم اسقدر اعتدال پر مبنی اور انسانی طبائع کے مناسب اور انسانی ترقی کی ممد ہے کہ دنیا کی مادی اور روحانی ترقی کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں ہوسکتا۔

غرض اسلام ہی وہ مذہب ہے جو مادی اور روحانی ترقی۔ دنیاوی تمدن اور اخروی راحت۔ عقل اور جذبات میں توازن اور توافق قائم رکھنے والا ہے۔

اخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین +

فٹ نوٹ بقیہ:۔

[۳] کانہ ولی حمیم وما یلقٰھا الا ذو حظ عظیم (حم سجدہ ۳۵)

[۴] جس نے کلمہ پڑھ لیا وہ جنت میں داخل ہوگیا۔

[۵] واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا ط

فطرت الاسلام

عالیجناب صفی الدولہ حسام الملک نواب ابونصر سید محمد علی حسن خان بہادر مدظلہ

گذشتہ سے پیوستہ

مسلسل

سچے مذہب کی شناخت اور فطرتِ الٰہی کا بیان

س۔ اچھا تو پھر وہ حقیقی سچائی کیا ہے جس کے ذریعے سے ہم مختلف مذہبوں میں سے سچے مذہب کو پرکھ سکیں؟

ج۔ وہ حقیقی سچائی فطرت وعقل ہے جس پر خداوند تعالیٰ نے مذہب اسلام کی بنیاد رکھی ہے۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔ یہ خدا کی بنائی ہوئی سرشت ہے جس پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ خدا کی بنائی ہوئی بناوٹ میں ردوبدل نہیں ہوسکتا۔ یہی دین کا سیدھا رستہ ہے مگر اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔ حدیث ابوہریرہؓ میں ہے:۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من مولود الا یولد علی الفطرۃ فابواہ یہودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ کما تنتج البہیمۃ بہیمۃ جمعاء ہل تحسون فیہا جدعاء ثم یقول فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا الآیۃ متفق علیہ۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر ایک آدمی فطرت سلیمہ ہی پر پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا لیتے ہیں جس طرح ایک چوپایہ جانور کا بچہ بھی چوپایہ اور صحیح الاعضا پیدا ہوتا ہے لیکن تم دیکھتے ہو کہ لوگ اس کی ناک، کان وغیرہ کاٹ کر ناقص الخلقت بنا دیتے ہیں۔ اس حدیث کی صحت پر بخاری اور مسلم دونوں کا اتفاق ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام نوزائیدہ بچے عام اس سے کہ وہ کسی ملک اور کسی نسل و قوم کے ہوں فطرت پر پیدا ہوتے ہیں لیکن بعد میں وہ اپنے والدین کے طرز عمل سے متاثر ہوکر یہودیت یا عیسائیت یا مجوسیت کو بطور ایک عارضی صفت کے اخذ کر لیتے ہیں اگر ان بچوں کو ان کی فطری حالت پر چھوڑ دیا جائے۔ اور کسی مذہب خاص کی باتیں ان کے کان پر نہ ڈالی جاویں تو وہ سن بلوغ پر پہنچ کر جب بطور خود کوئی مذہب اپنا قرار دینا چاہیں گے تو حسب اقتضائے فطرت ان کو مذہب اسلام ہی قبول کرنا پڑے گا۔ اس بات کے سمجھنے کے لئے لازم ہے کہ ہم فطرت کے معنی پر غور کریں اور اصول اسلام

کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ جو عین فطرت پر مبنی ہیں۔ فطرت
کے معنی ہیں سرشت۔ طبیعت۔ جبلت۔ خاصیت۔ قوت
نیچر یہ ایک بہت بڑا علم ہے جس کو ہماری زبان میں علم طبیعات
اور انگریزی میں اسکو نیچرل سائنز کہتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے
اس عالم کائنات کو (جس میں کہ ہم رہتے ہیں) اور جو چیزیں کہ
اس میں پیدا کی ہیں جمادات۔ نباتات۔ حیوانات۔ ان سب کو
ایک مادہ سے بنایا ہے اور ان کے وجود۔ بقا۔ ترقی اور تنزل
کے اسباب پیدا کئے ہیں جن کو علل کہتے ہیں۔ ان علتوں میں خدا
نے ایک خاص ترتیب اور سلسلہ رکھا ہے۔ دنیا کی کوئی چیز
اور کوئی واقعہ بغیر علت یعنی سبب کے وجود میں نہیں آتا جو
چیز کسی علت یعنی سبب سے ظہور میں آتی ہے اسکو معلول
کہتے ہیں اسی علت اور معلول کے سلسلہ کے انتظام کو جس پر
تمام مادی اور غیر مادی چیزوں کا وجود مبنی ہے قانون فطرت
قانون قدرت۔ لاء آف نیچر۔ عادت الٰہی اور سنت اللہ
کے لفظ سے تعبیر کیا کرتے ہیں۔ اس قانون میں کبھی کسی قسم کا تغیر
وتبدل نہیں ہوتا۔ اگر اس میں ذرا بھی رد و بدل ہو تو تمام دنیا
کا کارخانہ درہم برہم ہو جاوے چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔
انا کل شی خلقناہ بقدر یعنی ہم نے ہر چیز کو ایک
اندازہ پر پیدا کیا ہے کل شئ عندہ بمقدار ہر چیز خدا
کے نزدیک ایک اندازہ پر ہے لا تبدیل لخلق اللہ خدا
کی پیدائش میں تبدیلی نہیں ہوتی فلن تجد لسنۃ اللہ
تبدیلا نہ پاوے گا تو اللہ کی سنت میں ادل بدل لن
تجد لسنۃ اللہ تحویلا تو نہ پاوے گا اللہ کی سنت میں الٹ
پھیر۔ نباتات کو دیکھو کہ خداوند تعالیٰ نے اپنے قانون قدرت
کے مطابق ان میں سے ہر ایک قسم کے لئے ایک صورت نوعی
مقرر کی ہے اور اس صورت نوعی میں مختلف افعال اور
خاصیتیں رکھی ہیں جو اس سے جدا نہیں ہوتیں۔ مثلاً
نارنگی کا درخت ایک خاص شکل و صورت و ذائقہ اور خاصیت
رکھتا ہے۔ انجیر کا درخت اس کے برخلاف ایک دوسری
قسم کی شکل و صورت و ذائقہ اور خاصیت رکھتا ہے اگر خدا
کا یہ قانون قدرت مقرر نہ ہوتا اور اس میں رد و بدل ہوا کرتا۔ تو
انتظام عالم کا قیام اور ذی روح مخلوقات کی زندگی دشوار
ہو جاتی کیونکہ بعض نباتات میں سمیت اور زہر قاتل ہونے کی
خاصیت ہوتی ہے اگر یہ خاصیت بدلتی رہتی تو کبھی گیہوں
اور گوشت و ترکاریاں لوگوں کی ہلاکت کا باعث ہوا کرتیں
اور کبھی سنکھیا وغیرہ زہریلی چیزوں کا استعمال لوگوں کی
بقائے زندگی کا باعث ہوا کرتا۔ حیوانات پر نظر ڈالو جن کی
بے شمار قسمیں ہیں۔ ان میں ہر ایک قسم کی ایک نوعی
صورت ہے اسی نوعی صورت کے مناسب ان کی معیشت
کے جدا جدا طریقے ان کے توالد و تناسل کے علیحدہ
علیحدہ اصول اور ان کے اعضا کی مختلف بناوٹیں رکھی گئی
ہیں۔ جو ان کی بقائے زندگی کے لئے کارآمد ہوتی ہیں۔ بعض
حیوانات کو ان کے مناسب حال زور و توانائی کا حصہ ملا ہے
اور بعض حیوانات جو کمزور اور ضعیف الخلقت ہیں ان کو بقائے
زندگی کے واسطے اور دشمنوں سے محفوظ رہنے کے لئے
بھاگنے اڑنے اور مختلف قسم کے مکر و فریب کی قوت دیگئی
ہے۔ چیونٹی کی قوت شامہ اور بئے کی عجیب و غریب کاریگری
یعنی ریاضی کے قاعدہ سے گھونسلا بنانا یہ سب باتیں خدا
نے اپنے قانون قدرت کے مطابق ان کو عطا فرمائی ہیں انہیں
کبھی رد و بدل نہیں ہوتا۔ اسی طرح اب بنی نوع انسان پر
اور اسکی زندگی کے مختلف دوروں پر غور کرو۔ قدرت نے
انسان کو تمام موجودات عالم سے اشرف و ممتاز بنایا ہے۔"

شرف و امتیاز انسان کو اس کی عقلی اور اخلاقی قوت کے سبب سے حاصل ہوا ہے۔ جو انسان کی صورت نوعی کے ساتھ مخصوص ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم پیدا کیا ہے ہم نے انسان کو بہتر سے بہتر ساخت میں ولقد کرمنا بنی آدم وحملناهم فی البر والبحر ورزقناهم من الطیبات وفضلناهم علی کثیر من خلقنا تفضیلا اور البتہ ہم نے بنی آدم کو عزت دی اور خشکی و تری میں ان کو جانوروں اور کشتیوں پر سوار کیا اور عمدہ عمدہ چیزیں انہیں کھانے کو دیں اور جتنی مخلوقات ہم نے پیدا کی ہے ان میں بہتیروں پر ان کو برتری دی۔ انسان کو تمام حیوانات پر جو کچھ تفوق ہے وہ یہی ہے کہ قدرت نے اسکو بہ نسبت دیگر حیوانات کے عقلی و اخلاقی قوت لامحدود عطا کی ہے اور اسکی ذات میں اس امر کی استعداد اور قابلیت رکھی ہے کہ وہ اس عالم کے واقعات اور کیفیات پر غور و تامل کرکے قوانین قدرت کا سراغ لگائے اور جو قوتیں ظاہری اور باطنی اس کو فطرت سے ملی ہیں ان کو قانون قدرت کے مطابق کام میں لا کر انسانی کمالات کے اعلیٰ مدارج پر پہنچنے کی کوشش کرے۔ خدا نے تعالیٰ فرماتا ہے وفی الارض آیٰت للموقنین وفی انفسکم افلا تبصرون زمین میں نشانیاں ہیں یقین حاصل کرنے والوں کے لئے اور خود تمہاری ذاتوں میں نشانیاں ہیں مگر تم دیکھتے نہیں انسان پر اس کی زندگی میں صحت و بیماری۔ خوشحالی و مفلسی۔ علم و جہالت۔ عزت و ذلت۔ قوت و ضعف اور ہر قسم کی بدبختی اور خوش نصیبی کی مختلف حالتیں جو شخصی اور قومی حیثیت سے نوبت بہ نوبت گزرا کرتی ہیں وہ سب قوانین قدرت کے تابع اور اسی عقلی و اخلاقی قوت کی ترقی و تنزل کے نتیجہ ہوا کرتے ہیں ان میں کبھی کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہو سکتی ذلک بان اللہ لم یک مغیرا نعمۃ انعمھا علی قوم حتی یغیروا ما بانفسھم یہ سزا ان لوگوں کو اس وجہ سے دی گئی۔ کہ جو نعمت خدا نے کسی قوم کو دی ہو جب تک وہ لوگ آپ ہی اپنی صلاحیت کو نہ بدلیں خدا (کی عادت) نہیں کہ (انہیں کچھ) رد و بدل کرے۔ دوسری جگہ فرماتا ہے ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم جو نعمت کسی قوم کو (خدا کی طرف سے) حاصل ہو جب تک وہ (قوم) اپنی ذاتی صلاحیت کو نہ بدلے خدا اس (نعمت) میں کسی طرح کا تغیر (و تبدل) نہیں کیا کرتا۔ ان کے علاوہ فطرت الٰہی اور قوانین قدرت کے مطالعہ کرنے سے جس طرح دنیا کے انتظام میں عجیب و غریب کاریگری اور با قاعدہ ترتیب کا پتہ لگتا ہے۔ قدرت کے مخفی خزانوں پر انسان کو اطلاع ہوتی ہے۔ زندگی کے راز اور دنیا کے پوشیدہ فوائد انسان پر کھلتے ہیں اور انسان یہ جاننے لگتا ہے کہ قدرت نے اسکو تمام موجودات عالم میں تصرف کرنے اور آگ۔ پانی اور بجلی اور ہوا وغیرہ سب کو اپنے قابو میں لانے کو قوت عطا کی ہے چنانچہ ریل انجن۔ تاربرقی۔ فوٹوگراف۔ ٹیلیفون۔ گراموفون وغیرہ سب اسی قوت کے کرشمہ ہیں۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ وسخر لکم ما فی السموٰت وما فی الارض جمیعا منہ ان فی ذلک لآیات لقوم یتفکرون اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اسی نے (اپنے کرم) سے ان سب کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے بے شک (ان باتوں) میں (قدرت خدا کی) بہتیری ہی نشانیاں ہیں (مگر) ان ہی لوگوں کے لئے جو (غور و فکر کو کام

میں لاتے ہیں۔ اسی طرح فطرت الٰہی اور قوانین قدرت پر
بغور ملاحظہ کرنے سے انسان کو ان روحانیات کا علم بھی
حاصل ہوتا ہے۔ جو اصلی احکام مذہبی ہونے کا شرف اور
رتبہ رکھتے ہیں۔ مثلاً ہستی مطلق اور علت العلل جس کو خدا
کہتے ہیں اس کی ذات وصفات کا علم تہذیب اخلاق وغیرہ
اس عالم کائنات کا ذرہ ذرہ روز ازل سے زبان حال کے ساتھ
اس ہستی مطلق کے وجود پر شہادت دے رہا ہے۔ اور
اس پاک ہستی کی روشنی کی جھلک انسانوں کے دل پر ڈالتا
رہتا ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ فرماتا ہے اللہ نور السمٰوٰت
والارض اللہ روشنی ہے آسمانوں کی اور زمین کی یعنی
جس طرح ظہور تمام چیزوں کا روشنی پر موقوف ہو جب تک
روشنی نہ ہو کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ اسی طرح تمام عالم کائنات
کا وجود خدائے تعالیٰ کے وجود اور اسکی صفات کمال کے
ساتھ جو عین ذات میں قائم ہے سچ کہا ہے کہ خدا کا ماننا انسان
کی فطرت میں داخل ہے اگر آدمی معبود حقیقی کی پہچان سے
بے خبر رہتا ہے تو وہ اپنے لئے مجازی معبود تلاش کر لیتا ہے

ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا
آتش پہ مغاں نے راگ گایا تیرا
دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے
انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

غرض فطرت اور قوانین قدرت کو اللہ تعالیٰ نے حق و
باطل کی تمیز کرنے کے لئے کسوٹی بنایا ہے۔ یہی کسوٹی حقیقی
سچائی ہے کیونکہ فطرت خدا کا کام ہے اور مذہب خدا
کا کلام۔ کوئی سچا مذہب جو خدا کا بھیجا ہوا ہو وہ کبھی فطرت
الٰہی اور صحیح قوانین کے برخلاف نہیں ہو سکتا نہ وہ کوئی حکم
خلاف فطرت دے سکتا ہے۔ اسی لئے مذہب اسلام
جو سچا اور خدا کا بھیجا ہوا مذہب ہے اسکی بنیاد اسی فطرت
الٰہی کے مستحکم اور زبردست اصول پر قائم ہے اور چونکہ وہ تمام
انسانوں کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہے۔ اس لئے وہ عقل
انسانی کے بھی عین مطابق ہے۔ انسان کو قوت عقل ہی کی
وجہ سے تمام حیوانوں پر برتری حاصل ہے اگر ان دونوں میں
عقل کا فرق نہ ہوتا تو ہر حیوان پر مثل انسان کے مذہب کی
پابندی لازم ہوتی۔ اسی عقل کی وجہ سے انسان مذہب پر
مکلف کیا گیا ہے۔ البتہ عقل شخصی اور عقل انسانی میں
گہرا فرق ہے عقل شخصی کے خلاف تو بہت سے سچے واقعات
ہو سکتے ہیں بلکہ ہوا کرتے ہیں لیکن عقل انسانی کے خلاف
کبھی کوئی سچا واقعہ نہیں ہو سکتا۔ ابجد العلوم میں کیا اچھی بات لکھی
ہے۔ کہ نقل یعنی مذہب کی سچائی کا ثبوت خود عقل پر منحصر ہے
اگر عقل کو چھوڑ دیا جاوے تو اصل کا ابطلان فرع سے لازم آتا
ہے۔ جو صریح محال ہے۔ زمانہ قدیم سے تمام انسانوں کو غلام
بنانے والے بہت سے لوگ ایسے گذرے ہیں۔ جنہوں نے
کمال ہوشیاری اور چالاکی سے تمام عمر انسانوں کی قوت عقل
کو کمزور کرنے اور مٹانے میں برابر کوشش جاری رکھی اور کوئی دقیقہ
اٹھا نہیں رکھا ان کو یہ خوب معلوم تھا کہ قوت عقل ہی ایک ایسی
جوہر دار تلوار ہے کہ اگر یہ میان سے نکال لی جاوے تو تمام وہموں
اور غلط خیالوں کی بڑی سے بڑی فوج جرار کو ایک آن واحد
میں نیست ونابود کر سکتی ہے۔ اسلئے انہوں نے نہایت سختی
کے ساتھ لوگوں کی قوت عمل کو دبایا اور اسکو مقید کیا اور صاف
صاف لوگوں کو ہدایت کی کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں۔ اس کو بلا
دلیل قبول کرنا چاہیئے۔ مذہب میں عقل کو دخل دینا سراسر
الحاد اور قطعاً حرام ہے مگر برخلاف ان لوگوں کے بانی اسلام

محمد رسول اللہ صلعم (فداک روحی و ابی و امی) نے تمام باشندگان کرہ زمین کو ایک پرزور آواز کے ساتھ پکار کر کہا کہ اے لوگو! خدا کی دی ہوئی قوت عقل کو کام میں لاؤ۔ اور بصیرت کی آنکھوں پر تعصب و جہالت کی پٹی مت باندھو اور خدا کے بنائے ہوئے قوانین قدرت اور موجودات عالم پر نظر ڈالو۔ جیسا کہ تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے۔

اِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۔

بے شک آسمان و زمین کے پیدا کرنے میں اور رات و دن کے آمد و شد میں اور جہازوں میں جو لوگوں کے فائدہ کی چیزیں (مال تجارت) سمندر میں لے کر چلتے ہیں اور مینہ میں جس کو اللہ آسمان سے برساتا ہے پھر اس کے ذریعہ سے زمین کو اس کی مری (یعنی افتادہ رہی) پیچھے شاداب کرتا ہے اور ہر قسم کے جانوروں میں جو خدا نے روئے زمین پر پھیلا رکھے ہیں اور ہواؤں کے ادھر سے ادھر اور اُدھر سے ادھر پھرنے میں اور بادلوں میں جو (خدا کے حکم سے آسمان و زمین کے درمیان گھرے رہتے ہیں۔ (غرض ان سب چیزوں میں) ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں) قدرت کی بہتری نشانیاں موجود ہیں۔

اسی قسم کی قرآن مجید میں جابجا بکثرت ایسی آیتیں موجود ہیں جنمیں موجودات عالم اور قوانین قدرت کو خدا کی نشانیاں بتلا کر فرمایا ہے افلا تعقلون کیا تم عقل نہیں رکھتے۔ اور کسی جگہ فرمایا ہے فاعتبروا یا اولی الالباب عبرت حاصل کرو اے عقلمندو۔ غرض اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے کہ وہ کسی بات کو یہاں تک کہ خدا کے وجود اور اس کی وحدانیت کو بھی بلا دلیل عقلی منوانا اور اس کا اقرار کرانا نہیں چاہتا۔

رباعیات

حضرت سید ضیا جعفری مدیر "شہد"

رازِ دل کائنات کہتا ہوں
میں فلسفۂ حیات کہتا ہوں
منبر ہی دار کی آغوش بھی
سمجھنے کی نہیں جو بات کہتا ہوں

یاد رکھئے!

شکوہ بدرگاہ رب العالمین

مولینا محمد اسحٰق خان صاحب طاہر

پی کے خم بادۂ وحدت کے میں مدہوش رہوں | بیخودی کوش رہوں ہوش فراموش رہوں
حق کے اظہار میں کیوں غیرت سے روپوش رہوں | دیں کے پھیلانے میں یارب ہمہ تن جوش رہوں

باعثِ رحمتِ حق رنج و محن ہے مجھ کو
راحتِ قلب یہ تکلیف سخن ہے مجھ کو

تابشِ حسنِ رخِ یار سے پُرنور ہیں ہم | ہمنوا اَرِنی گو نہیں خود طور ہیں ہم
نشۂ عشقِ محمد میں جو مخمور ہیں ہم | ساکنِ جنتِ فردوس ہیں مسرور ہیں ہم

منعم اپنا جو فقیروں کی صدا بھی سُن لے
ساتھ ہی گوشِ طلب صوتِ عطا بھی سُن لے

صبحدم کیوں مجھے بیدار ہے کرتی یہ نسیم | کیوں نہیں کاکلِ احمد کی اڑا لاتی شمیم
یا اٹھا دے کسی جھونکے سے سرِ پردۂ میم | احد احمد میں نہ کچھ فرق رہے ہو کے ضمیم

گل عرب میں کھلا نکہت میں پریشانی تھی
اور متلاشیٔ گل بلبلِ بستانی تھی

صف میں جب باندھ کھڑے ہوتے تھے اصحاب کمر | عالم بیم رہا کرتا تھا ہر کافر پر
جوششِ نعرۂ حق رکھتی تھی میداں میں نڈر | کافروں کے لئے ہوتا تھا عیاں خوف و خطر

جا کے میدانِ حرب میں جو لیا نام ترا
اے خدا پھیل گیا کفر میں اسلام ترا

حیف ہم میں نہیں اب قوتِ ایمانی بھی — نام ہی کے لئے باقی ہے مسلمانی بھی
کیا کہیں سر سے اٹھا سایۂ یزدانی بھی — وائے تقدیر کہ مشکل ہوئی آسانی بھی
ہم کو یہ راہ ضلالت کی دکھائی کس نے
دل سے اسلام کی تصویر مٹائی کس نے

کیا ہوا فائدہ ترسا کو کلیساؤں میں — کاش آمادہ کبھی حق کے شناساؤں میں
عشقِ احمد میں جو پھرتا کبھی صحراؤں میں — خار بھی پھول نظر آتے اسے پاؤں میں
چھٹ گئی ہم سے جو تھی طرز زیاں کاروں کی
خوب کی رہبری اے شاہ خطا کاروں کی

ہم جو کوشاں ہیں تو اسلام کی عظمت کیلئے — بخدا شور مچاتے نہیں شہرت کیلئے
ہیں کمربستہ جو ہم کفر کی ذلت کے لئے — تجھ سے کرتے ہیں دعا دین کی نصرت کیلئے
نام پر تیرے یہ مخلوق جو لڑتی مرتی
بے تکلف ترے انعام سے دامن بھرتی

کہہ کے تکبیر جو میداں میں ہم اڑ جاتے تھے — لالے پھر جان کے کفار کو پڑ جاتے تھے
شیر آسا صفِ حساد سے لڑ جاتے تھے — خون میں دشمنِ اسلام لتھڑ جاتے تھے
دہر سے کفر کی ہستی کو مٹایا ہم نے
رنگ وحدت کا ہر اک دل پہ جمایا ہم نے

خم کیا گردنِ کفار کو یکسر کس نے — منتشر کر دئے میدان میں لشکر کس نے
سر قلم ان کے کئے بر سرِ بستر کس نے — دفعتاً بھونک دئے سینوں میں نشتر کس نے

خوانِ اصحاب پہ تھا ناز بہت میداں کو
جس طرح لالہ پہ ہو فخر کسی بستاں کو

آہ! وہ قوم سلف میں جو جہاندار ہوئی — آج کس قعرِ مذلت میں گری خوار ہوئی
راہِ حق چھوڑ کے باطل کی طرفدار ہوئی — باعثِ عادت بد صحبتِ اغیار ہوئی
بند رحمت کے ہوئے در جو کھلے رہتے تھے
آہ! منوا ہی لیا کرتے تھے جو کہتے تھے

جب تلک دل نہ ہمارا ہو پُر از عجز و نیاز — روزے بے فائدہ ہیں اور ہے بیہودہ نماز
حال اس قوم کا دیکھو کہ جو تھی کل ممتاز — آج افسوس ہے افتادہ خیال پرواز
مل گئے آپ ہی بعض اُن سے جبھی ایک ہوئے
ورنہ کیا کفر اور اسلام کبھی ایک ہوئے

دہر میں لے کے جو ہم تحفۂ اسلام پھرے — اور پھر فضلِ خدا سے نہیں ناکام پھرے
کہیں یورپ کہیں دکن کہیں آسام پھرے — بہرِ تبلیغ و اشاعت عرب و شام پھرے
گھوڑے جب ساحتِ تبلیغ میں چھوڑے ہمنے
انس تو انس ہیں عفریت نہ چھوڑے ہمنے

ڈنکا حق کا جو زمانے میں بجایا ہم نے — بختِ خوابیدۂ مسلم کو جگایا ہم نے
پاک قرآن جو غیروں کو سنایا ہم نے — کون سرکش تھے کہ نیچا نہ دکھایا ہم نے
پھر بھی جو اُمتِ احمد کا طرفدار نہیں
حیف صد حیف کہ وہ حق کا طلبگار نہیں

شکر للہ کہ اسلام کے غمخوار بھی ہیں! — اور کفار سے ہم برسرِ پیکار بھی ہیں
جان بیچی ہے تو یوسف کے خریدار بھی ہیں — دل دیا ہم نے تو دلبر کے سزاوار بھی ہیں

مرغ بسمل تھے گرے آن کے ان دانوں پر
عہد بدہ جو تھے کہ ہم کھیل گئے جانوں پر

ہم ہی تھے کافروں کی رگ کو جو پہچان گئے — ورنہ لاکھوں اسی کوشش میں پُر ارمان گئے
گرچہ ہم جان سے اس راہ میں اے جان گئے — لیکن افسوس نہیں راہ ہدیٰ جان گئے

کیسا فرائض کا بھی کچھ پاس تجھے ہے کہ نہیں
اے مسلمان! یہ احساس تجھے ہے کہ نہیں

ہائے وہ قوم ہوئے جس میں تھے احمدؐ مامور — آج ہے اہل زمانہ کی نظر میں مقہور
سچ ہے جو لوح جبیں پر تھا ازل سے مستور — ہو کے عالم میں رہا اس کا بہر حال ظہور

ہم میں اخلاص نہیں زہد و مساوات نہیں
اسلئے حق کی بھی الطاف و عنایات نہیں

ہر طرف پیرو اسلام ہیں مشغول شراب — اپنے ہاتھوں سے کیا آہ خود انجام خراب
جب تجاہل سے پرے پھینکدی اللہ کی کتاب — کیوں نہ پھر دونوں جہاں میں ہوں سزاوار عتاب

ہم نے دنیا میں جو سیکھا وہ بد اطواری ہے
ہائے احکام خدا سے ہمیں بیزاری ہے

اک عبث چیز تصنع سے بنائی دنیا — ہاں تخیل پہ ہے مبنی یہ خیالی دنیا
خواہش نفس کے سانچے میں ہے ڈھالی دنیا — کر دیا دین کو ضائع تو سنبھالی دنیا

ہم نگاہوں میں ہم افسوس کہ گمنام رہے
اور سب اپنے مقاصد میں بھی ناکام رہے

مئے عرفان گئی اور وہ پیالے بھی گئے — محفل عیش سے محرم نکالے بھی گئے
عاشق زار گئے اُن کے وہ نالے بھی گئے — خلش خار گئی اور وہ چھالے بھی گئے

چل بسے بادہ گسار آہ عطایا لے کر
ہم نے کیا لطف اٹھایا خم صہبا لے کر

باغ احمد میں ہے نکہت وہی اور بو بھی وہی — اور ازہار گلستاں میں ہے خوشبو بھی وہی
ہم میں موجود ہے خصلت بھی وہی خو بھی وہی — سازِ عالم میں ہے آوازۂ حق ہو بھی وہی

پھر جو آپس میں ہے یہ حرف غضب کیا معنی
ایک سے ایک ہے سرگرم حرب کیا معنی

جس سیہ رو نے رسولؐ مدنی کو چھوڑا — اس نے افسوس ہے اللہ سے غنی کو چھوڑا
ہم نے اسلام میں ہے بادہ کشی کو چھوڑا — اور حق کے لئے ملبوس دنی کو چھوڑا

دل میں خاصیت آئینہ گری رکھتے ہیں
آنکھ اشکوں سے جو ہر وقت بھری رکھتے ہیں

نہ سہی پہلی سی وہ طرز وفا بھی نہ سہی — یاد احکام نبیؐ تم کو ذرا بھی نہ سہی
اور دل سینہ میں پر خوف و رجا بھی نہ سہی — کیا کیا ہم نے زمانے کی جفا بھی نہ سہی

اس پہ بے سود اگر دعویٰ یکتائی ہے
باطل محض ہے ہاں ننگ ہے رسوائی ہے

اے خدا کفر کا نقشہ کیا باطل تو نے — بھیجے کفار پہ زجر اور زلازل تو نے
کر دیا نعمت اسلام کو کامل تو نے — اور آسان کی ہر آن میں مشکل تو نے

اپنے حق میں کوئی ہم سا ستم ایجاد نہیں
ہو کسی داد کے قابل یہ وہ بیداد نہیں

ناز جس دل پہ تھا افسوس وہ اب دل نہ رہا — اسوۂ احمد مختار پہ مائل نہ رہا

وہ مسلماں جو درِ پاک کا سائل نہ رہا دونوں عالم میں وہ بیشک کسی قابل نہ رہا

"شہسوارا بسرِ ما اثر انداز آئی
چوں بجولاں گہ محشر بتگ و تاز آئی"

جتنے دیوانے ہیں صحراؤں میں ہر سو بیٹھے ہیں عبث محو خیالِ رخ دلجو بیٹھے
ہم بہاتے غم سرور میں ہیں آنسو بیٹھے غسل فردوس میں کرتے ہیں لبِ جو بیٹھے

اے خدا ناوک اندوہ کو دل دوزی دے
آتشِ عشقِ جانباز کو دلسوزی دے

آج توفیقِ الہٰی سے ہے گرمِ پرواز طائرِ دل صفتِ قبلہ نما سوئے حجاز
دل ربایانہ ہے کیسا مرغِ سحر کی آواز پڑھتے ہیں اپنی زبانوں میں پرندے بھی نماز

دے مدد راہِ ہدیٰ پر ہمیں چلنے کے لئے
یاوری تیری ہے بس دل کے سنبھلنے کیلئے

نشترِ عشقِ محمد کو رگِ جاں کر دے دہنِ زخم کو میرے تو نمکداں کر دے
یا خدا نام کے مسلم کو مسلماں کر دے یعنے پھر قلب کو اسلام کا خواہاں کر دے

مرحمت کن زرِ اخلاص بگنجینۂ ما
تا شود مشرقِ انوارِ قدم سینۂ ما

دشت میں خار ہوئے خانہ بر اندازِ چمن کھل گیا خونِ کفِ پا سے مگر رازِ چمن
وائے قسمت کہ ملا خاک میں اعزازِ چمن آ کے اغیار ہوئے زمزمہ پردازِ چمن

صبح سے بیٹھے ہیں مصروف تو ہم اب تک

اُٹھتے ہیں بحرِ تفکر میں تلاطم اب تک

بلبلیں گلشنِ احمد میں خوش الحاں بھی ہوئیں
قمریاں شاخِ ثمر در پہ ثنا خواں بھی ہوئیں

تپشِ عشق سے آہیں شرر افشاں بھی ہوئیں
لاکھ شمعیں رہِ مقصد میں فروزاں بھی ہوئیں

ہے یہ امت کہ نہ کچھ بھی ہوئی امداد اسکی
اہلِ عالم نے سنی ہی نہیں فریاد اسکی

درد کیسا رہے پنہاں مرے اس سینے میں
جس طرح درہم و دینار ہوں گنجینے میں

فائدہ کچھ نہ ہوا خونِ جگر پینے میں
زندگی خاک ہے گر لطف نہیں جینے میں

دل وہ دل ہی نہیں ہاں بھالے وہ بھالے ہی نہیں
سوز وہ سوز نہیں نالے وہ نالے ہی نہیں

پُر اگر سینوں میں اب صدق و صفا سے دل ہوں
بخدا بڑھ کے سعادت میں ہما سے دل ہوں

اور عبادت میں اگر پاک ریا سے دل ہوں
پھر منور ہمہ تن نورِ خدا سے دل ہوں

گرچہ ہندی ہوں طبیعت تو حجازی ہے مری
رخش گر ہے عربی تیغ بھی غازی ہے مری

رباعی

قطرہ قطرہ برس رہا ہے بادل
دریا دریا شراب پیتا ہوں
(حضرت ضیاؔ)

پیتا ہوں تو بے حساب پیتا ہوں
خم کے خم مئے ناب پیتا ہوں!

ہمارا اخلاقی تنزّل

بہ بیں تفاوتِ راہ از کجا ست تا بکجا

حضرت مولٰنا سید ظہور احمد صاحب وحشی مدیر و مالک تجلّی دہلی

ایمان کی مضبوطی

پہلے کیا تھا	اب کیا ہے
حضرت بلالؓ اور بعض دیگر صحابۂ کرامؓ کو جب وہ ایمان لائے تو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائی گئیں۔ تیز دھوپ میں جلتی ہوئی ریت پر لٹایا گیا۔ گرم لوہے سے داغ لگائے گئے۔ کھانا پینا بند کیا گیا۔ قتل و ہلاکت کی دھمکیاں دی گئیں۔ کبھی زر و مال اور خوبصورت عورتوں کا لالچ دیا گیا۔ لیکن ان کے ایمان میں فرق نہ آیا اور وہ بدستور خدائے واحد کے پرستار رہے	آج کل کسی کو معمولی جسمانی آزار یا اسکی دھمکی سے واسطہ پڑتا ہے۔ یا کوئی ادنےٰ ترغیب پیدا ہوتی ہے تو وہ اپنا ایمان کھو بیٹھتا ہے۔ جن لوگوں سے تم واقف ہو ان پر نظر ڈالو اور دیکھو کہ کتنے ایسے ہیں جنہوں نے دنیا کی چند روزہ اور عارضی آسائش کیلئے اپنا ایمان طاقِ نسیاں کو سپرد کر دیا ہے بہت سے ایسے ہیں جو چند پیسوں اور چند روپوں کیلئے اپنا ایمان کھو بیٹھے ہیں

آزادیٔ رائے

پہلے کیا تھا	اب کیا ہے
جب حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور تمام اسلامی سلطنت ان کے زیر نگیں ہوگئی تو ایک دن انہوں نے منبر پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے کہا کہ اے مسلمانو! اب میں تمہارا	اس زمانے کی حالت پر غور کرو۔ ماتحت اپنے افسروں کے حضور میں کتنی آزادی رکھتے ہیں۔ ایک ملازم صراحتاً دیکھتا ہے کہ اس کا آقا شریعت کے خلاف عمل کرتا ہے

امیر ہوں۔ میری اطاعت تم پر فرض ہے اگر کوئی میری بات شریعت کے خلاف ہوئی تو تم کیا کرو گے۔ یہ سن کر تھوڑی دیر مجمع پر خاموشی طاری رہی پھر ایک شخص اٹھا اس نے تلوار نیام سے نکال کر کہا کہ اے عمرؓ تم پوچھتے ہو کہ ہم تمہارا کیا کرینگے بس اگر تمہاری کوئی بات شریعت کے خلاف ہوئی تو ہم اس تلوار سے تمہارے بل نکال دینگے

لیکن ملازمت کے لالچ نے اسکی زبان بند کر رکھی ہے۔ امراء اور روساء کے درباروں میں جاکر دیکھو کہ بڑے بڑے مدعیان شرافت و ایمان محض روپے کے لالچ میں کیسی کیسی ایمان فروشی اور ضمیر کشی کرتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ امیر جو کچھ کہہ رہا ہے وہ حکم خدا و رسولؐ کے منافی ہے لیکن بغرض خوشامد اسکی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں بلکہ اسکی تائید کیلئے قرآن و حدیث کی تحریف پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

جھوٹ

ایسی مثالوں سے اسلامی تاریخ بھری پڑی ہے کہ گردن پر تلوار رکھ دی گئی۔ بڑے سے بڑا منصب جاتا رہا۔ دولت و جائداد ہاتھ سے نکل گئی لیکن مسلمانوں نے جھوٹ بولنا گوارا نہ کیا۔ انہوں نے شدید نقصانات برداشت کر لئے۔ مگر کبھی کسی حاکم کسی بادشاہ اور کسی عدالت کے روبرو جھوٹ نہیں بولا۔

آج کل ہزاروں ایسے مسلمان موجود ہیں جو بلا وجہ اور بغیر کسی فائدہ کے جھوٹ بولتے ہیں نہ معلوم ایسے کتنے ہونگے جو دوستانہ فوائد کی توقع پر یا قلیل معاوضہ پر عدالتوں میں جھوٹی گواہی دیتے ہیں۔ دوکاندار۔ گاہک۔ ملازم۔ آقا امیر۔ غریب غرض ہر شخص کم و بیش اس مصیبت میں مبتلا نظر آتا ہے۔

سادہ زندگی

امیر حمصؓ جب خلیفہ دومؓ کیخدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے ان سے پوچھا کہ تمہارے پاس سامان دنیوی کیا کیا ہیں؟ امیر حمصؓ نے عرض کیا کہ ایک لاٹھی ہے جس پر تکیہ کرتا ہوں۔ اور سانپ وغیرہ کا سامنا ہو تو اس سے اپنی حفاظت کرتا ہوں ایک توشہ دان ہے جسمیں کھانا رہتا ہے ایک پیالہ ہے جسمیں کھاتا

آج ایک ایسے مسلمان سے یہی سوال کرو جو چار پانچ مواضع کا امیر ہو وہ جواب میں کہیگا کہ رہنے کیلئے عالیشان محل ہے سواری کے لئے موٹر ہے توشہ خانہ میں صدہا ملبوس ہیں۔ باورچی خانے کی الماریاں چاندی اور چینی کے برتنوں سے لبریز ہیں۔ آبدار خانہ کا علیحدہ انتظام ہے جسمیں فلٹر۔ صراحیاں۔ گلاس۔ کٹورے

ہوں۔ ایک لوٹا ہے جسمیں پینے اور وضو کرنے کے لئے پانی رکھتا ہوں۔ اسکے سوا دنیا میں جتنی چیزیں ہیں۔ انہیں کی تابع ہیں۔

سبھی کچھ موجود ہے۔ عیش و عشرت کے لئے قوال اور طوائفیں ملازم ہیں۔ آرائشوں اور زینتوں کا یہ عالم ہے کہ اگلا زمانہ ہوتا تو لوگ شداد کی جنت کا شبہ کرتے۔

عروسِ عرب!

ترجمہ — (نظم) — مرسلہ — جناب محمد یعقوب عبداللہ سکندرآباد

مدتوں کے بعد پھر پیدا ہوئی فکرِ سخن — پھر ہوا منظور فرسودہ قلم کا امتحاں

داستانیں عشق کی سب طاقِ نسیاں پر ہیں — تھے تخیل سے جدا وصل و فراقِ مہوشاں

خندۂ گل شورِ بلبل سبزۂ صحنِ چمن — بوئے خوش بادِ صبا کی باغ میں اٹھکیلیاں

زلفِ سنبل چشمِ نرگس قمری و شمشاد و سرو — سب کے سب بھولے نہ یاد آیا ذرا بھی بوستاں

کوچۂ دلدار رستے میں تھا اس کو چھوڑ کر — لائی ریگستان کی جانب ہمیں طبعِ رواں

ایک نخلستان ہے اسمیں ہیں خرمے کے شجر — ہے محافظ کوئی بھی ان کا نہ کوئی باغباں

خوب ہی شاداب ہوگا قابلِ تفریح و سیر — آج کل ہے خشک یہ بدوی عرب کا بوستاں

پاس کچھ کھالوں کے خیمہ ہیں پڑے کچھ ہیں شتر — بے مکیں خیمہ ہیں سب وہ اونٹ ہیں بے سارباں

ہو کا ہے میدان ہے سنسان یہ قطعہ زمیں — ان دنوں ہے ہر طرف مسکن گزیں وحشت ہیل

ریگ کوسوں تک ہے پھیلی چاندنی میں دیکھتے — بالیقیں ہوتا ہے اس پر بحرِ ابیض کا گماں

خاک کے ذرے ہیں تاباں دوپہر کی دھوپ میں — لالچی کہتے ہیں گنجِ سیم ہے اسمیں نہاں

ایک جانب فاصلہ پر ہے بڑا بحرِ عمیق — جمع اسٹیمر ہیں اسمیں اور دخانی کشتیاں

فوج بحری کا ہے مجمع سینکڑوں جنگی جہاز	جھنڈیاں لہرا رہی ہیں اڑ رہے ہیں بادباں
کسقدر ہے شور انجن ہو رہا ہے ناگوار	ہے سیہ بادل کہ پھیلا آسماں تک ہے دھواں
ایک غاصب کا ہے لشکر ایک ظالم کی ہے فوج	ہے مقابل پارٹی بالکل ضعیف و ناتواں
گھر گئی ہے ہر طرف سے راستے سب بند ہیں	دے رہی ہے خوب ہی صبر و رضا کا امتحاں
حملہ آور زیر دستوں پر ہوئی مغرور قوم	یاد اب اسکو ہے قول حضرت عیسیٰ کہاں
اور بھی دیکھے سماں آگے بڑھا پیک خیال	ہو گیا پیش نظر جو کچھ تھا آنکھوں سے نہاں
ریگ کے ٹیلوں میں جنگی دمدمے ہیں جا بجا	صاف آتے ہیں نظر توپوں کے رکھنے کے نشاں
ہر طرف ٹوٹے ہوئے گولے پڑے ہیں بیحساب	منتشر سامان جنگی کچھ یہاں ہے کچھ وہاں
چند عمامے عبائیں ہمکو آتے ہیں نظر	اور کچھ فوج فرنگستاں کی خاکی وردیاں
اور تھوڑی دور چل کر ایک ہیبتناک سین	حسرت و ارماں لئے آیا نظر ہمکو وہاں
بے کفن لاشیں پڑی ہیں آہ! جلتی ریگ پر	صورتیں کہتی ہیں یہ قوم عرب کے ہیں جواں
موت کی آغوش میں ہیں چند لڑکے شیر خوار	ہیں شہیدوں میں ضعیف العمر پیر ناتواں
اس سے بھی زاید ہے عبرت خیز نظارہ عجیب	ہیں انہیں لاشوں میں کچھ مردہ عرب کی بیبیاں
ہائے بے گور و کفن ہے امت خیر البشر	کوئی بالیں پر نہیں اک بیکسی ہے نوحہ خواں
قطع دشمن نے کئے ہیں انکے اعضائے حیف	اشک خونیں دیکھکر ہوتے ہیں آنکھوں سے رواں
چیل کوے دیکھئے منڈلا رہے ہیں ہر طرف	پاسبان دین احمد کا خدا ہے پاسباں
میں طپش میں مبتلا تھا لب پہ تھی آہ	اتنے میں گزرا ادھر سے اک فرنگی نوجواں
تھا یہ عیسائی مگر ہمدرد تھا مظلوم کا	دیکھکر گریاں ہمیں وہ بھی ہوا محو فغاں
بعد تھوڑی دیر کے اسنے دکھائی ایک نعش	پھر کہا بیٹھو سناتا ہوں میں اسکی داستاں
بے کفن ہے نعش یہ اک محترم خاتون کی	ہاتھ شانے سے جدا ہیں ریزہ ریزہ استخواں

ہے کفِ دستِ بریدہ میں حنا کا شوخ رنگ / جسکے نظارے سے ہو جاتی ہیں آنکھیں خونفشاں

سُرمگیں آنکھیں نہایت دلربا رنگِ ملیح / موئے مژگاں ابروئے خمدار ہیں تیر و کماں

وائے عبرت! سینۂ پُر نور میں ہیں ہر جگہ / گولیاں بندوق کی ٹوٹی ہوئی نوکِ سناں

رنگِ گلشن خاک ہے اس خاک پر جسمِ لطیف / نرم بستر تکیۂ مخمل میسر ہے کہاں

اس نے دیکھی صرف اٹھارہ بہاریں عمر کی / آئی بے ہنگام باغِ زندگانی میں خزاں

یہ بہادر ہے شجاعانِ عرب کی نسل سے / تھی جمال و حسن میں رشکِ حسینانِ جہاں

ایک ہفتہ قبل مرنے کے ہی تھی یہ عروس / پیرہن پُرخون ہے پہلے تھا رنگِ زعفراں

اب کہاں آغوشِ شوہر عیش و لطفِ زندگی / یہ بھی خوابِ مرگ میں ہے مثلِ مردانِ یہاں

باپ ماں بھائی خسر شوہر ہوئے ہر ایک شہید / رہ گئی تھی یہ بھی آئی باندھ کر تیغ و سناں

روکتی تھی اپنے سینے پر یہ سنگینوں کے وار / پھر گئے منہ اُن کے آخر اتنی ماریں برچھیاں

اسقدر بارعب تھی "اللہ اکبر" کی صدا / جسکو سن کر کانپ جاتے تھے بہادر نوجواں

تیغ سے اسکی ہوئے تھے سترہ افسر ہلاک / لے گئی جسکو اٹھا کر جلد فوجِ دشمناں

یہ اکیلی لڑ رہی تھی اس طرف تھے سینکڑوں / مرحبا کہتے تھے کچھ زخمی عرب کے نیمجاں

زخم کھا کر جب گری گھوڑے سے مانگا آبِ سرد / کھائیں اُس نے منہ پہ صدہا گولیوں پر گولیاں

دیکھ کر اسکی شجاعت ہو گیا ہمکو یقیں / مثلِ مردوں کے بہادر ہیں عرب کی بیبیاں

باوفا ہیں باحمیت شیر دل ہمدردِ قوم / کس میں ہے ایثار ایسا ہے بدل انکا کہاں

ان میں ہے اسلام بیشک یہ ہیں پابندِ اصول / انکے دل ہیں جس میں ہیں تعلیم محمدؐ ہے نہاں

یہ وہی ہے قوم جسکی دھوم تھی چار و طرف / جسکے آگے سر جھکا دیتے تھے شاہانِ جہاں

کذب سے نفرت تھی جسکو صدق تھا اُسے پسند / فرق تھا کچھ بھی نہیں بس ایک تھی قلب و زباں

تجربہ نے کر دیا ثابت نہیں اب کوئی شک
ہے مبارک قوم وہ جسمیں ہوں ایسی بیبیاں

ادبیات
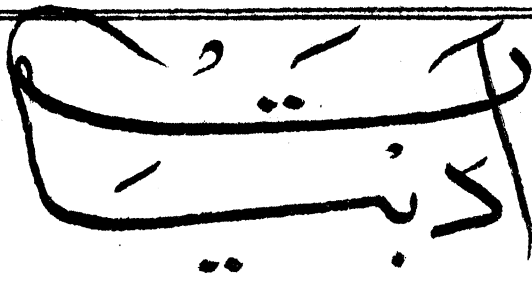
موٹر والی

مرزا محمد اسلم بیگ نسیم مدیر معاون دلگداز

ترجمہ — آخری قسط

"کیا آپ نے مس ونٹر کو کہیں دیکھا ہے؟" اس نے دروازے کے پاس کھڑے ہوئے ایک آدمی سے پوچھا "اس کے ساتھ ناچنے کی میری باری ہے"۔

"مس ونٹر؟" وہ آدمی ہنسنے لگا۔ "بدنصیب مجھے ڈر ہے کہ تمہاری قسمت تمہیں جواب دے چکی ہے اس نے تو ونگ کے ساتھ تعلقات نہایت استوار کر لئے ہیں اور اس وقت وہ اپنی کار میں اسی کے ساتھ گئے ناز ہیں ہے"۔

"ہیں!" بل کا چہرہ نہایت سرخ ہو گیا۔ اس نے اپنے آپ کو بھینچ لیا۔

"خیر! اچھا بہت بہت شکریہ" اس نے کہا اور رات کی تاریکی میں باہر نکل گیا۔

اس نے سوچا ممکن ہے اس شخص کو کوئی مغالطہ ہوا ہو۔ لیکن نہیں۔ وہی چھوٹی سی سواو کار قطار کے سرے پر اسے تیار دکھائی دی۔ صرف وہی ایک کار تھی جس کی بتیاں روشن تھیں۔ اوڈرے تو یقیناً اس میں تھی اور ہاں وہ ونگ بھی اسکے ساتھ ہی تھا۔ آہ! وہ اس پر جھکا پڑتا تھا۔ اس کا چہرہ اوڈرے کے چہرے کے بالکل نزدیک تھا ——— لیکن اوڈرے نے اس چیز کو کیسے برداشت کر لیا۔

بل کو ہوش نہ تھا کہ وہ آگے چلے یا ٹھہر جائے اور اب اسکی حیرانی کی کوئی حد نہ رہی جب اس نے انجن کے چلنے کی آواز سنی۔ اوڈرے نے اپنا دایاں ہاتھ بلند کر کے ہوٹل کے دروازوں کیطرف ہلایا اور اندھیرے میں نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ ونگ اسکے ساتھ ہی تھا۔

بل نے ان کے پیچھے نگاہ دوڑائی اور تمام معاملے کو سمجھنے کی کوشش کی ہاں یہی بات تھی جس کے لئے وہ میری پروا نہیں کرتی تھی۔ اسے ونگ کی دولت کے ساتھ محبت تھی جبھی تو وہ اسکی اتنی تحقیق کر رہی تھی اور اسی لئے اب وہ میرے ساتھ ناچنے کی بجائے اسکے ساتھ سیر کرنے چلی گئی ہے

پھر دفعتہً بل نے اپنے کندھوں کو سکیڑا۔ ایک رئیس لڑکی کے ساتھ محبت کرنے کی یہی سزا ہے اس نے اپنے آپکو

سرزنش کرتے ہوئے کہا۔ خدا کا شکر ہے مجھے اپنی ملازمت سے ہاتھ نہیں دھونا پڑے اور تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کہ ایسی حماقت کر کے آیندہ اپنی نوکری کو کبھی خطرے میں نہیں ڈالوں گا۔

رقص گاہ میں ابھی تک ساز بج رہے تھے اور جب وہ اس کمرے میں سے گزر رہا تھا۔ تو کئی نازک اندام حسینوں نے رقص کے لئے امید بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔ لیکن رقص ــــــ اسکے لئے ختم ہو چکا تھا۔ وہ سیدھا اپنی خوابگاہ کی طرف گیا اور جلدی جلدی اپنا سامان باندھنا شروع کر دیا۔

کرسمس کی نہایت صاف اور شفاف صبح طلوع ہوئی لیکن جب بل اپنے بستر سے اٹھ کر کپڑے پہن رہا تھا تو اسے کرسمس کا کوئی احساس نہ تھا۔ جب سے وہ اوڈرے کیساتھ ملا تھا۔ آج پہلا موقع تھا کہ اسکی صبح کی سیر چھوٹ گئی تھی اب اسے کوئی خواہش نہ تھی کہ وہ اسے پھر اس معمولی سی اونی قمیص اور سویٹر میں دیکھے جس میں وہ کبھی اس قدر مسرور و دلفریب معلوم ہوا کرتی تھی اور نہ ہی وہ اپنے مالک کا خوش و خرم اور کامیاب چہرہ دیکھنا چاہتا تھا۔ اسلئے اس نے صبح کا ناشتہ اپنے کمرے میں ہی کیا اور آرڈر دیا کہ اس کا تمام بل فوراً اسکے پاس بھیج دیا جائے وہ چاہتا تھا کہ گیارہ بجے کی گاڑی سے وہ لنڈن روانہ ہو جائے۔

لیکن قسمت اس کو اس آسانی سے نکل جانے کا کب موقع دے سکتی تھی؟

وہ سیڑھیوں سے نیچے اترا۔ سوٹ کیس اسکے ہاتھ میں تھا۔ وہ اپنا بل ادا کرنے جا رہا تھا کہ آخری سیڑھی پر اوڈرے سے سامنا ہو گیا۔ وہ اپنے نیلے رنگ کے پھولوں والے جمپر میں اتنی تازہ دم اور بشاش معلوم ہوتی تھی گویا کہ اس نے کرسمس کی صبح کو ناچ میں حصہ نہیں لیا۔

"کرسمس مبارک ہو بل!" اس نے بڑی خوشی کے ساتھ اسے کہا "اب صبح کی سیر کے ناغے میں کس نے پہل کی ہے؟"

"میں جانتا ہوں" بل کے چہرے پر غم کی گھٹائیں چھا رہی تھیں اس نے آگے گزر جانے کی کوشش کی لیکن وہ اس کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی۔

"بل مجھے نہایت افسوس ہے کہ میں کل رات تمہارے ساتھ ناچ میں شامل نہ ہوئی۔ میں اس کی وجہ بتانا چاہتی تھی لیکن تم کہیں غائب ہی ہو چکے تھے۔ تم نہیں جانتے بل یہ معاملہ کتنا اہم تھا!"

"میں اچھی طرح جانتا ہوں" بل نے بڑی سرد مہری سے جواب دیا "خیر بہر حال کوئی مضائقہ نہیں۔ میں آج جا رہا ہوں تسلیم!"

"اوہ!" اوڈرے نے چلا کر کہا اور پھر اسکی مغرور ٹھوڑی اپنے مخصوص انداز میں بلند ہو گئی "اچھا بل تسلیم!" اس نے کہا۔

دس منٹ کے بعد بل سٹیشن کی طرف جا رہا تھا اور یہ کہانی یہیں ختم ہو جاتی اگر ایک چھوٹی سی وجہ درمیان میں پیدا نہ ہو جاتی۔ جانے کی عجلت میں بل سٹرونگ سے اپنی تنخواہ لینا بھول گیا۔ اب اچانک ہی اسے خیال آیا کہ چائے وغیرہ اور ہوٹل میں ایک دن زیادہ ٹھہرنے کا بل ادا کر کے اس کی جیب میں شلنوں ٹوں دو آنے کے پیسے بچے تھے۔ جس سے لنڈن کا کرایہ بھی پورا نہیں ہو سکتا تھا۔

کیا یہ بے عزتی نہیں کہ تم اپنے کامیاب رقیب سے جا کر لنڈن کا کرایہ مانگتے پھرو۔ لیکن بل اس کے سوا کر ہی کیا

سکتا تھا کہ وہ واپس ہو جائے اور سیدھا ہوٹل میں پہنچے۔

لیکن مسٹر ونگ بل کو ہوٹل میں کہیں نہ ملا۔ اس نے تمام کمرے چھان مارے اور پھر مایوسی میں اس سٹارچے پر بھی دیکھنے گیا جس میں وہ اور اوڈرے گزشتہ رات بیٹھے رہے تھے۔

بظاہر یہ جگہ بالکل خالی معلوم ہوتی تھی۔ اسلئے بل واپس ہونے لگا۔ پھر دفعتہً رک گیا اور کان لگا کر سننے لگا۔ یہ باریک سی آواز کہاں سے آ رہی تھی! بالکل ایسی آواز جیسے کوئی رو رہا ہو لیکن رونے والا کون تھا اور کہاں تھا یہ معلوم نہ ہو سکا۔ ایکایک بل کو ایک بڑے پام کی اوٹ میں ایک کرسی پر جو تقریباً چھپی ہوئی تھی نیلے پھولوں والا کپڑا نظر آیا ———— اوڈرے اس طرح رو رہی تھی گویا اس کا دل پھٹ رہا ہے!

اوڈرے، مغرور، ہمیشہ خوش باش اوڈرے اس طرح رو رہی تھی جس طرح ایک بچہ کھلونا ٹوٹ جانے سے روتا ہے!

اچانک بل کے دل پر جو غبار بیٹھ گیا تھا وہ دور ہونے لگا۔ اس نے چاہا کہ وہ تمام کام چھوڑ کر اسے اٹھائے اور اسے جا کر چوم لے تاکہ وہ پھر مسکرا پڑے۔

اس نے آہستہ سے اس کے کندھے کو چھوا۔

"اوڈرے" اس نے کہا

اوڈرے معاً اچھل پڑی "تم ابھی یہیں ہو؟" اس کا چہرہ چمک اٹھا۔ "میں نے سمجھا تھا کہ تم جا چکے ہو ———— براہ مہربانی مجھے اکیلی رہنے دو ———— میں تمہیں نہیں چاہتی"۔

بل نے اسکی باتوں پر کچھ دھیان نہ دیا "اوڈرے! مجھے بتاؤ کیا معاملہ ہے" اس نے لجاجت آمیز لہجے میں

کہا "کیا وہ ونگ تمہیں چھوڑ کر چلا گیا ہے؟ میں اسکی گردن مار دوں گا!"

"مسٹر ونگ؟" اوڈرے نے تعجب سے پوچھا "اس کا اس معاملے کے ساتھ کیا تعلق ہے؟"

"کیوں؟ تمہارا اس کا کوئی تعلق نہیں ہے؟"

اچانک اوڈرے کے آنسو قہقہوں میں تبدیل ہو گئے۔

"اس بوڑھے کے ساتھ تعلق! بھولے آدمی نہیں! تم نے یہ غلط اندازہ کیسے لگا لیا؟"

"کیوں ———— کیوں" بل نے لڑکھڑاتے ہوئے کہا "میں نے اسے کل رات تمہاری کار میں تمہارے بالکل نزدیک دیکھا تھا اور پھر ———— اور پھر تم اس کے ساتھ جانے کے لئے میرے ساتھ نہیں ناچیں"

پھر اوڈرے قہقہوں میں گم ہو گئی۔

"بل! میں اسکے ساتھ کوئی تعلق پیدا نہیں کر رہی تھی میں تو اسکے پاس ایک کار فروخت کر رہی تھی!"

"کار فروخت کر رہی تھیں؟"

"ہاں۔ میں یہ تمام معاملہ تمہیں رات کو ہی بتا دینا چاہتی تھی لیکن تم میری انتظار کرنے کی بجائے کہیں بھاگ گئے سنو بل!

میں اپنی روزی خود کماتی ہوں جس طرح تم کماتے ہو میں موٹر لگزریز لمیٹڈ سٹریٹ میں ملازم ہوں"۔

"تم"

ہاں! میں تیس شلنگ ہفتہ تنخواہ پاتی ہوں اور تم جانتے ہو اتنے خرچ میں گزارہ کیسے ہو سکتا ہے خصوصاً جبکہ میری اماں بھی میرے ساتھ ہی رہتی ہے۔ لیکن گزشتہ

چند سالوں سے کمپنی والے چالاکی سے کام لیتے ہیں۔ وہ مجھے
چھٹیوں میں بہترین ہوٹلوں میں ٹھہرنے کے لئے بھیجدیتے
ہیں اور اسی طرح کرسمس، ایسٹر اور گرمیوں کی چھٹیوں میں
کرتے ہیں۔ وہ مجھے ایک رقم بڑے بڑے اچھے کپڑے اور
فراک وغیرہ سلوانے کے لئے دیتے ہیں اور ایک موٹر بھی دیتے
ہیں جس میں ان کے نئے نئے ڈیزائن کی تمام چیزیں لگی ہوئی
ہوتی ہیں اور اس طرح یہ وہ موٹریں امیر آدمیوں کو دکھاتی ہیں
تاکہ وہ بھی خریدیں۔ موٹر بگرریز نے سوالو کمپنی کے ساتھ معاہدہ
کیا ہوا ہے وہ اپنی کار بھیجدیتے ہیں میں اسے خوب استعمال
کرتی ہوں اور اگر میری وساطت سے کوئی شخص کار خریدتا
ہے تو مجھے اس میں سے کمیشن ملتی ہے۔"

"خوب!" اس بات سے تمام حالات ظاہر ہوگئے۔
"کیا یہی بات تھی جس کے لئے تم مشوفاک میں اتنی دلچسپی
لیا کرتی تھیں؟"

"ہاں! میں نے دیکھا کہ وہ میری کار کو بہت پسند کرتا ہے
اسلئے کل رات میں نے اسکی رفتار دکھانے کے لئے
اسے ساتھ چلنے کو کہا اور آج صبح اس نے مجھے بتایا ہے
کہ اس نے سوالو کمپنی کو ایک کار کا آرڈر دے دیا ہے۔
ہاں! مجھے اس کمیشن کی سخت ضرورت تھی۔ بیچاری اماں کتنی
مدت ہوگئے کہیں تبدیل ہوا کے لئے نہیں گئیں۔ اب نہایت
آرام سے جا سکتی ہے۔"

"لیکن اوڈرے!" بل نے کہا اگر تم پہلے ہی مجھے یہ بتا
دیتیں تو ——"

"یہی تو ساری بات تھی بل! میں نے کبھی کسی کو
نہیں بتایا کہ میں کون ہوں۔ لوگ میری کار میں لگی ہوئی چیزیں
دیکھ کر خود بھی منگانے کی خواہش کرتے ہیں اور یہ بہ نسبت
اپنی ہستی کے اظہار کے زیادہ سودمند ثابت ہوتا ہے۔ اور
اگر انہیں یہ معلوم ہوجائے کہ میں بھی انہیں میں سے ایک
ہوں اور ان کی ایجنٹ ہوں تو اس بات کا برا اثر پڑے اسی
لئے میں نے یہ چیز کبھی ظاہر نہیں کی!"

"بہت خوب" بل نے پھر کہا

"لیکن آہ!" اوڈرے پھر کچھ اداس سی ہوگئی "بعض
اوقات میں ان تمام باتوں سے سخت تنگ آجاتی ہوں میرے
پاس اس وقت بہترین کپڑے ہیں ایک اپنی کار ہے اور میرا
وقت بھی نہایت آرام سے گزرتا ہے لیکن میں نے کبھی ایک
لمحے کے لئے بھی اپنے آپ کو یہاں کے آدمیوں میں شمار
نہیں کیا۔ ہر وقت مجھے محتاط اور چوکنا رہنا پڑتا ہے۔ ہر وقت
میں پھر پھرا کر گفتگو کو موٹروں ان کے نشانوں موٹر کے لباسوں
اور دوسری چیزوں کی طرف لے آتی ہوں لیکن صرف
تمہارے ساتھ میں قدرتی طور پر مانوس اور آزاد ہوسکی ہوں"

"او اوڈرے!" بل کے بازو اسکے گرد حائل تھے
"خدا کا شکر ہے تمہیں وہ لڑکی ہو جسے میں ڈھونڈا کرتا تھا"
اسکے بعد ایک مسرت انگیز وقفہ تھا پھر بل نے کہا "پیاری
اوڈرے! تم ابھی ابھی رو کیوں رہی تھیں؟"

"کیونکہ میں یہ سوچ رہی تھی کہ میں تمہیں پھر کبھی نہ دیکھ
سکوں گی" اس نے دبانداز لہجے میں کہا

"اوہ پیاری! اوڈرے جب تک میں زندہ ہوں قسم کھاتا
ہوں کہ تمہیں پھر اس بات پر کبھی نہ رونا پڑے گا۔

ترجمہ ..."

طلوعِ آفتاب

حضرت سید مظہر گیلانی "سرحدی"

رات کی رانی چلی انگڑائیاں لیتی ہوئی
بحرِ تنویرِ سحر کی موج سے لپٹی ہوئی
تھرتھراتی۔ ہانپتی۔ ڈرتی۔ لرزتی۔ کانپتی
چھا گئی ہستی پہ تنویرِ سحر بن کر گھٹا
گوشۂ مشرق سے ابھرا آفتابِ درخشاں
گھور کر تکتے ہوئے ملتے پہ بل ڈالے ہوئے
حسن میں ڈوبے درخشانی میں پر تولے ہوئے
ہر نظر میں ڈوبتے۔ گرتے۔ سماتے۔ کوندتے
ذرے ذرے کو عطا کرتے ہوئے تابندگی
لالہ و گل کی جبینِ ناز چمکاتے ہوئے

زورقِ شب قلزمِ انوار میں کھیتی ہوئی
ایڑیوں سے حکمرانِ صبح کی چمکی ہوئی
ٹھہرتی۔ رکتی کنکھیوں سے سحر کو بھانپتی
نور کی افزونیوں سے رات کا جوبن گھٹا
طلعتِ پرنور سے الٹے ہوئے کالا نقاب
آستیں میں رعد بجلی۔ برق سنبھالے ہوئے
انکھڑیوں میں مطلعِ انوار در کھولے ہوئے
پائے نور افشاں سے شب کی ظلمتوں کو روندتے
تازگیٔ جاں، جگمگاہٹ، حسن، گرمی، زندگی
طلعتِ گیتی پہ نورِ حسن برساتے ہوئے

جلوہ آرا تختِ مشرق پر ہوا آتش مزاج
کج کئے پیشانیٔ ضوبار پر ہیروں کا تاج

جگمگا اٹھا جہاں روشن ہوئے دیوار و در
شانۂ فطرت جہاں کی زلف سلجھانے لگا
ہر کرن مستانہ وار آگے بڑھی تنتے ہوئے
پھول۔ کلیاں۔ کونپلیں۔ غنچے۔ شگوفے کھل گئے

کوہ۔ میدان۔ دشت صحرا۔ تحت و فوق و بحر و بر
ہر نظارہ پرتوِ خورشید کا بھلانے لگا
پتی پتی کے دماغ و قلب سے چھنتے ہوئے
جوشش و گرمی سے گلے موجِ صبا کے مل گئے

حسن۔ شوخی۔ ناز۔ اٹھکیلی۔ ادا۔ غمزہ جیا
مہر نے فتنہ وہ کیا تھا جو نہ برپا کر دیا

اُردو ہندی

از قلم جناب رشید احمد صاحب رشدؔ ایم اے ایم او ایل ایچ پی ایچ لیگو گورنمنٹ انٹرمیڈیٹ کالج تعلیم جنوبی ہند

نوٹ :۔ اس مضمون میں مولانا سید سلیمان ندوی کی تقریر "ہماری زبان اور اس کا نام" سے بھی استفادہ کیا گیا ہے ۔

ہمارا ملک اس وقت ایک نہایت نازک دور سے گزر رہا ہے ۔ افلاس و نکبت کی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں اور بدامنی و بدحالی کے سیاہ بادل اسے بہت سختی سے گھیرے ہوئے ہیں ۔ پھر اہل وطن کے باہمی نفاق اور اغیار کی شر انگیزی ایسی بیماریاں اسے اسطرح لاحق ہیں کہ صدیوں تک اسکے پنپنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ۔

تعجب ہے کہ اس کشمکش حیات کے نازک دور میں برادران وطن اتفاق و اتحاد کی کوئی سبیل ڈھونڈنے کے بجائے زبان کے جھگڑے میں وقت ۔ دماغ اور روپیہ ضائع کر رہے ہیں ۔ انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ فقط زبان کے مسئلے کو حل کر لینے ہی میں ملک کی نجات کا راز پنہاں ہے حالانکہ تجربہ یہ بتاتا ہے کہ اس مسئلے کو چھیڑنا گویا رہے سہے اتفاق کو برباد کرنا ہے ۔

یہ لوگ اپنے آباواجداد کی متاع عزیز یعنی "اردو" سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے اپنی "نوساختہ ہندی" کو رواج دینے میں کوشاں ہیں ۔ جہاں تک غور کرتے ہیں اس تحریک کے دو ہی اسباب نظر آتے ہیں ۔ اول یہ کہ ان لوگوں کو "اُردو" کی ماہیت اور تاریخ سے واقفیت ہی نہیں اور یا یہ کہ انہیں موجودہ نفاق اور بدامنی کی وسیع خلیج کو اور زیادہ وسعت دینے کا خیال ہے ۔ مگر چونکہ اس نئی تحریک میں ملک کے بڑے بڑے مدبر اور ماہرین سیاست بھی شامل ہیں اسلئے دوسرا سبب کچھ زیادہ قوی معلوم نہیں ہوتا ۔ اندریں حالات مناسب ہوگا کہ سب سے پہلے زبان "اردو" کی کیفیت مختصر طور سے بیان کر دی جائے تاکہ عاقبت اندیش اور معاملہ فہم اصحاب حقیقت سے آگاہ ہو کر ان دلدادگان "ہندی" کی توجہ کسی زیادہ اہم کام کی طرف منعطف کرائیں ۔

کسی آئندہ صحبت میں انشاءاللہ اردو ہندی کا موازنہ کرتے ہوئے اس "نئی ہندی" پر سیر حاصل تبصرہ کیا جائیگا اور ایسے وسائل اور ذرائع پیش کئے جائیں گے جن کو عمل میں لانے سے اس جھگڑے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مٹ جانے کی توقع ہے ۔

تاریخ کے اوراق اس امر کے شاہد ہیں کہ زمانۂ قدیم میں سارا ملک کئی ایک صوبوں میں بٹا ہوا تھا اور ہر صوبے کی بولی الگ الگ تھی ۔ مسلمان یہاں آئے تو ان میں بھی کچھ عرب کچھ ایرانی اور کچھ ترک شامل تھے اور وہ سب اپنی اپنی بولی بولتے تھے ۔ انہیں ان مختلف صوبوں میں رشتۂ اتحاد پیدا کرنے کا خیال آیا لیکن جب ایک دوسرے کی بات سمجھنا ہی دشوار ہو تو اتحاد کی کیا صورت ہو سکتی ہے ؟ پس

مسلمانوں نے اصلی باشندوں سے میل جول شروع کیا۔ اور ان سے بات چیت کی راہیں نکالیں۔ اول اول اشاروں اور کنایوں سے کام لیا گیا پھر اشاروں کی جگہ لفظوں نے لے لی لفظوں سے ترقی ہوئی تو فقرے بنے اور پھر فقروں سے مسلسل گفتگو تک نوبت پہنچ گئی اور آخر کار اس میل جول کا نتیجہ ایک نئی مشترکہ بولی کی صورت میں جلوہ گر ہوا۔ ظاہر ہے اس میں ہر زبان کے لفظ آئے ہوں گے گو مسلمان چونکہ فاتح کی حیثیت سے آئے تھے۔ اسلیئے ان کے الفاظ زیادہ تعداد میں آ گئے۔ اب فاتحین نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ تمام صوبوں کا ایک مجموعی نام یعنی ہند تجویز کیا۔ اس کے باشندوں کا نام اہل ہند (اہلِ ہند) اور اس نئی مشترکہ بولی کا نام "ہندی[۵۱]" قرار دیا۔ اسی "ہندی" نے آہستہ آہستہ ترقی کی اور بولنے کے علاوہ لکھنے میں بھی آنے لگی اور اس کے لیئے فارسی رسم الخط مقرر ہوا۔ ادباء نے اس کو ذریعہ اظہار خیالات بنایا اور شعرا نے اسمیں دلچسپی کے سامان پیدا کیئے کہیں دوہڑے کہے گئے تو کہیں مکرنیاں کہیں اَمل تیار ہوئے تو کہیں دوبتیاں۔ حتےٰ کہ ایک وقت ایسا آ گیا کہ یہ زبان ہر کہ و مہ کا شغل بن گئی۔ لوگ اپنے اپنے گھروں میں تو اپنی اپنی مادری زبان بولتے تھے۔ مگر ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت ہندی ہی کو استعمال کرتے تھے۔

غیر ممالک[۵۲] کے لوگ زبان اور باشندوں ہر دو کو ہندی کہنے لگ گئے۔ پھر مذہب کی تمیز کے خیال سے اہل اسلام کو مسلم یا مسلمان کہا جانے لگا اور "ہندی" صرف اوثان پرستوں کا نام رہ گیا جو بگڑتے بگڑتے "ہندو[۵۳]" ہو گیا۔ چونکہ ملک بھر میں ہندوؤں کی اکثریت تھی اسلیئے "ہندو" کی نسبت سے ملک کا نام ہندوستان[۵۴] (ہندوؤں کی جگہ) ہو گیا۔ ملک کے نام کے ساتھ ہی زبان کے نام میں بھی تبدیلی ہو گئی یعنی اسے "ہندی" کے بجائے "ہندوستانی" (ہندوستان سے نسبت رکھنے والی) کہنے لگے۔

شاہجہان کے عہد حکومت میں ناموں میں کچھ تبدیلیاں ہوئیں تو دہلی کو "شاہجہان آباد" کا نام ملا۔ بازار یا لشکر کے لیئے "اردو" کا لفظ تجویز ہوا اور مروجہ زبان کا نام "ہندوستانی" کے بجائے "زبان اردو" یعنی لشکر یا عوام کی زبان قرار پایا۔ "زبان اردو" کے مرکب سے لفظ "زبان" آہستہ آہستہ ترک ہوتا گیا اور آخر کار زبان کا نام صرف اردو[۵۵] رہ گیا۔

انگریز ہمیشہ باشندوں میں پھوٹ ڈال کر ملک پر حکومت کرنے کی حکمت عملی سے کام لیتے ہیں۔ چنانچہ جب یہ لوگ ہندوستان پر قابض ہوئے تو یہاں بھی اسی حکمت سے کام لینا شروع کیا اور سب سے پہلے زبان ہی سے فائدہ اٹھایا۔ وہی زبان جس کو سب لوگ (بلا

---

۵۱ یہ ہندی آج کل کی "نئی ہندی" نہ تھی جس کا پروپاگنڈہ برادران وطن کر رہے ہیں۔

۵۲ خصوصاً اہل عرب و اہل ایران۔

۵۳ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ رعایا کے لوگ چونکہ غیر مسلم تھے اسلیئے انہیں ہندو یعنی "غلام" کا نام ملا۔ مگر میرے نزدیک یہ صحیح نہیں میں سمجھتا ہوں کہ عربی قاعدے کے مطابق ہندی کی یائے واو سے بدل جائیگی۔

۵۵ مولانا آزاد مرحوم کو مغالطہ ہوا کہ زبان اردو شاہجہان کے زمانے میں بنی۔ زبان تو پہلے موجود تھی۔ شاہجہان نے صرف نیا نام دیا البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اردو کی موجودہ علمی حیثیت شاہجہان کی مرہون منت ہے۔

امتیاز مذہب ملت بولتے۔ لکھتے اور پسند کرتے ہیں۔ ان ہی باتوں کی طفیل دو حصوں میں بٹ گئی۔ اہل اسلام میں اس کا نام "اردو" اور ہندوؤں کے ہاں "ہندی" ہو گیا۔ جب ہندوستانیوں کی تعلیم کے لئے کلکتے میں مدرسہ کھولا گیا تو ایک زبان کی تعلیم مسلمانوں کو "اردو" کے نام سے اور ہندوؤں کو "ہندی" کے نام سے دی جانے لگی۔ اگر اسی پر اکتفا ہوتا تو خیر کچھ بری بات نہ تھی مگر غضب یہ ہوا کہ دانایان فرنگ کی دوربینی سے ہندوؤں کے ہاں اس کا رسم الخط بھی بدل گیا یعنی فارسی کی بجائے سنسکرت کے طرز پر لکھی جانے لگی۔ گو سنسکرت نے اس پر اور بھی رنگ جمانا چاہا مگر اسے کچھ زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔

باایں ہمہ بعض فہمیدہ ہندو اور مسلمان اصلی زبان کو بزرگوں کا ورثہ سمجھ کر اسے برقرار رکھنے پر آمادہ ہو گئے اور ان سب نے مل کر اسکی آبیاری اور نگہداشت کا کام شروع کیا۔ ادبی مجالس قائم کیں۔ راتوں کو بیٹھ کر آنکھوں کا تیل ٹپکایا اور مشاعروں سے محفلوں کو گرمانے لگے۔ چنانچہ انکی یادگاریں لکھنؤ۔ دلی اور لاہور جیسے شہروں میں اب تک مجالس اور کتب کی صورت میں ہیں۔ مختصر یہ کہ ان بزرگوں نے اپنی اس مشترکہ زبان کو زندہ رکھنے اور ترقی دینے کے لئے بے حد محنت کی۔ انہی کی کوششوں اور کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ یہ زبان ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیل گئی اور آج ملک کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں اسکے بولنے یا کم از کم سمجھنے والے نہ ملتے ہوں۔ بلکہ اب تو اسمیں یہاں تک ترقی ہو رہی ہے کہ غیر ممالک میں بھی اسکی تعلیم و تدریس کا انتظام ہو رہا ہے۔

اسے مسلمانوں کی خوش بختی کہیے یا بدقسمتی کہ کچھ عرصے سے برادران وطن محض غلط فہمی کی بنا پر "اردو" کو صرف مسلمانوں کی زبان سمجھنے لگ گئے ہیں اور اب انکی یہ کوشش ہے کہ "اردو" کو مٹا کر "نئی ہندی" کو ملک کی مشترکہ زبان منوایا اور بنوایا جائے۔ جہاں تک "ہندی" کے پرچار کا تعلق ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ برادران وطن کو اس چیز کا حق حاصل ہے۔ مگر افسوسناک بات یہ ہے کہ وہ اردو ایسی علمی۔ ادبی اور ہردلعزیز زبان کی بے سود مخالفت کر کے نہ صرف مسلمانوں کے دلوں کو رنج پہنچا رہے ہیں بلکہ اس زبان کی داغ بیل رکھنے اور پرورش کرنے والے بزرگوں کی روحوں کو اذیت پہنچانے کے بھاری مجرم بن رہے ہیں۔

رباعی

پھر ابر خراماں کے سفینے آئے
ساون کے وہ بھادوں کے مہینے آئے
با ایں ہمہ دعوائے بزرگی ساقی
دیکھو تو ضیا جعفری پینے آئے

حضرت ضیا جعفری

زمزمۂ تغزّل

اثر: حضرت اخگر

رنج کب تک سہا کرے کوئی
مر نہ جائے تو کیا کرے کوئی

دل پہ جو کچھ گزرتی رہتی ہے
آپ سے کہہ کے کیا کرے کوئی

زندگی مطلق اِک خلش ٹھیری
درد کی کیا دوا کرے کوئی

دل کی دنیا ہے پھر سکوں بکنار
پھر قیامت بپا کرے کوئی

پھر مرے دل کا مدعا سُن کر
روٹھ جائے خدا کرے کوئی

اس تغافل پہ جان و دل قرباں
روئیں ہم اور ہنسا کرے کوئی

آپ ہی کہئے آپ کی تصویر
دل سے کیونکر جدا کرے کوئی

اپنی قسمت ہی جب ہے برگشتہ
کیا کسی کا گلہ کرے کوئی

ہے تمنا یہی مری اخگر!
مجھ سے عہدِ وفا کرے کوئی

فقیر!

نوشتہ حضرت رضا ہمدانی سیکریٹری بزم سخن پشاور صوبہ سرحد

۱

"...... اور میرے لئے اس بھری دنیا میں ایک کوئی بھی نہیں۔ مگر تیرے ہاں موت کا تو قحط نہیں"...

یہ نحیف و نزار آواز ایک کوٹھڑی سے اس وقت میرے کان میں آئی۔ جب میں سڑک کے کنارے عبرتکدۂ گور غریباں کا نظارہ بصد حسرت و یاس کرتا ہوا آ رہا تھا ——

آواز نے مجھے اپنی طرف متوجہ کیا اور میں بے خبر سوچے سمجھے کوٹھڑی کیطرف روانہ ہو گیا۔

۲

یہ کوٹھڑی "وزیر باغ" سے آتے ہوئے دائیں طرف عیسائیوں کے قبرستان کے سامنے واقع تھی۔ کوٹھڑی شکستہ حالت میں تھی۔ آدھی چھت موجود۔ اور آدھی صرصر زمانہ کے ہاتھوں تخریب یافتہ —— فقیر کی کٹیا خوشنما دروازوں۔ دلکش پردوں۔ اور نظر فریب چلمنوں سے بے نیاز تھی۔ کسی دربان کا ڈر۔ نہ نگہبان کا کھٹکا۔ جا بجا سوراخ اس فقیرانہ محل کے لئے روشندانوں کا کام کر رہے تھے

—— میں بے دھڑک کوٹھی میں داخل ہو گیا ——

اس چھوٹی سی کوٹھڑی کے ایک گوشے میں گھاس پر ایک سال خوردہ شخص کراہ رہا تھا۔ کوٹھڑی کا اثاث البیت سوائے ایک مٹی کے بھدے زرد رنگ کے پیالے اور ایک میلے کچیلے گھڑے کے اور کچھ نہ تھا۔ چیتھڑوں میں لپٹا ہوا فقیر آنکھیں بند کئے۔ اپنے سینے پر ہاتھ رکھے مبہم الفاظ یوں کچھ بڑبڑا رہا تھا ——

۳

میں فقیر کے پاس پہنچا۔ اسکے شانے پر ہاتھ رکھ کر ہلانا شروع کیا۔ میں نے محسوس کیا کہ فقیر کا بدن آگ کیطرح تپ رہا ہے کیونکہ میرا ہاتھ فقیر کے پھٹے ہوئے کرتے سے براہ راست اس کے جسم کو چھو رہا تھا۔

میں نے فقیر کی نبض دیکھتے ہوئے کہا "بابا۔ بابا"....

.... فقیر بات کاٹتے ہوئے گھبرا کر بولا —— "موت موت آ میں تیرا ہی منتظر تھا" —— "میں موت نہیں بلکہ انسان ہوں" میں نے کہا —— "انسان انسان کا اس جھونپڑی میں کیا کام۔ انسان قصروں اور محلوں میں سکونت رکھتے ہیں" فقیر نے جوش میں آ کر کہا —— "کیوں بابا کیا تکلیف ہے" —— میں نے فقیر کی پہلی بات کا جواب نہ دیتے ہوئے کہا —— "کچھ نہیں" فقیر نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا —— "بابا میں ابھی آپ کے لئے کھانا لے کر آتا ہوں" - میں نے فقیر سے عاجزانہ طور پہ کہا —— "کھانا —— ہونہہ —— کھانا مجھے تین روز کے عرصے میں رب العالمین نہ پہنچا سکا۔ تم تو اسکی مخلوق ہو" —— فقیر نے غصے اور طنز کی آمیزش سے کہا —— "نہیں بابا ایسا نہ کہو رب العالمین

کے پاس کسی شے کی کمی نہیں۔ اس نے تمہاری ضروریات سے زائد اشیا پیدا کر رکھی ہیں۔ تمہیں کھانا نہ پہنچنے کی تمامتر ذمہ داری ان سرمایہ داروں اور امیروں پر عائد ہوتی ہے جن کو قدرت نے اپنی مخلوق کے لئے اپنا امین بنا کر بھیجا ہے۔ ان کو دولت اسلئے عطا کی ہے کہ وہ اس میں سے غریبوں۔ بیواؤں اور یتیموں پر بھی تقسیم کریں۔ لیکن وہ خدا کی دولت کو غلط طریق پر اپنی ہوس رانیوں کی نذر کر دیتے ہیں۔ فطرت کے قوانین کو توڑنے والی اور اسکی توہین کرنے والی یہاں کی خود غرض سوسائیٹی ہے" میں نے فقیر کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا فقیر نے اس بات کا کچھ جواب نہ دیا لیکن اب وہ پہلے سے زیادہ کراہ رہا تھا۔

۴

میں فقیر کو چھوڑ کر شہر کیطرف چلدیا۔ سواری کی جستجو کی لیکن نہ مل سکی۔ شہر پہنچ کر بیکری سے ڈبل روٹی دودھ اور شکر لے کر ایک تانگے کے ذریعہ فقیر کی کٹیا میں پہنچا ——— دودھ اور ڈبل روٹی کو فقیر کے اسی زرد پیالے میں بھگو کر اسکے سرہانے جا بیٹھا۔ فقیر خاموش پڑا تھا۔ میں سمجھا کہ شاید غنودگی کا عالم طاری ہو ——— میں نے جیب سے چمچ نکالا تاکہ فقیر کو اٹھنے میں ہرج نہ ہو ——— "بابا بابا۔ لو کھانا۔ کھاؤ" ——— میں نے آہستہ سے اس کا شانہ ہلا کر کہا ——— لیکن جواب نہ ملا ——— میں نے پھر ذرا زور سے شانہ ہلاتے ہوئے کہا ——— "بابا اٹھو میں روٹی لے آیا ہوں" ——— پھر بھی جواب نہ ملا ——— اب کے میں نے فقیر کو زور سے جھنجھوڑا اور کہا ——— "بابا اٹھو کھانا کھاؤ" ——— تیسری بار بھی جواب نہ ملنے پر میں گھبرا سا گیا ——— میں نے فقیر کی نبض دیکھی ——— آہ ——— اس سیاہ بخت کی نبض ڈوب چکی تھی ——— ہاں مر وہ چکا تھا ——— اور اس کی پیشانی پر موت کے آخری پسینے کے سرد قطرات آنسو بہا رہے تھے ———.

۵

میں حیرت اور غم کا مجسمہ بن چکا تھا۔ میری آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے تھے ——— میں سوچ رہا تھا کہ نفسیر بھری دنیا سے بھوکا چلا گیا ——— لہریں مارتے ہوئے دریا سے پیاسا چل بسا ——— سوسائٹی کے اجارہ دار ——— فرعون ساماں سرمایہ دار ——— خدائی فوجدار نفس پرست لیڈر ——— جنت کے ٹھیکیدار خود غرض مولوی ——— اور سورگ کا رستہ غلط بتانے والے پنڈت اور برہمن ——— آرام و آسایش سے بے فکروں کی طرح اپنے اپنے محلوں۔ کلبوں۔ حجروں اور آشرموں میں زمین و آسمان کے قلابے ملا رہے ہونگے۔ لیکن اس بے سقف و بام محل کی کسی کو خبر تک نہ ہوگی۔ جہاں خدا کی مخلوق کا ایک فرد۔ روٹی اور صرف روٹی کے ایک ٹکڑے کیلئے سسکیاں لے لے کر مر گیا دودھ اور روٹی کے پیالے پر مکھیوں نے قبضہ جما لیا تھا اور وہ اپنی شکم پری میں مصروف تھیں ——— لیکن بھوکے اور پیاسے فقیر کی لاش پر حسرت و یاس اور بیکسی نوحہ خواں تھی +

غزل

اثر: جناب عبدالعزیز صاحب فطرت

انکی نگاہِ ناز سے مستی خرید لوں
اک کیفِ جاں نواز کی ہستی خرید لوں

لے لوں قدح کے دور سے اک گردشِ دوام
صہبا سے جاں گداز کی وہ مستی خرید لوں

مٹ جاؤں ان کے نقشِ کفِ پا کو دیکھ کر
نازاں ہو جس پہ عرش وہ پستی خرید لوں

جسمیں ہو اُن کے حسنِ ضیا آفریں کا عکس
جاں کے عوض وہ نور کی بستی خرید لوں

جسمیں ہو انکی یاد کا سوزِ شرر خروش
وہ دل وہ دردِ عشق کی بستی خرید لوں

پیمانۂ نظر کی وہ صہبا فروشیاں
جی میں ہے ذوق بادہ پرستی خرید لوں

دیوانگانِ عشق کا وہ رقصِ بے پناہ
مقدور ہو تو عرصۂ ہستی خرید لوں

مطالعہ

حسرت۔ میں جانتا ہوں کہ علم کی دولت سب سے افضل ہے۔ مگر کیا کیا جائے؟ کہ بعض مصنف عربی اور فارسی الفاظ اردو زبان میں اس کثرت سے استعمال کرتے ہیں کہ اگر ایک ایک آدمی سے بھی ایک ایک لفظ کے معنی پوچھے جائیں۔ تو زبان اردو پر حاوی ہونے کیلئے ایک مدت مدید چاہیئے۔

عظمت۔ یار واقعی حسرت ہو۔ ایک ایک آدمی کے پاس جانے کی تو ضرورت ہی لاحق نہیں ہوتی۔ اگر خدانخواستہ ایسا کیا جائے تو شام سے پہلے تھکاوٹ کے باعث جنازہ ہی اٹھتا نظر آئے۔

پھر ہر ایک آدمی تو الفاظ کے معنی بتا ہی نہیں سکتا رہے عربی فارسی کے مشکل الفاظ سو اس کے موجد ہیں غالب جنہوں نے نظم اردو میں فارسی آمیز تراکیب کے استعمال سے حسن پیدا کیا۔ اور نثر میں مولانا ظفر علیخان جو مشکل سے مشکل الفاظ استعمال کرنا نہ صرف اپنی شان کے شایاں سمجھتے ہیں بلکہ وہ تو زبان اردو کو اسی جامہ کے اوڑھنے میں السنۂ شرقیہ کی عزت کا باعث گردانتے ہیں۔

عزت۔ بھائی مشکل اور ادق الفاظ سے زبان کی زینت تو ایک ایسی مثال ہے کہ کسی مغربی عورت کو ۱۰ سیر کی چاندی کی ہیکل اور پانچ پانچ سیر کی بازو بیں اور سیر سیر کے کڑے پہنا دئے جائیں۔ اور پھر مکھی پیشانی پر لگا دیا جائے۔ اور دور سے دکھایا جائے چند تماشائیوں کو اور رائے طلب کی جائے کہ یہ مغربی عورت کتنی جمیل اور حسین ہے۔ تو دیکھنے والے بیک زبان پکار اٹھیں گے کہ سراسر ظلم ستم اور توہین ہے۔

عظمت۔ بھائیوں زبان ہمیشہ وسعت چاہتی ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ ہر آدمی کی بولی الگ الگ ہو اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ ہر پھول ایک ہی رنگ کا ہو۔ گلدستہ بے شمار انواع و اقسام کے پھولوں سے بنتا ہے جس میں چھوٹے بھی ہوتے ہیں بڑے بھی نازک بھی اور لطیف بھی بے بو بھی اور خوشبودار بھی۔ اسی طرح الفاظ مشکل بھی ہوتے ہیں آسان بھی۔ جو زبان کی جان ہوتے ہیں اور جو جو اپنے محل استعمال پر بھلے لگتے ہیں۔

رفعت۔ یار دماغ اچھا ہو۔ قوت حافظہ کمزور نہ ہو تو مشکل الفاظ بہت جلد یاد ہوسکتے ہیں اور گھر گھر کی بھیک سے بھی خلاصی ہوسکتی ہے۔

عظمت۔ بالکل ٹھیک میں جان گیا۔ آپکا منشا میں خوب سمجھا۔ آپکا اشارہ ہے "جدید لغات اردو" کی طرف جو شیخ غلام علی اینڈ سنز نے بڑی محنت سے اور بڑی دولت سے ادیبان ملک کے ایک نامور گروہ سے تیار کرائی ہے وہ نہایت اچھی لغت ہے میں خرید چکا ہوں۔

رفعت۔ بھائی تقریباً سات سو صفحوں پر مشتمل ہے اور ۲۲×۲۰ سائز ہے اور جلد بھی بہت مضبوط ہے۔ اور صرف تین روپے پر علاوہ محصول کے شیخ غلام علی اینڈ سنز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور سے مہیا ہوسکتی ہے ◆ (سفیر ادب)

چچا نے حجامت بنائی

از خامہ: حضرت ایم اسلم صاحب صدیقی (بہاولپور)

بندو...... بندو...... ابے بندہ نالایق

اب تو چارپائی کا پیچھا چھوڑ دو۔ کتنا دن چڑھ آیا۔ شاید تمہیں کسی عمر ہوش آئے گا...... بندو جو کہ چارپائی چچا کے قریب ہی پڑی تھی ایک دو انگڑائیاں لے کر آنکھیں ملتا ہوا اٹھا۔ لیکن صبح کی ٹھنڈی ہوا جو دھیمے دھیمے چل رہی تھی۔ بندو کے دل کو ایسی بھلی معلوم ہوئی کہ پھر چادر تان کر بستر پر دراز ہو گیا۔ ادھر چچا بھی غنودگی کی حالت میں اس طرح آنکھیں بند کئے بیٹھے تھے جیسے کبوتر بلی کو دیکھ کر۔ پینک جو آئی تو وہیں سربسجود ہو گئے۔ بدقسمتی سے جیل کے منتری نے جو ان کے دولتخانہ کے نزدیک ہی تھی چھ کا گھنٹہ بجا دیا جو حقیقت میں چچا کی تسبیح و تہلیل میں مخل انداز ہوا۔ اٹھے اور لگے بیچارے کو کوسنے۔ جو صلواتیں از بر تھیں ایک ہی دم میں فرفر سنا دیں۔ ادھر بندو کو دیکھا تو وہ بھی سویا پڑا تھا بہت چیخیں بھیں ہو کر آوازیں دینے لگے بندو...... او بندو ...... "ہاں جی"...... ابے احمق اٹھے گا یا میں ہی آ کر تمہیں اٹھاؤں۔ ہاں تو تمہاری مردوں سے شرط لگی پڑی ہے۔

دہ حوا کی بیٹی بھی چچا کی گیدڑ بھبکیوں سے بیدار ہو چکی تھی۔ مگر سستی اور کم ہمتی کے باعث ابھی تک چارپائی پر جماہیاں لے رہی تھی۔ چچا کی یہ طعن و تشنیع سنکر آپے سے باہر ہو گئی۔

"آج کس شامت نے تم پر ظلم کیا"

"کیوں کیسا ظلم"

"یہی کہ آپ کو چھ بجے ہی جگا دیا۔ کمبخت سات تو ہو لینے دیتا"

"پہلے تو تم ہی جگایا کرتی تھی"

"تو اور کون" سلمیٰ اتنا کہکر اندر چلی گئی۔

بندو...... جا اندر سے میرا حجامت بنانے کا سامان اٹھا لاؤ۔ سامنے الماری کے وسطی خانہ میں پڑا ہوگا اس نے تو آج کرتب کھائے ہوئے ہیں۔ خواہ مخواہ وقت ہرج کر رہی ہے۔ یہ بھی جاہلیت ہے نہ...... اگر کچھ تعلیم یافتہ ہوتی تو اسے پتہ ہوتا کہ میں کس سے تکرار کر رہی ہوں نہ اخراجات کا حساب ہی یاد رکھ سکتی ہے نہ گھر کی صفائی کا خیال ہے۔ کپڑے سیتی ہے تو ایسے بدنما کہ پہنتے بھی شرم آئے۔ بچوں کے عادات و اطوار بھی اسی لئے خراب ہو رہے ہیں۔ روزمرہ ان کی شکایتیں آتی رہتی ہیں۔ میں تو اس گھر سے تنگ آ گیا ہوں۔ پڑھی لکھی عورت ہوتی تو وہ میری اس تیس روپے میں سے گھر بنا لیتی۔ اسے تو کوئی سلیقہ ہی نہیں۔

سلمیٰ اندر آٹا لینے گئی ہوئی تھی تاکہ چچا سات بجے

تک تازہ روٹی کھا کر سکول چلتے نہیں ۔ امی سے ان کے بڑبڑانے کی آواز سنائی دی اور کچھ باتیں سمجھ میں بھی آ گئیں ۔ غضب آلود ہو کر باہر آئی اور آہستگی سے بولی .... حضور آپ کس موضوع پر تقریر فرما رہے تھے ۔ مجھے بھی تو مستفید فرمایئے ۔ چچا کچھ گھبرا سے گئے ۔ کیونکہ اگر وہ اکھڑ تھے تو بیوی ان کی پیر و مرشد ...... (چچا جھجکتے ہوئے) ... نہیں ..... کچھ نہیں تھا ..... میں نے تو سرسری طور پر یہ کہا تھا کہ اگر تو کچھ تعلیم حاصل کر لیتی تو آئے دن دھوبی کا جھگڑا نہ ہوتا رہتا ..... کبھی کوئی کپڑا گم ہو جاتا ہے ..... کبھی وہ دھلائی زیادہ لے لیتا ہے ..... کسی دن کپڑے تبدیل ہوتے ہیں .... (سلمیٰ غصے سے) بس جی بس میں کچھ نہیں سننا چاہتی بڑے آ گئے کلکٹر .... یہ منہ اور مسور کی دال ۔ اب بڑھاپے میں کالی بھیوں پر دل آ گیا ..... تیس روپے تنخواہ جس پر اتنی شیخیاں ہانک رہے ہو ۔ یہ تو ان کے ایک مہینے میں پوڈر پر اٹھ جاتی ہے ۔ پھر ولایتی عطر ۔ خوشبودار صابن ۔ آدم قد شیشہ ۔ اونچی ایڑی کے خوشنما بوٹ ۔ ریشمی کپڑے چڑھنے کے لئے سائیکل ۔ کھانا پکانے کے ملازم مہیا کرنے پڑتے تو ایک ماہ میں چھٹی کا دودھ یاد آ جاتا ..... آپ بھی یہ تازہ ارادے دکھاتے ہوتے ..... کیا اور بھی کچھ سنو گے ...... بچوں کو دودھ پلانے کے لئے دریا ۔ سیر کرنے کیوقت ایک کتا ...... (چچا بات کاٹ کر) تمہاری حد ہو چکی ۔ اگر اب ذرا بھی کلام کرو گی تو تیری اور اپنی جان ایک کر دوں گا ۔ للو (چھوٹا بیٹا) ..... للو ..... تیا تو لوندوا اندر ہی کہیں مر گیا ۔ یہ تو اس طرح کائیں کائیں کرتی رہے گی ۔ ہم تو اپنا کام کر کے سکول جائیں ۔ تین چار دن سے حجامت نہیں

تو آج بخار سا معلوم ہوتا ہے ۔ اُسے جلدی بلاؤ ...... لمبے سے ڈھیر سے بچے ہو گئے ۔ روٹی سے تو آج جواب ملا (دل میں ہی) اچھا ہو کے ہی چلے جائیں گے ..... للو سنی ان سنی کر کے گیند سے کھیلنے لگا .... ارے للو تمہیں کس کام کے لئے کہا تھا اور تم کیا کر رہے ہو ۔ میں کہتا ہوں کہ بندو کو بلاؤ ۔ کہیں اسے اندر ہی سانپ سونگھ گیا ..... ایسی اولاد بھی خدا کسی کو نہ دے ۔ للو —— جلدی آؤ جلدی —— (للو آتا ہے) بندو کہاں ہے ؟ ..... وہ تو الماری کے پاس چارپائی پر ہے اس پر سویا پڑا ہے (چچا دھیمی آواز سے) شاید ان کو نہیں نیم کھا دیا کرتی ہے دیکھو للو تم جاؤ اور سامنے الماری سے سرخ رنگ کا بکس لے آؤ ۔ اس کو نہ جگانا آج میں سکول سے آکر ہی اسکی خبر لوں گا ۔ چچا بھی چارپائی پر کچھ ایسے نثار تھے کہ بت بنے بیٹھے رہے .... دھوپ بھی محسوس ہو رہی تھی مگر وہ جوں کے توں جمے تھے ۔ خدا خدا کر کے للو بکس لے آیا ۔ چچا نے اس میں سے تمام چیزیں نکال کر مداری کی مانند اپنے سامنے قرینے سے چن دیں ۔ مگر پیالہ ندارد ۔ جس میں پانی ڈال کر وہ حجامت بنایا کرتے تھے بہت برہم ہوئے ۔ اب کس کو کہیں ۔ بیوی تو چھت پر بیٹھی تماشائیوں کی مانند ان کے کرتب دیکھ رہی تھی ۔ مگر ان کی نگاہوں سے پوشیدہ ۔ ادھر ادھر دیکھا کہ کوئی مددگار مل جاوے نہ پایا جو اندر سے پیالہ لا دے ۔ للو بھی گھبرا کر باہر بھاگ گیا ہوا تھا ۔ مجبوراً چارپائی سے جدائی اختیار کرنی پڑی ۔ اٹھے اور اندر جا کر پیالے کی تلاش میں محو ہوئے ۔ لیکن فرش پر الماریوں میں کہیں نظر نہ آیا ۔ سلمیٰ نے برتنوں کے ساتھ صاف کر کے اسے بھی تختے پر رکھا ہوا تھا ۔ تین تین چار چار دن تک اور

نیچے پڑے تھے جو سب لوہے اور تانبے کے تھے۔ ان کا پیالہ بھی انہوں نے کسی کے چھوٹے چھوٹے برتنوں کے نیچے سجاوٹ کے لئے رکھا ہوا تھا۔ جھٹ اسٹول رکھ چڑھ کر لگے اتارنے جونہی کہ ہاتھ اوپر کیا اسٹول ہلنے لگا۔ گرنے کے خوف سے چچا نے ایک ہاتھ سے تختے کو پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے پیالا پکڑنے لگا ابھی پیالے تک بھی ہاتھ نہ پہنچا تھا کہ دھڑام سے تختے سمیت نیچے آ رہے۔ پہاڑ کی مانند برتن سر پر گرے بہت چوٹیں آئیں۔ بندو جو ابھی تک سو رہا تھا یکلخت اچانک شور سنکر باہر کو بھاگا۔ سلمیٰ بھی کوٹھے سے نیچے اتر آئی۔ بیہودہ حالی دیکھ کر تو چچا کی روح تو تواب پہنچانے چچا تھے کہ جنگلی بلی کی مانند خاموش۔ اپنی غلطی پر خود نادم تھے۔ دبے پاؤں باہر آ گئے۔ مٹی کا ایک ٹوٹا پھوٹا برتن باہر دکھائی دیا۔ انہوں نے اسی کو غنیمت سمجھکر اٹھا لیا۔ جب حجامت کی صابن دیکھی تو بلیڈ خراب ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بہت جھنجھلانے لگے آوازیں دینے بندو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بندو۔ دوڑیو موہن کی دوکان سے دو پیسے کا بلیڈ لے آؤ۔ مگر آنا جلدی سات بج گئے ہیں اور میں نے ابھی سکول جانا ہے۔ ورنہ سزا دوں گا کہ نانی یاد آ جائے۔

ساڑھے سات ہو گئے چچا دروازے میں کھڑے بندو کے انتظار میں مجنوں ہو گئے مگر وہ ہے کہ کہیں دور تک بھی نظر نہیں آتا۔ ادھر ہیڈ ماسٹر صاحب کی جواب طلبی کا ڈر چچا کے دل کو مسل رہا تھا ——— ادھر برتنوں کے نقصان ہونے کا اندیشہ بھوت کی طرح دماغ پر تسلط جمائے ہوئے تھا۔ ان کے لئے تو ایک ایک منٹ جانکنی کا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ کہیں جلدی باہر چلا جاؤں۔ اگر سلمیٰ باہر نکلی تو خیر نہیں جھنجھلاتے ہوئے چارپائی پر بیٹھ گئے اور چار و ناچار ردی بلیڈ لیکر ہی حجامت بنانی شروع کر دی نتیجہ ظاہر ہے کہ بیچارے لہولہان ہو گئے۔ پھٹکڑی کو ڈھونڈنے لگے لیکن بے سود۔ اگر کہیں رکھی ہوتی تو ملتی (نرم لہجہ میں) تلو ——— بیٹا برتن میں راکھ دینا ——— شاباش

چچا نے بہت پھرتی سے داڑھی پر راکھ ملی بعد میں اسے جھاڑنے لگے۔ مگر وہ تو ایسی مرہم تھی جس کا بغیر صابن کے دور ہونا مشکل بلکہ ناممکن تھا۔ منہ دھونے سے چچا ویسے بھی ہمیشہ خوف کھاتے رہتے۔ آخر داڑھی اور سر پر پٹیاں باندھیں کپڑے پہنے چھڑی ہاتھ میں لیکر سکول چلدئے۔ بہت معصوم صورت بنا کر دفتر میں گئے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب سے آنکھیں دو چار ہوئیں۔

ہیڈ ماسٹر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سنا ہے حضرت سکول تو سات بجے کھلتا ہے اور آپ ساڑھے آٹھ بجے تشریف لائے ہیں۔ اس قدر دیر کا مطلب ؟ (چچا گدی پر ہاتھ رکھتے ہوئے) حضور شکر کیجئے کہ میری جان بچی ورنہ جیسے ڈاکوؤں نے مجھ پر رات کو یکبارگی حملہ کیا تھا اگر کوئی اور شخص ہوتا تو ہلاک ہو جاتا۔ اتنا کہکر جھٹ اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔

رباعی

جام مے و اندیشۂ رنگیں خواہم
در تاک فلک خوشۂ پروین خواہم
در عالم بے سر و ساماں ہمہ گل و دل
از دولت ساقی لب نوشیں خواہم

حضرت ضیا ...

حضرت آرزو لکھنوی

نگہہ کرم کا خواہاں جو میں دل فگار ہوتا
کوئی اور تیر چلتا کہ جگر کے پار ہوتا

جو صبا چمن سے آئی وہ نوید پھر نہ لائی
کہ خزاں رسیدہ دل پہ اثرِ بہار ہوتا

یہی حد نہ تھی وفا کی کہ قضا پہ ختم کر دی
ابھی اور کیا نہ کرتے اگر اختیار ہوتا

یہ تمہارا کل کا وعدہ کوئی حشر کا تھا وعدہ
کہ وفا نہ ہونے پر بھی مجھے انتظار ہوتا

مئے غم میں لطف کیا ہے یہ مگر عجب مزہ ہے
کوئی تلخ گھونٹ اترنا نہیں ناگوار ہوتا

ہیں چھپ آسرا لگائے اور اسے یہی بہانہ
کہ یہ منہ سے کچھ تو کہتا جو امیدوار ہوتا

نہ زمیں کی طرح پڑتا ترے دل پر اک نشاں بھی
مرا ایڑیاں رگڑنا کہ یہیں مزار ہوتا

ہوئی غم کی آگ پانی کہ جو آنکھ تر ہے ورنہ
جسے دیکھتے ہو قطرہ یہی اک شرار ہوتا

ترے نازِ جانستاں سے یہ لگاؤ تھا اسی کو
کہ جدھر یہ تیر چلتا مرے دل کے پار ہوتا

وہ کہیں کہ آرزوؔ کو مری غفلتوں نے مارا؟
ابھی ہم یہ بات کہتے تو نہ اعتبار ہوتا

میں کون ہوں؟

از حضرت سید حیدر جمیل صاحب صنوی رکن ادارۂ "مخبر عالم" مرادآباد

حسن پہ ناز کرنے والے محبوب سے میں نے پوچھا۔ تم حسین و جمیل ہو...... مگر افسوس! صادق کو نہیں پہچانتے..... تمہارے حسن فانی کی "تعریف میں گیت گانے والوں نے تمہیں بے حیا۔ اندھا اور محبت سے بدظن کرادیا ہے ——— کاش تم جان جاؤ "میں کون ہوں"!

محبت کو فلک رفعت پر پہنچانیوالا..... ہوش کا محب صادق ——— سرو جیسا آزاد۔ بلبل اور قمری سے زیادہ محبوب نواز..... لیکن تم! ——— افسوس محبت اور خلوص سے بہت دور! کاش اب بھی تم سمجھ لو کہ میں کون ہوں!

میں ستارے جڑے ہوئے آسمان کی طرح اپنے آغوش میں..... بجلی کی کڑک ——— بادل کی گرج ——— سورج کی تپش اور فضاؤں میں محیط بادلوں کی مانند محبت نواز دل رکھنے والا ——— مستی، محبت، سرور اور آزادی کی دنیا سے لطف اندوز ہونے کا متمنی ——— "میں" ———.

سکوتِ نیم شبی کو بارش کی ایک ہلکی پھوار سے فنا کر دینے والے حباب۔ آفتاب کے آزاد عاشق "آسمان کی طرح "میں" ——— جب چاند اور سورج اس عاشقِ عزیز سے ——— عشوہ، ناز یا ادا جس کے لئے وہ بدل و جاں تیار رہتا ہے ——— سے نہیں ——— صدمہ اور تکلیف دینے کے خیال سے ——— شانِ محبوبیت سے دور ہٹ جاتے ہیں ——— تو اے آئینِ محبت سے بے خبر لوگو ——— تم جانتے ہو۔ اس کا وہ حسرتناک انتقام جبکہ وہ اپنی باریک اور نحیف تجلی چادر سے ——— ان آفات سماوی کا مقابلہ کرتا ہے اور جسے تم! اسے ناسمجھنے والو! سورج اور چاند گہن کہتے ہو۔ وہ اس کا جذبۂ انتقام ہوتا ہے ——— اے کاش تم اب بھی جان جاتے "میں" کون ہوں ———.

جنگل کے حسین پرندوں کا شکار کرنے والے کتے ——— وحشی اور خونخوار۔ اپنی ہوس، کوتاہ بینی اور تنگ نظری سے حقیر شکار پر لڑنے میں مشغول ہو جاتے ہیں ——— تو! موقعہ کا متلاشی عقاب تیز پرواز ——— ان کی اس لڑائی کی مشغولیت میں ——— اس پرندے کی مانند جو شکار کے وقت سے ان کے ہمراہ ——— آسمان کی پرکیف فضا میں ہوا سے اٹکھیلیاں کرتا اور قلابازیاں کھاتا ہوا ——— موقعہ پاتے ہی اپنے پنجوں کی سخت گرفت میں شکار لے اڑتا ہے ——— ٹھیک اسی طرح دشمنوں کی نظروں کو بچاتے ہوئے۔ میں اپنے محبوب کے حسین جمال کو اپنی نگاہِ شوق کا شکار سمجھے ہو ——— ہر وقت موقع کا منتظر ——— "کاش اب بھی تم سمجھ سکو کہ "میں" کون ہوں۔

تمہاری حصول دنیا میں نہیں ———

غبارِ زندگی میں ——— ہمیشہ کے لئے زندگی حاصل کرنے والا ——— ایک کہنہ درخت فرد کی طرح "مضبوط"

غزل

از جناب ایم سعید قریشی ادیب عالم کوئٹہ

تنگ آ گیا علاجِ دوا سے دُعا سے میں
زخمی ہُوا تھا شوخیٔ تیغِ ادا سے میں

جو زندگی ملی ہے مجھے تیری دید سے
حاصل نہ کر سکا اُسے آبِ بقا سے میں

باتیں جو تیری زلف سے ہوتی ہیں صبح و شام
آئے تو پوچھ لوں ابھی بادِ صبا سے میں

رکھتے نہ ظلم و جور اگر مجھ پہ تم روا
ہوتا نہ خوش کبھی مہر و وفا سے میں

جو راز تیری سنبلِ کاکل میں ہیں نہاں
پوچھوں جو ابر آئے تو کالی گھٹا سے میں

بھولا نہیں ہوں منظرِ سوز و گدازِ عشق
زخمی ہُوا تھا جب سے تیغِ ادا سے میں

یادِ رفتہ

جناب محمد یوسف خان حضروی بوستان بلوچستان

تیری محفل میں بلبل اٹھ چلو یہ کیا قیامت ہے
یہ کیسا صدمہ تو نے نالۂ آتش نوا پھونکا

کوئٹہ! بلوچستان کے اپنے ناز شہر کوئٹہ! کیا تجھی کو سندھ و پنجاب کے امرا اور متوسط طبقے کے لوگ شملے کے مترادف سمجھتے تھے۔ اور تو موسم گرما میں ان کے لئے سیر و تفریح کے سامان بہم پہنچاتا تھا۔ اپنی سربفلک عمارات اور پر منظر و دلفریب باغات سے ان کے دل لبھاتا تھا۔ تجھ کو متصل و منفصل کے تمام لوگ رشکِ جناں تصور کرتے تھے۔ جو بھی ایک دفعہ تیرے دیدار سے مشرف ہوا۔ دوسری مرتبہ یقیناً اس کو تیری کشش اپنی پابوسی کے لئے حاضر کر دیتی۔ کسی شہر کا تیری صفائی صحت بخش آب و ہوا اور آرام سے مقابلہ کوئے جوشیر لانا تھا۔

کہتے ہیں تو افغانستان اور ہندوستان کی اولوالعزم اور قابل ترین ہستیوں کا مرکز تھا۔ مہمان نوازی میں لاثانی تھا۔ معلوم نہیں تیری کون سی ادا نرالی تھی کہ جو بھی آیا۔ تجھے اپنا حقیقی گھر خیال کر کے سکونت پذیر ہوتا گیا اور واپس جانے کا نام تک نہ لیا۔

لیکن آہ! تیری خوبصورتی و دلفریبی نہ دیکھی گئی۔ جو مندشہ تھا۔ وہی ہوا کسی کی نظر کھا گئی۔ معلوم نہیں تیری کس ادا نے تجھ پر آفت ڈھا دی۔

آخر اکتیس جون ۱۹۳۵ء کی منحوس رات نے اوقصانی عالم میں تیری بربادی و تباہی کی جانکاہ اور دلگداز خبر سنا دی۔ بلوچستان۔ پنجاب اور سندھ و ہند میں گھر گھر صف ماتم بچھا دی۔ اس ہولناک منظر کے تصور ہی سے خورد و کلاں کا دل بیٹھ پڑتا ہے اور کلیجہ منہ کو آرہا تھا۔ دنیا نے ۳۱ جون کو قیامت کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ نفسی نفسی کا عالم تھا۔ بھائی سے بھائی جدا تھا۔ باپ بیٹوں سے بچھڑ گیا تھا بیٹے ماں کو نظر نہ آئے۔ یار دوستوں سے اوجھل ہو گئے کوئی کسی کا پرسانِ حال نہ تھا۔

چمن کے تخت پر جس دم شہِ گل کا تجمل تھا
ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اور شور تھا غل تھا
خزاں کے دن جو دیکھا کچھ نہ تھا جز خار گلشن میں
بتاتا باغباں رو رو یہاں غنچہ یہاں گل تھا

خاندان کے خاندان تباہ ہو گئے۔ ناز و نعم سے پروردہ جنکے معمولی اشارے سے ہزاروں انسان کمربستہ نظر آتے تھے پیوند خاک ہو گئے۔ ؎

ہوا خون دل کیوں نہ پیر فلک کا ملے خاک میں نوجواں کیسے کیسے

آہ کوئٹہ! ظالم کوئٹہ! سنا ہے کہ اپنے بسنے والوں سے تجھکو اتنی محبت ہو گئی تھی کہ تو اس وقت تک ہزاروں کو اپنے دامن میں اس مضبوطی سے چھپائے ہوئے ہے کہ چھوڑنے کا نام تک نہیں لیا ہے۔ شاید اس وقت تک نہ چھوڑے جب تک ان کی ہڈیوں اور گوشت کو اپنی مٹی کے ساتھ مٹی نہ کر دے۔

حضرت جوشؔ ملیح آبادی مدیر "کلیم"

جس وقت شباب پر ہو ساون | فردوس بریں ہو صحنِ گلشن
پھولوں سے بھرا ہوا ہو دامن | دشوار ہو فرق دوست دشمن

اس وقت مجھے بھی یاد کرنا

جب یادِ گذشتہ انجمن ہو | ماتھے پہ ملال کے شکن ہو
سینے میں کشاکشِ محن ہو | غربت میں تصورِ وطن ہو

اس وقت مجھے بھی یاد کرنا

جب پارۂ سنگ یوں اچھالیں | دھوکے میں گھر کے لوگ اٹھالیں
جب بے ہنروں کی سخت چالیں | اربابِ ہنر کو روند ڈالیں

اس وقت مجھے بھی یاد کرنا

جاڑوں میں جب آگ کے کنارے | راتوں کو ہوں جوں جمع دوست سارے
آنکھوں میں ہوں کیف کے شرارے | گردوں پہ چمک رہے ہوں تارے

اس وقت مجھے بھی یاد کرنا

جب عزقِ غرورِ ہو شہریاری | دربار پہ ہیبتیں ہوں طاری
عبرت ہو شکارِ بے قراری | زخمی ہوا غرورِ خاکساری

اس وقت مجھے بھی یاد کرنا

ساحل پہ ہو جب ہوائے سنبل | ہو رامشِ و رنگ بادہ و گل
ساقی کی نظر میں ہو تجمل | سینے پہ محمل رہی ہو کاکل

اس وقت مجھے بھی یاد کرنا

جب رات کی تیرگی ستائے | اور نبضِ حیات چھوٹ جائے
جب نیند کسی طرح نہ آئے | اور صبح افق سے مسکرائے

اس وقت مجھے بھی یاد کرنا

جب روح کو عشق یوں جگائے | دل بغض و عناد بھول جائے
باطن پہ وہ رنگِ دوست چھائے | دشمن کی ادا پہ پیار آئے

اُس وقت مجھے بھی یاد کرنا

نقد و نظر

شہرہ

یہ ایک ہفتہ وار اخبار ہے جو حال ہی میں پشاور صوبہ سرحد سے جاری ہوا ہے۔ اخبار کی پالیسی ذرا ایک ایسی ادیب جماعت کے ہاتھوں میں ہے جس کے ارکان اردو کی اشاعت و ترویج کو ملکی ترقی و ارتقا کے لئے ضرور و لابد سمجھتے ہیں۔ بلا شبہ یہ اقدام دوست و دشمن کی نظروں میں مستحسن اور نیک ہے۔ صوبہ سرحد کے صاحب ذوق اور درد قوم رکھنے والوں کو "شہرہ" کی کما حقہٗ قدر کرنی چاہئے اور ان احباب کی حوصلہ افزائی فرمانی چاہئے جنہوں نے ایک ایسا پرچہ جاری کیا ہے کہ جو صحیح معنوں میں عام لوگوں میں علم و ادب کا ذوق پیدا کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ اگر ادارہ اپنے فرائض حسنہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں وقت کا پابند رہا تو انشاء اللہ العزیز "شہرہ" بہت جلد ابتدائی مراحل طے کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ حضرت سید ضیا جعفری اور آپ کے رفقائے کار کی متحدانہ کوششوں سے ایسے پرچہ کا مقبول ہونا کچھ مشکل نہیں۔ ہم ہدیہ تبریک پیش کرتے ہوئے دست بدعا ہیں کہ آپ کو خدائے واحد توفیق عطا فرمائیں کہ آپ اپنے عزائم پر مستقل مزاجی سے ڈٹے رہیں۔

پرچہ شروع تا آخر خوب ہے۔ خبریں بے توجہی کے باعث شکوہ سنج ہیں۔ کم از کم صوبہ بھر کی اہم خبروں کا ضرور اہتمام ہونا چاہئے۔ ہم علم نواز احباب سے پرچہ مذکور کی خریداری کی پرزور سفارش کرتے ہیں۔ ہفتہ وار "شہرہ" پشاور

"علم الحروف" تحقیقاً ماہر

جناب خانصاحب حکیم محمود علی خان ماہر اکبرآبادی کی یہ تصنیف سالہا سال کی محنت و عرق ریزی کا نتیجہ ہے۔ آپ نے اس میں (۱) دنیا کی سینکڑوں زبانوں کے حالات جمع کر دئے گئے ہیں (۲) تمام دنیا کی مروج اور مفقود شدہ ابجدوں کی تفصیل انتہائی تحقیق اور دلائل کے ساتھ پیش کی گئی ہے (۳) ابجدوں کے فوٹو بلاک دئے گئے ہیں ان کے علاوہ کئی مشہور خوش نویسوں کی وصلیوں کے فوٹو بلاک بھی شامل کتاب ہیں (۴) عرب اور عجم کے تمام باکمال لوگوں کے سوانح حیات اور علم الحروف کی مکمل تاریخ پیش کی گئی ہے (۵) تمام دنیا کے رسم الخط کے نمونے بھی دئے گئے ہیں (۶) علم الحروف کی ترتیب و تدوین میں جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے ان کے مستند اور بہترین ہونے کے ثبوت میں حوالے بھی پیش کئے گئے ہیں (۷) کاغذ قلم اور سیاہی کی مکمل تاریخ بھی بیان کی گئی ہے۔ (۸) اس کے علاوہ خصوصیات کے ساتھ تمام رموزات بھی پیش کئے گئے ہیں۔ جن کے علم کے بعد آپ پوشیدہ اور مشکل سے مشکل عبارتیں آسانی کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں۔

مختصراً یوں سمجھئے کہ علم الحروف پر سیر حاصل بحث کرنے کے بعد اس کتاب کو مکمل کیا گیا ہے۔ علم دوست طبقے کے لئے۔ طلباء کے لئے اور مذاق تحقیق رکھنے والے حضرات کے لئے ایک انمول کتاب ہے۔ بیسیوں تصویریں بھی شامل ہیں قیمت [illegible] علاوہ محصول۔ ملنے کا پتہ

منیجر ماہر کتب خانہ خراش خانہ دہلی

اختر

اس نام کا ایک ماہنامہ سرپرستی خان بہادر نواب احمد یار خاں صاحب دولتانہ ایم - ایل - اے اور جناب علی محمد صاحب برق اور مولانا ابو العلا چشتی ایسے کہنہ مشق اخبار نویس کی ادارت میں شائع ہو رہا ہے۔ بلحاظ ترتیب و تدوین رسالہ اچھا ہے۔ مضمون نگار حضرات تقریباً سب کے سب صف اول کے ادبا میں سے ہیں مثلاً حضرت اختر شیرانی۔ جناب آغا حشر دہلوی۔ جناب سید اللطافت مشہدی۔ حضرت یزدانی اور حضرت شفیع نوتش وغیرہ وغیرہ۔ لکھائی۔ چھپائی اور کاغذ (معمولی) صفحات (۵۶) سرورق دیدہ زیب۔ سالانہ چندہ ۲/ پتہ ذیل سے طلب فرمائیں:-

دفتر ماہنامہ اختر مسلم آباد چاہ میراں روڈ لاہور

جگت لکشمی

ایک ہفتہ وار باتصویر فلمی پرچہ ہے جو دو نوجوان اہل قلم کے زیر ادارت شائع ہو رہا ہے۔ جناب ٹنڈن اور حضور قدسی صاحب! قدسی صاحب نظم و نثر میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ آپ کا "برسات نمبر" خوب ہے تصاویر بھی اچھی ہیں۔ مضامین کی تزئین و تدوین بھی سزاوار تحسین ہے۔

قدسی صاحب کی کوششیں اگر ٹنڈن صاحب کے شامل حال رہیں تو پرچہ عنقریب اپنے معاصرین میں خاص جگہ حاصل کر لے گا۔ ہم قدسی صاحب کو ان کی اس فلمی خدمت ملک پر مبارکباد دیتے ہیں۔

ملنے کا پتہ

ہفتہ وار جگت لکشمی باتصویر لاہور

محبّت کی راہ

تاجدارِ ادب حضرت مولینا ظفر علی خان

محبت کی گلی میں سر کے بل جانا بھی ہوتا ہے
صنم کے آستاں پر سر کا ٹھکرانا بھی ہوتا ہے

جگر میں ٹیس کا رہ رہ کے اٹھنا شرط ہے اسکی
تڑپنا بھی یہاں ہوتا ہے تڑپانا بھی ہوتا ہے

مقدّر عشق بازی کا ہے جھڑکی یار کی سہنا
اور اس پہ مدعی کی گالیاں کھانا بھی ہوتا ہے

(افکارِ تازہ خاص جناب حکیم محمود علی خان صاحب ماہر دہلوی)

پیدا کیا ہمارے وطن میں جو آم کو
ہم پر بڑا یہ لطفِ خدائے کریم ہے

میووں میں اس جہان کے وہ لذتیں کہاں
شاید کہ آم میوۂ دار النعیم ہے

نعمائے دلپذیر کی ہیں اس میں لذتیں
گٹھلی ہے بے نظیر کی اس میں شمیم ہے

جس ملک میں ہے آم کی پیدائش کثیر
اس کا مقیم باغِ جناں کا مقیم ہے

جس قوم کے نصیب میں ہے یہ لذیذ پھل
اس قوم پر عنایتِ ربِ رحیم ہے

آم اتنا دلپسند نہ کیوں ہو کہ آم میں
اللہ کا الف ہے محمد کا میم ہے

دیتا نہ کیوں طفیلِ نبی حق ہمیں یہ پھل
حق بھی کریم اس کا نبی بھی کریم ہے

اک روز آم ہند کا خود ہوگا چارہ ساز
پروا نہیں جو ہند کی حالت سقیم ہے

رضوان کا دل تلاش میں ہے اسکی بیقرار
جنت کا قلب ہجر میں اس کے دونیم ہے

امرت کو بھی نہ دیگا وہ ترجیح آم پر
جس شخص میں ذرا بھی مذاقِ سلیم ہے

اللہ سے کچھ اور نہ مانگ آم کے سوا
اللہ سے جو طالبِ اجرِ عظیم ہے

آموں کے رس کو غیرتِ آبحیات جان
ماہر کی بات مان کہ ماہر حکیم ہے

کلیدِ تجارت

مسلسل

گذشتہ سے پیوستہ

مدیر

بعض اوقات محنت غیر پیدا آور ثابت ہوتی ہے۔ اور اس کے غیر پیدا آور ہونے کا سبب محنتی نہیں جانتا۔ ہاں اگر ہمکو یقین ہو جائے کہ اس کی محنت بے نتیجہ۔ بے مقصد اور بے نفع ہے تو وہ ہرگز حرکت و عمل نہ کرے۔ انسان کا فہم اور ادراک اتنا مکمل نہیں کہ وہ کسی چیز کو ایک نظر دیکھنے کے ساتھ ہی اس کے عیوب و نقائص اور مثالب و محاسن سے واقفیت حاصل کر سکے۔

مثلاً ایک زمیندار ایک زمین کے ٹکڑے کو قابل کاشت بنانے کے لئے بڑی محنت اور جانفشانی کرتا ہے۔ کھاد ڈالتا ہل چلاتا۔ پانی دیتا اور سنگریزوں کو نکالتا ہے۔ مسلسل کئی بار ایسا کرتا ہے۔ ایک دن اسے اعتماد ہو جاتا ہے کہ وہ جو بوئیگا خوب اگیگا۔ لنگوٹ باندھکر رات دن ایک کرکے زمین کی اصلاح کرتا اور فصل کے مطابق زمین کی خاطر و مدارات کرتا ہے۔ مگر باوجود اتنی محنت کے جب وہ بیج بوتا ہوا خوشیوں سے دامن کو بھرنے کے وقت کھیت میں آتا ہے تو اس کے تمام ارمان دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔

اسی طرح ایک جانباز عاشق اپنے محبوب کی خاطر مدارات اور خدمت کرتا ہے۔ رسوائی۔ ذلت اور طعن و تشنیع کا شکار ہوتا ہے لیکن معشوق سے وابستہ آرزوؤں کا پورا نہ ہونا اس کی محنت اور کوشش کے مفہوم و معنی کو برباد نہیں کر سکتا۔

۱؎ جو شخص اپنے گرد و پیش کے حالات کو بخوبی جانتا ہے۔ اگر محنتی مفلس اور غریب ہے۔ اور اس کو یہ توفیق نہیں کہ ایسی زمین ٹھیکے پر لے سکے۔ جس میں پرورش نباتات کی قابلیت موجود ہو۔ تو یہ امر مجبوری جو اسکے پاس ہو گی۔ خواہ وہ قابل ہو یا ناقابل اسی پر جان کھپائیگا۔ بہر نوع اس کی محنت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ پیدا آور ہونا یا نہ ہونا یہ اس کے اختیار میں نہیں۔ محنت کا اقدام کرنا اور اسکے اثرات سے قیاس کر لینا کہ نتائج حسب دلخواہ ہوں گے بہت مشکل ہے۔

والدین اگر ہمدردی۔ محبت اور خونی تعلق کی بنا پر
اپنی اولاد کی پرورش اور تربیت علوم وفنون پر بے دریغ ہزارہا
روپے صرف کر دیتے ہیں۔ مگر اولاد قابل نہیں نکلتی تو ان باپ
کی محنت میں شمار کرنے کی گنجائش کا امکان بھی تو پیدا نہیں
ہوتا۔ اگر اولاد فی الواقعہ والدین کی کوششوں کے مطابق نہ ہو۔ تو
والدین کی محنت کو غیر پیدا آور کہا جائے اور اس طرح ان تفتہ جگر
عشاق کے معشوق جو وفا شعار نہ ہوں کو غیر پیدا آور کے مفہوم
میں لیا جائے تو کچھ بیجا نہیں۔

ایک دھوبی ایک قیمتی لباس اس شرط پر مالک سے
لیتا ہے کہ وہ تمام داغ دھبے دور کر دے گا۔ چنانچہ دھوبی
اپنی محنت کے پیش نظر مالک لباس سے دیانتدارانہ معقول
اجرت طلب کرتا ہے۔ مالک بخوشی قبول کرتا ہے۔ مگر ساتھ
ہی یہ کہتا ہے کہ اگر داغ صاف نہ ہوئے تو ایک پیسہ نہیں دونگا
دھوبی اس شرط سے سرمو انکار نہیں کرتا۔ اس کے علم میں یہ
چیز ہے کہ وہ ان اشیا کے مرکب سے بدنما داغ دور کر سکیگا لیکن
باوجود ازبس محنت کرنے وقت کھونے کے بھی وہ دھبے نہیں
جاتے اور مالک لباس اسے مزدوری نہیں دیتا۔ تو اسے آپ
پیدا آور محنت کیسے کہہ سکیں گے؟

غرضیکہ جہاں غیر پیدا آور اور پیدا آور محنت کا مفہوم آپ
کے ذہن نشین کر دیا گیا ہے وہاں آپ کے لئے مندرجہ ذیل در
اور قسم کی واقفیت بھی ضروری ہے۔

با مہارت و بے مہارت محنت

جس ہنر، کام اور فن کو سیکھنے میں محنت۔ ذہانت اور
وقت زیادہ صرف آتے۔ اسے محنت با مہارت کہتے ہیں
مثلاً کرتے سے عمدہ قمیص۔ تہمد سے شلوار وغیرہ۔ کرتہ
اور تہمد پر کم محنت پڑتی ہے اس لئے یہ محنت بے مہارت
ہے۔ یعنی مشکل تر کام جو ہوں وہ سب کے سب محنت با مہارت
اور جو بلا غور کئے بسہولت آ جائیں بے مہارت ہیں۔

محنت کے اثرات صحیحہ و غیر صحیحہ

مقدار محنت یا اوقات محنت

اس فلک فنا کے بنانے والے نے ہر کام کے کرنے کے
مختلف اوقات مقرر کئے ہیں اور ہر پیداوار کے لئے الگ
الگ موسم۔ دن اور رات کر دیئے۔ دن کام کاج کے لئے
اور رات آرام کے لئے۔ یہی تقسیم موسموں کی ہے کسی موسم
میں کچھ اور کسی میں کچھ پیدا ہوتا ہے۔ رسول اکرمؐ نے بھی وقت
کی پابندی کا درس دیا ہے۔ نمازیں بھی اقتصادی نقطۂ نظر
سے بہت زیادہ مفید ہیں مگر افسوس تو یہ ہے کہ مسلمانوں نے
خدائی احکامات کے منشا کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ نہ
صرف وقت کی پابندی نماز سے سیکھی جاتی ہے۔ بلکہ غیر حاضر
نمازیوں کے حالات سے آگاہی ہوتی ہے ان سے ہمدردی
اخلاص اور اعانت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کی
شادی و غمی میں شرکت و شمولیت کا موقع ملتا ہے۔

ہر کام اعتدال سے ہی ہو تو اچھا ہوتا ہے اور اعتدال
کو قائم کرنے کے لئے ہی انضباط اوقات کی ضرورت در پیش
ہوتی ہے محنت کسی قسم کی ہو اسکے لئے وقت کی مقدار کو
ہر لحظہ خیال میں رکھنا چاہئے۔ بے اعتدالی سے انسان کی
دیوار صحت کے گرنے کا امکان پیدا ہوتا ہے۔ اگر حزم و
احتیاط کو پیش نظر نہ رکھا جائے اور اندھا دھند صبح و شام
محنت کی جائے تو یقیناً ایک ایسا زمانہ قریب آ جائیگا
کہ آپ کا تن بدن کسی مرض میں مبتلا ہو جائے۔

اگر جان ہے تو جہان ہے" یعنی انسان کی جسمانی حالت اچھی ہوگی تو وہ سب کچھ کر سکیگا۔ اسلئے اپنی جان کی حفاظت کرنا اور صحت کو برقرار رکھنا سب سے مقدم ہے۔

محنت محنت کے وقت۔ لہو بازی اور سیر و تفریح بھی اپنے اپنے وقت پر چاہئے۔ پہلے وقتوں میں آدمیوں کی عمریں بہت زیادہ ہوتی تھیں۔ اور اُن کی صحتیں بھی مضبوط تر آج کل اگلے وقتوں کی نسبت ہماری بدنی طاقتیں بھی کمزور اور عمریں بھی کم ہوگئی ہیں۔ اسلئے ہمیں اپنے ایام عمر کو غنیمت جانتے ہوئے محنت سختی کے ساتھ کرنی چاہئے۔ تاکہ اِس مکان فنا اور اُس جہان بقا میں ہمارے "اعمال" جو شجر محنت کا ثمرہ ہیں ہماری کامرانی و فیروز مندی کا موجب بن سکیں۔

اندازاً ہر انسان اس جہان عدو جہد میں تیس سال محنت کرتا ہے۔ یا کچھ کم اور کچھ زیادہ۔ پہلا حصہ بچپن و نادانی کا اور دوسرا شباب و جوانی کا یعنی محنت و جانفشانی اور آخری حصہ ناکامی و کامرانی یا شادمانی کا۔ عمر کا یہ درمیانی حصہ ہی سب سے زیادہ قیمتی ہے جس میں جو بو گے وہی کاٹو گے۔

دہقانِ سالخوردہ چہ خوش گفت با پسر
اے نورِ چشمِ من بجز از کشتہ ندروے

محنت مزدور کے تابع ہوتی ہے۔ مزدور جیسی محنت کرے گا ویسا ہی پھل پائے گا۔ سست اور کاہل مزدور کبھی دنیا میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ابتدائے آفرینش سے آج تک لگاتار ہر پیشہ کے انسان جو بلا واسطہ یا بالواسطہ مزدور کے مفہوم کے ماتحت ہیں۔ ہاتھ ہلا رہے ہیں اور قدم بڑھا رہے ہیں۔ ان سب کا آپس میں کچھ نہ کچھ بالواسطہ و بلاواسطہ تعلق ہے۔ اڈیٹر۔ بیرسٹر۔ زمیندار۔ بڑھئی۔ کسان۔ مزدور۔ معمار۔ راج تاجر۔ سوداگر۔ لوہار۔ سنار۔ گورنر۔ وائسرائے۔ مفتی۔ لیڈر

غرض دنیا کا ہر انسان اپنے کام کے لحاظ سے ایک دوسرے سے وابستہ ہے۔ اور ہر ایک انسان کی محنت کے اثرات ایک دوسرے کے کام اور پیشہ پر پڑتے ہیں۔ ہر شخص اپنے اپنے مقام پر الگ الگ محنت کرتا ہے۔ اور اکثر کی محنت صبح سے شام تک کے عرصہ میں ایک دوسرے کے امدادات سے بدل لی جاتی ہے اور اکثر کی آٹھویں دن۔ اور بیشتر کی مہینہ بھر کے بعد۔ محنت کے اثرات نیک اور بد اور نفع رساں اور مضرت رساں ہوتے ہیں۔ ایک شخص آمدو رخصت طبقہ میں حفظ نفس کی طفیل جاتا ہے اور فعل بد یا تفریح طبع کے بعد وہاں سے نکل کر گھر پہنچتا ہے۔ کوئی واقف حال اسے دیکھ پاتا ہے تو طنز و طعنہ دیتا ہے۔ جس کا نتیجہ بجز ندامت اور ذلت و رسوائی کے کچھ برآمد نہیں ہوتا۔ یا ایک شخص بُرے فعل کا مرتکب ہوتا ہے جس کے نتیجہ کے طور پر وہ موذی امراض کا شکار ہو جاتا ہے۔ ایسے اثرات بد کہلاتے ہیں۔

ایک شخص کسی سے نیکی کرتا ہے۔ مقدمہ کے دوران میں۔ قرض کی ادائیگی میں۔ بھوک و پیاس کی حالت میں یا ظلم و جور کے موقع پر تو لوگ ایسے نیک طبیعت اور خوش سیرت کی تعریف کرتے ہیں۔ وہ نیک نامی سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ سننے اور دیکھنے والوں کے قلب میں اسکی وقعت و عظمت پیدا ہوتی ہے۔ بخیبت ایسے سامان اس کے لئے مہیا ہوتے ہیں کہ ہر کہ و مہ کے دل میں اس کی شخصیت مقبولیت و ہر دلعزیزی حاصل کر لیتی ہے۔

ایک شخص سمندر کی تہ سے اسفنج کاٹتا ہے۔ موتی لاتا ہے۔ کان کھودتا ہے۔ سونے اور چاندی کے ٹکڑے جمع کرتا ہے۔ تو اس کے اس کام کی قیمت کا صحیح اندا

منڈیوں میں آکر بکتا ہے۔ کوئی چیز اپنی صفاتِ خاص کے باعث کتنی قیمتی کیوں نہ ہو۔ جب تک جوہر شناس کے ہاتھ نہ لگے اس وقت تک وہ کنکروں اور تنکوں سے زیادہ حیثیت کی مالک نہیں ہوتی۔

ایک تاجر یا سوداگر لاہور میں بیٹھا ہے وہ ایک فرم کا مالک یا سرپرست ہے۔ جہانتک اسکی تجارت کے فروغ کا تعلق ہے وہ اس کے لئے پوری پوری جدوجہد کرتا ہے جتنے ہاتھوں سے اسکا مال گزرتا ہے ہر ایک کو اس کا معاوضہ ادا کرتا ہے بغیر ملک کو بھیجتا ہے۔ جو خرچ آتا ہے برداشت کرتا ہے۔ علالت و مصیبت میں بھی اپنے کاروبار کے سلسلہ کی رفتار کو نرم نہیں پڑنے دیتا۔ بلکہ پوری مستعدی اور تن دہی سے کام لیتا ہے کہ مبادا میری بیماری کی آڑ میں میرے ملازمین میرے ساتھ دھوکا نہ کر جائیں اور میرے کاروبار کو برباد نہ کر دیں۔ ایسا شخص تو ہوتا ہے لاہور میں مگر اسکی ہونہار طبیعت اسکو گھاٹا نہیں دیکھنے دیتی۔ الغرض اس کی دیانتدارانہ محنت کے اثرات دور دراز تک اسکی شہرت کا باعث بنتے ہیں۔ وہ محض چند الفاظ کہکر اور کچھ حروف کا غذ پر لکھکر لاتعداد سودا خرید سکتا ہے۔ یہ وہ اثرات ہیں جو ہر سمجھدار تاجر اور کامیاب سوداگر کو دنیا کی تجارتی ملکی اور غیر ملکی منڈیوں میں حاصل ہونے چاہئیں۔

اب وہ بزرگ کہاں

(اللہ لوک کے قلم سے)

وہ زمانے بڑے برکت والے تھے۔ لوگوں کے دلوں میں خدا کا ڈر تھا۔ اب تو دنیا میں کوئی خدا کو پہچانتا ہی نہیں۔ ہر طرف خدائی میں حرص و ہوس کی ہوائیں ہیں۔ لالچ طمع اور عیاشی کے اڈے ہیں سب بے ایمانیاں۔ بداعمالیاں حد سے بڑھی ہوئی ہیں۔ ریاکاروں کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے۔ ابلیس کے کارکنان پُرجوش طریق پر گناہ کا سبق پڑھا رہے ہیں۔ اور پڑھنے والے اس شغف اور انہماک سے سر جھکا کر محنت میں لگے ہوئے ہیں گویا انکی اسی میں نجات و نصرت ہے۔

افضل بابہ۔ ہدایت و نیکی حاصل کرنے والوں کے لئے تو اب بھی ایسی راہیں موجود ہیں۔ مگر اب دنیا کے اذہان نیکی کی طرف مائل ہی نہیں ہوتے۔ اگر نیکی اور ہدایت اپنا شعار بنانا ہو تو اب بھی دنیا میں ایسی ایسی کتابیں موجود ہیں جن کو پڑھ کر انسان رشد و ہدایت حاصل کر سکتا ہے۔ میں نے اپنے ایک دوست کو دیکھا کہ وہ ایک جگہ کسی بزرگ کے حالات بیان کر رہا ہے اور لوگ ہاں سننے والے اس پر قربان جا رہے ہیں۔ میں نے اس سے تنہائی میں پوچھا کہ ایسے لوگوں کے قصے کن کتابوں میں درج ہیں تو اس نے کہا کہ کیا تم نے کبھی تذکرۃ الاولیاء کا نام نہیں سنا؟ اگر نہیں سنا اور فی الواقع نیک اور بزرگ بندوں کے حالات پڑھنا چاہتے ہو تو آج ہی شیخ غلام علی اینڈ سنز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور سے خرید لیجئے قیمت بھی معمولی صرف ۲؍ علاوہ محصول ڈاک ہے

دوکانداری

مولانا قلقل شربتی کے بے ربط قلم سے

دنیا کا بازار بڑا دلچسپ اور رنگین ہے۔ یہاں ہر شخص اپنی چھوٹی موٹی شخصیت کو بڑھا چڑھا کر لوگوں کی نظروں میں جھول ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ ہر شخص اپنی شخصیت کو دنیا میں ایک دوکاندار کے لباس میں ظاہر کرتا ہے۔ غلام ہندوستان کے دوکاندار بھی آخر غلام ہیں۔ اُن کی چمکتی ہوئی دوکان ان کی چلتی پھرتی دولت۔ اُن کی سنجاب و سمور کی پوشاک۔ اُن کی بے فکری کی میٹھی نیند۔ سب غلامی کے بدنما داغ سے بدصورت ہیں۔ قانون کا شکنجہ اور آرڈر کا ہولناک دیوتا جب اپنا سرخ سرخ لاؤلشکر لے کر کسی شریف اور بھلے مانس پر چڑھ دوڑتا ہے تو اس اثنا میں خدا سے مختار بھی غلام کی دستگیری سے جھجکتا ہے۔

مولانا ظفر علی خان اسلامی دنیا میں ایک خاص شخصیت کے مالک ہیں۔ آپ بڑے سمجھدار دوکاندار ہیں۔ سرمایہ لگانا اور سرمائے سے دولت کے خزانے مقناطیس کی طرح کھینچ لینے میں آپ کو اتنا کمال حاصل ہے کہ اگر کرشن مہاراج کے زمانہ کے پشت ہا پشت سے بنئے بھی اتنی جلدی اتنی دولت پیدا کرنے کی کوشش کریں جتنی مولانا موصوف اپنے قلم کی جنبش سے تو واللہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ وہ ہزار گنگلوں کا ذائقہ چکھنے سے پرہیز کریں۔ پکوڑے اور بھلے بھی کھانے چھوڑ دیں۔ اور دھوت دھوتیاں بھی پھاڑ چیر کر لنگوٹ بنائیں۔ پھر بھی اس قسم کی بچتوں سے اُن کا کچھ نہ بنے گا۔

مولانا مسلمان ہیں۔ شاہ دل۔ شاہ خرچ اور حاتم ثانی ہیں۔ جادوگری اور سحرکاری میں طلسم بنگالہ پر تفوق و عظمت رکھتے ہیں۔ مداریوں کو آپ نے اکثر راہگذروں پر روپے بناتے دیکھا ہوگا۔ اُن کو بھی بن جا بن جا کہتے دیر لگتی ہے۔ مگر مولانا کے ذہن میں ادھر سیم و زر کا خیال آیا۔ ادھر فوراً تھیلیوں کی تھیلیاں حاضر کر دی گئیں۔ جونہی مولانا نے مُنہ برستا دیکھا تو گرجتے اور چمکتے ہوئے بادلوں کی طرح لگے برسنے۔ قلم اٹھایا اور حکومت کو وہ چھنن کا ناچ نچایا کہ ایوانِ عام اور ایوانِ خاص کے ارکان مس مادھوری۔ سلوچنا اور مس شانتا اپٹے بنے نظر آئے

قانونِ مغرب نے بڑے حوصلے سے گردن اٹھائی۔ لرزتا۔ لرزتا۔ پھسلتا۔ پھسلتا گہری نظروں سے مولانا کو پہچاننے لگا۔ جونہی قریب ہوا تو یوں گویا ہوا " ہاں ہاں میں نے پہچانا۔ تم زمیندار کے وہی مالک اور ایڈیٹر ہو جس کے متعلق اڈوائر بہادر لکھ گئے ہیں۔ کہ انڈیا سے بغاوت اس وقت تک نہیں جا سکتی جب تک تمہارا وجودِ مسعود وہاں موجود ہے"

مولانا۔ ہاں میں وہی ہوں۔ جس کو اہلِ فرنگ کی عقل و خرد کسی طرح بھی قابو میں نہیں لا سکی۔

اچھا دیکھو مولانا پریس تمہارا ضبط کیا جاتا ہے۔ اخبار

بھی۔ پندرہ دن کے اندر اندر سات ہزار روپے جمع کر دیجیے مولانا!

مولانا! آج کل کے بے عمل اور سست مولویوں کی طرح نہیں ہیں۔ وہ غازی امان اللہ خان جیسا صابر اور مضبوط دل رکھتے ہیں اتاترک مصطفیٰ کمال ایسا نڈر، نڈر والا دماغ اور فاروق اعظمؓ کی طرح مومنانہ پختہ توکل۔ وہ قامت کشیدہ سرو سہی کی طرح دفتر میں مصلے بچھا کر عجز و نیاز سے بارگاہ رب العزت میں جھکے۔ فرشتوں نے لپک لپک کر مولانا کے دعائیہ الفاظ جو اخلاص و صداقت کی خوشبو سے معطر و معنبر تھے اٹھائے۔ کروبیوں کے ہاتھوں میں قادر مطلق نے کہا شہ جنت کو سنوار دینے والے جیب بھول سکتے۔ تو ملائکہ فلک الافلاک سے پوچھا کہ کیا یہ مولانا ظفر علی خاں کے سر پر یا آزاد بندے پر کوئی افتاد پڑی ہے۔ فرشتوں نے بیک زبان کہا کہ جی ہاں!

خدائے قدوس نے مخیر لوگوں کا اس کی طرف رجوع کرایا مولانا مجسمہ "شکر" بن کر اَن گنت دولت کے خزانچی سے بقدر ضمانت روپیہ لیکر فرنگیوں کی عدالت میں بروقت پہنچے۔ حکومت کے قضا و قدر سٹ پٹائے اور مولانا کے ڈیکلریشن کے منسوخ ہونے سے پہلے مرحلوں پر تبسم دیکھ کر زندہ درگور نظر آئے۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ حکومت کا "خدنگ سیاست" اب کام تمام کئے بغیر نہیں رہے گا۔ اور مولانا کی وہ دکان جو "زمیندار" کے نام سے دنیا میں مشہور ہے نیلام ہوتی نظر آئے گی ؎

تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑینگے پرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہوا

مولانا مسکین جیسا جہاندیدہ ناخدا اور حضرت سندباد جہازی ایسا دوربین کپتان مولانا کے عزائم کی سختی سے فوراً تاڑ گئے کہ زمیندار کی چٹان بہت مضبوط ہے۔ حکومت کے ان جھونکوں سے تو زمیندار کے دفتر کا ایک تنکا بھی اپنی جگہ سے نہیں ہل سکتا۔ ایسی آندھیاں تو پہلے بھی کئی بار شیرازہ کو منتشر کرنے پر زور و قوت کا خاتمہ کر چکیں مگر مولانا پکار اٹھے ؎

در خور قہر و غضب جب کوئی ہم سا نہ ہوا
پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا

ہاں میں جو کچھ کہنا چاہتا تھا وہ تو بھول ہی گیا۔ یعنی ایک دفعہ مولانا موصوف نے "اسلامی بازار" کی مبارک تحریک شروع کی تھی۔ ایک دو بار "تجارت مانا" کے ہر کونے کے مسلمان تجارتی اشیاء برائے نمائش اور فروخت لے کر بڑی کر و فر سے دہلی دروازے کے باہر "زمیندار" کے سابقہ دفتر کے سامنے جہاں اب "احسان" کا دفتر ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ جہاں ادیب یگانہ مولانا سندباد جہازی کو مسجد شہید گنج کی تحریک کے دنوں میں کرفیو آرڈر کا پاس رکھنے کے باوجود ایک ظالم اور ستم پیشہ گورے چٹے نے تختہ مشق بنا لیا تھا۔ اولوالعزمانہ اقدام کیا تھا عین اس "تاریخی جگہ" کے سامنے اسلامی بازار سجایا گیا تھا جس میں سندھی۔ افغان۔ یوپی والے۔ سرحد اور گرد و نواح کے وہ باشندے جن کو مولانا سے عقیدت تھی۔ سمجھئے یا مسلم تجارت کے علمبردار اکٹھے ہوئے تھے۔ باوجود بڑی احتیاط کے بھی کھوے سے کھوا چھلتا تھا اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یہ دربار تجارت قیامت تک اسی طرح لگا رہے گا۔ مگر کیا کیا جائے مسلمانوں کی غیر مستقل مزاجی کا کہ وہ دن اور رات میں سو سو رنگ بدلتے ہیں۔

آپ جانتے ہیں کہ اس "اسلامی بازار" کے محرک "تاجدار ادب" مولانا ظفر علی خان تھے۔ مولانا ایک حقے کے کش کے سرور و کیف اور دھوئیں کے اخراج سے پہلے پہلے شعر تو بالعموم کہہ سکتے ہیں اسکی تائید تو خواجہ دہلوی" نے ہی یوں فرمائی ہے کہ آپ پنجاب کے پانچ دریاؤں سے طبیعت میں زیادہ روانی رکھتے ہیں۔" خواجہ صاحب پہ ہی کیا موقوف ہے اس حقیقت سے تو دشمن بھی سر مو انکار نہیں کر سکتا۔ بے شک کسی انگریز سے پوچھ لیجئے۔ یا کسی لٹر کا لگسی کی شہادت لے لیجئے۔ مگر یہ تو ناممکن ہے کہ مولانا اپنی "ادبی قابلیت" کے زور پر اقتصادیات و معاشیات کے اتھاہ سمندروں میں بھی اپنے جہازوں کو کامیابی کے ساتھ چلا سکیں۔ ہر کام اور فن میں مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ بغیر تجربہ و مشاہدہ کے کوئی بڑے سے بڑا انسان معمولی سے معمولی کام کو بھی کماحقہ سرانجام نہیں دے سکتا۔ "ہر کسے را بہر کارے ساختند۔"

مولانا کے دانا اور ہوشمند ہونے میں اگر کوئی شخص شک لائے تو بالیقین وہ بزدل اور پلید۔ مگر مولانا کو جو ماہر علم الاقتصاد مانے وہ پورا پورا احمق یا کاٹھ کا الو۔ ہمیشہ صحیح اندازہ کسی کے کیریکٹر، حرکات و سکنات اور گفتار و رفتار سے لگایا جا سکتا ہے۔ مولانا موصوف کو سالہا سال گزرے کہ وہ یورپ کی سیر کے بعد جبکہ گریجوایٹ بھی تھے۔ اور زمانے کے نشیب و فراز سے آگاہ بھی۔ تو ان کے والد بزرگوار نے آپ کو "زمیندار" کے نام کی دوکان پر بٹھایا۔ جس پر کسی اور قوم کا فرد بیٹھا ہوتا تو آج سارے یورپ کا اکیلا مالک ہوتا۔ مگر یہاں تو یہ حال ہے۔ کہ الحفیظ الامان! کے سوا کچھ منہ سے نکلتا ہی نہیں۔

ذاتی اصل تو اصل ساتھ قوم کے اصل کو بھی یوں بے دریغ سے ڈبو یا ہے کہ رہے نام اللہ کا۔ کاش! مولانا نے جتنا روپیہ آج "تک گوری حکومت" کے خزانۂ عامرہ میں جمع کرایا ہے۔ قوم سے مانگا ہوتا اور حضرت سرسید مرحوم کیطرح قوم پر خرچ کیا ہوتا۔ کوئی مل ہوتی۔ کوئی ورکشاپ۔ کوئی کارخانہ تو کم از کم پنجاب کے نوجوانوں کی بیکاری کی تعداد مولانا ممدوح کے شعروں سے تو نہ بڑھتی۔ اتنی بار گھاٹا اور نقصان دیکھنے کے باوجود اور گھر بار اٹا دینے کے بعد اور قوم کا دیوالہ نکل جانے کے بعد بھی صراط الہدایت پر گامزن ہونے کی سعی جہد نہ کرے تو از راہ خدا انصاف سے کہئے وہ شخص "اسلامی تجارت" کے ٹھنڈے پڑے ہوئے بازار کو کیسے گرما سکتا ہے۔ اور پھر ہزاروں ٹھوکروں کے بعد بھی وہ اپنی اصلاح پر غور و فکر نہ کرے تو آخر سے آپ کسقدر "ماہر اقتصاد" سمجھیں گے۔

میرا مقصد نعوذ باللہ! مولانا کی مخالفت نہیں۔ میں تو انکے ادب کے آسمان کی خوبیوں اور تابانیوں کا اسی طرح قائل ہوں جسطرح جمعیۃ الاقوام "حبشہ کی موت" کی اور ——— مسولینی کے ظلم اور جبر کی۔ لیکن جس طرح حبشہ کی اعانت سے جمعیۃ الاقوام مجبور، بے بس، عاجز اور لاچار ہے بالکل اسی طرح مولانا موصوف قوم کی مالی حالت کی درستی و اصلاح سے

خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری کا ضرور حوالہ دیں۔

(مینجر)

نسائیات

غزل

مدیرہ صفیہ بیگم صاحبہ شمیم

کوئی دنیا میں رہا بھی ہے جو رہ جائیگا
ہاں مگر دہر میں افسانہ ہی رہ جائیگا

میٹ دے پہلے یہ دنیا کی خوشی کا جھگڑا
پھر مسرت سے یہ دل رنج بھی سہہ جائیگا

نہ ستا اے غم جاناں شب فرقت میں مجھے
ورنہ دل آنسوؤں کی شکل میں بہہ جائیگا

طور کچھ ایسے ہیں دل کے کہ پتہ چلتا ہے
جل کے خود اپنے ہی شعلہ میں یہ رہ جائیگا

نہ شمع ہوگی نہ پروانوں کا محفل میں ہجوم
ہر زباں پر مگر افسانہ ہی رہ جائیگا

جل کے مٹ جائینگے خود ہم تپ فرقت میں شمیم
ہجر میں جب نہ کوئی مشغلہ رہ جائیگا

گو شمیم آپ کا دنیا میں رہیگا نہ وجود
نام دنیا میں مگر آپ کا رہ جائے گا

اَے مُسلمہ!

محترمہ مریم خانم صاحبہ بنت جناب چوہدری مولا بخش صاحب مرحوم

اے مسلمہ دیکھ تو کیا تھی؟ تیری آغوش تربیت کیسا تھی! اور تیری آغوش میں پلنے والے کیا تھے۔ اُن کا اخلاق کتنا بلند اور اُنکی عادات کتنی اچھی تھیں۔ اُن کے کارنامے کیسے شجاعت آموز تھے۔ اُن کا اغیار سے کیسا برتاؤ تھا۔ اپنے اُن سے کس عزت سے ملتے تھے! بزرگوں کا وہ کتنا احترام کرتے تھے۔ اونچی آواز سے بولتے نہ تھے۔ ہر بڑے کے حکم کی فوراً تعمیل کرتے تھے۔ مظلوم کی امداد۔ بیوہ سے ہمدردی۔ مفلس کی دستگیری۔ یتیم کی خدمت۔ ان سب صفات سے متصف تھے۔

نمازیں وقت کی پابندی سے پڑھنا۔ روزے رکھنے اسلام کے ناموس کی خاطر جانِ عزیز قربان کرنا۔ تبلیغ کی خاطر مصیبتیں سہنا۔ طعنے برداشت کرنے۔ جسمانی تکلیفیں سہنا۔ اللہ کے احکام کو پھیلانا۔ اور اللہ کے نام پر تلوار اٹھانا۔ تلوار چلانا ان کے ایسے فرائض تھے جن سے وہ کبھی بھی چشم پوشی اور غفلت نہ برتتے تھے

مگر آج جو تیرے بیٹوں کی حالت ہے۔ وہ اس قابل نہیں کہ بیان کی جا سکے۔ نہ خدا سے محبت نہ رسولؐ سے رفاقت۔ لہو و لعب۔ تعیش۔ جاہ و منصب پسندی۔ قرآن و حدیث سے بے بہرہ۔ نماز روزے سے بیگانہ حج اور زکوٰۃ سے بے خبر۔ بزرگوں کی تعظیم و تکریم سے بے نیاز۔ یعنی پہلے مسلمانوں کی ایک بات بھی ان میں نہیں پائی جاتی۔ دیکھ جب تو روزِ حشر اپنے دفترِ اعمال کو لے کر حاضرِ دربار ہوگی تو تیرا کیا چہرہ ہوگا۔ اس روز پرسش سے ڈر۔ اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ۔ انسان کے ہر بچے کی تربیت و پرورش کی تو ہی جواب دہ ہے۔

انگریزی تہذیب کو جب تو نے اختیار کیا۔ یا اسکی طرف رجحان کیا تو تیرے بچے بھی اس سے مانوس ہوگئے۔ تیری بے پردگی۔ آزاد طبعی اور لہو بازی کی سے اسلام کے ماتھے پر داغ پڑ گئے ہیں جن کو دھونا تیرا فرض ہے۔ اس میں تیری بھلائی ہے۔ اگر تو نے احتیاط سے کام نہ لیا تو عنقریب تیری پروان چڑھتی ہوئی نسل گمراہی کی غار میں گر کر صفحۂ عالم سے بے نشاں ہو جائیگی۔

ہاں! دیکھ اگر تو دائرہ اسلام میں رہ کر ارکان اسلام کی پابندی نہیں کر سکتی تو جس مذہب کی تو دلدادہ ہے اُسے قبول کر لے۔ اسلام کو بدنام نہ کر اور اس کے روشن چہرے کو داغدار نہ کر۔

اپنے فرائض کو پہچان۔ حیات کا مقصد جان اور خدا کی طرف اور اس کے محبوب کی طرف توجہ کر۔ ان دونو کی خوشنودی اور رضامندی میں تیری کامیابی۔ فتح اور نصرت کا بھید چھپا ہوا ہے۔

یا رب العزت تو اپنے فضل سے ہم سب کو اپنی محبت اور وحدت پرستی کا جذبہ عطا فرما۔

غزل صوفیانہ

محترمہ آنسہ سیدہ انور جہاں بیگم صاحبہ مستور بھوپال

گہے وہ صورتِ محمودؔ گہہ ایاز بنے
کبھی وہ ناز بنے اور کبھی نیاز بنے

شہیدِ نازشِ غمزہ بنا رہے ہو مگر
رہے خیال نہ قاتل نگاہِ ناز بنے

کمالِ عشق میں صد آفریں اُسے کہیے
کہ جس کے جسم کی رگ رگ مثالِ ساز بنے

ہٹائے پردۂ دوئی کے عروجِ عشق ہوا
ایاز غزنوی اور غزنوی ایاز بنے

رہینِ مستی و منت کشِ شراب رہے
خدا کے سامنے اسپر بھی پاکباز بنے

سب ہوشیار رہیں اہلِ دل کہو مستورؔ
دلوں کی خیر کہ پھر گیسو دراز بنے

مشرق اور مغرب

جنابہ حمیدہ سلطانہ بنت ڈاکٹر خدا بخش خان صاحب

۱

اپنے والدین کی مردم چشم اور سعید منزل کی حقیقی شمع زہرہ جب ساتویں سال میں تھی۔ تو والدین نے سکول میں بھیجا۔ اس وقت تک زہرہ کو دنیوی تعلیم سے مزین کیا جا رہا تھا۔ اب وہ تعلیم دنیاوی کے لئے طیار ہوئی۔ مسٹر سعید کے بڑے بھائی کا لڑکا اصغر اسوقت تک اپنے گلشن ہستی کی بیدراں بہاریں لوٹ چکا تھا اور میٹرک کے امتحان میں شاندار کامیابی حاصل کرنے کے لئے ہمہ تن مشغول تھا۔ کہ اچانک زہرہ کے باپ نے درد گردہ کی وجہ سے اس دار فانی کو الوداع کہا۔ زہرہ کی والدہ فہمیدہ پر گویا کہ مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ چونکہ سعید اعلیٰ عہدے پر مامور تھا۔ آمدن کافی تھی۔ اس پر فہمیدہ کی کفایت شعاری نے سونے پر سہاگہ" کا کام کیا تھا۔ وہ نوکروں کی محتاج نہ تھی۔ کیونکہ وہ ہر ایک کام خود کر سکتی تھی۔ اس لئے سوائے اپنے رہائشی مکان کے اپنی تمام جائداد جس کا تخمینہ پچاس ہزار کے قریب تھا۔ بیچ کر روپیہ بنک میں رکھوا دیا اور اپنی تمام تر توجہ زہرہ کو اعلیٰ تعلیم دلوانے کی طرف مبذول کر دی۔

۲

اصغر مندرجہ بالا واقعات کے چھ سال بعد ایم اے پاس کر کے انگلینڈ جانے کی تیاری کرنے لگا۔ اس وقت زہرہ ساتویں جماعت میں تعلیم پا رہی تھی۔ اصغر گاہے گاہے فہمیدہ اور زہرہ کو دیکھنے جایا کرتا تھا۔ آج وہ ان سے تین سال کے لئے جدا ہونے کے لئے ملاقات کر گیا۔ آتے وقت اس نے زہرہ کو جو مختصر نصیحت کی وہ یہ تھی۔ "بہن! بحیثیت بھائی کے نصیحت کرتا ہوں برا نہ ماننا کہ بغیر کسی ضرورت کے گھر سے قدم نہ نکالنا۔ کیونکہ آزادی ہی سے چال چلن میں فرق پیدا ہوتا ہے" یہ بات زہرہ جیسی لڑکی کے لئے کافی سے زیادہ تھی۔ اس نے سہیلیوں کے گھر جانا بھی بند کر دیا۔

۳

اصغر تین سال کے بعد "مسٹر اصغر بیرسٹر ایٹ لاء" بن کر آیا اور مغرب کا بہترین تحفہ "میم صاحبہ" مسز اصغر" بھی ساتھ لایا۔ جب وہ اسٹیشن پر اترا۔ تو اسکے والدین۔ فہمیدہ اور زہرہ کی جو اس کے استقبال کے لئے کھڑے تھے۔ حیرانگی کی حد نہ رہی۔ جب انہوں نے میم صاحبہ کو مسٹر اصغر کے پہلو بہ پہلو اترتے ہوئے دیکھا

۴

گھر پہنچ کر مسٹر حمید کو بہت غم ہوا اُن کی یہ امید کہ وہ

اپنے مرحوم بھائی کی نشانی زہرہ کو بیاہ کر اصغر کی رفیقۂ حیات بنائے گا۔ خاک میں مل گئی۔ باپ نے اصغر کو سمجھایا کہ اگر وہ باپ کو خوش کرنا چاہتا ہے تو وہ زہرہ کے ساتھ رشتۂ حیات منسلک کرلے اور میری (مسز اصغر) کو واپس بھیج دے۔ مگر اصغر نے صاف جواب دے دیا کہ وہ اپنی زندگی کی دلچسپیاں کھو کر ایک ایسی لڑکی کو (جو اسکی نظر میں ناآشنائے تہذیب ہے) نکاح میں نہیں لاسکتا۔

۵

ہندوستان کے پہنچنے کے دو ماہ بعد ہی میری کو انگلستان کی گلیاں یاد آنے لگیں۔ جہاں ایک ہی دفعہ جانے سے کئی دوست بن جاتے اور جن میں ایک اصغر بھی تھا۔ آخر دو سال قید سخت کی طرح گزارنے کے بعد اصغر کی غیر حاضری میں بمعہ تمام دولت اور اسباب لے کر چلی

گئی۔ دو ہفتے بعد جب اصغر کام پورا کر کے واپس گھر آیا۔ تو اسے ایک تار ملا جس میں یہ درج تھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کے ساتھ بیوفائی کی مگر میں مجبور تھی۔ ہندوستان میں ہم لوگوں کیلئے ایسی دلچسپیاں میسر نہیں۔ میں آپکو مطلع کرتی ہوں کہ آپ بیفکر رہیں۔ میں بہت خوش ہوں" (میری)

(۶)

اصغر پریشان اور عرق خجالت میں غرق تھا۔ میری کے چلے جانے پر مسٹر حمید اور مسز حمید نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ انہوں نے فہمیدہ کو مجبور کیا کہ وہ اسکی امید مردہ کو زندہ کرے۔ فہمیدہ نے اپنی لخت جگر۔ الفت و وفا کی تپلی۔ شرم و حیا کا مجسمہ سلیقہ شعار زہرہ کو اصغر کے ساتھ وابستہ کر دیا۔ اور اب ناآشنائے تہذیب (زہرہ) اصغر کے دل کی ملکہ اور سسرال کی رونق بن کر رہنے لگی +

اندازِ بیان

آپ جانتے ہیں کہ گفتگو کا سلیقہ اور تحریر کا طریقہ ہر ایک کو نہیں آتا۔ اور جسے یہ آئے۔ دنیا اسکی تعریف کرتی اور اسکے علم کی تاثیر سے استفادہ کرتی ہے۔ بعض مصنفین کی کتابیں خاص انداز میں لکھی ہوتی ہیں۔ لوگ مزے لے لیکر پڑھتے ہیں۔ اور بسا اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ کسی چیز کو شروع کر بیٹھے مگر ختم سے پہلے چھوڑنے کو ہی جی نہیں چاہتا۔ اگر آپ کا کوئی بچہ انگریزی تعلیم اور انگریزی تہذیب کے اثرات کے باعث نماز پڑھنے میں بے قاعدگی یا سستی

سے کام لیتا ہے۔ اور بہ حیثیت مسلمان ہونے کے یہ دل سے چاہتے ہیں کہ وہ نماز کا پابند ہو تو آپ اُسے معمولی قیمت کی کتاب رموز الصلوٰۃ پڑھنے کو دیں۔ جس کا انداز بیان اتنا موثر اور دلکش ہے کہ آپ کو پھر بچے کو نماز کی تاکید کرنے کی ضرورت ہی باقی نہ رہے گی۔ اور یہ کتاب اور بھی بے شمار چیزیں سکھاتی ہے۔ اسکو جب آپ خریدکرنا چاہیں شیخ غلام علی اینڈ سنز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور سے صرف ۸ر پر خرید سکتے ہیں۔

مچھلی کے آنس کا پردہ
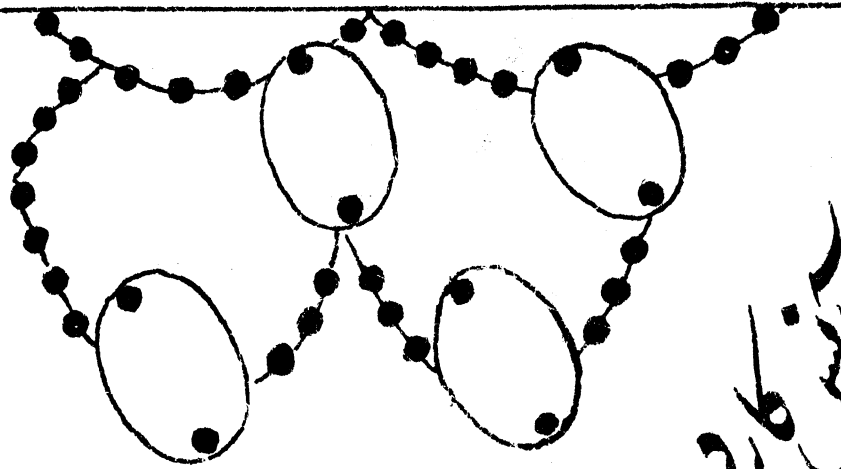
عزیزہ مسز منور جعفری

بڑی مچھلی کے آنس صابن سے دھو کر ایسے پانی میں بھگو دیجئے جس میں تھوڑا سوڈا اور چونے کا پانی ملا دیا گیا ہو۔ دو دن تک اس پانی میں بھیگنے سے مڑنے کا اندیشہ نہیں رہتا۔ پھر ہلکا رنگ (گلابی) لیجئے اور سایہ میں خشک کیجئے۔ اس عمل سے بُو اگرچہ دور ہو جاتی ہے۔ مگر خوشبو پیدا کرنے کے لئے کسی خوشبودار کارڈ میں بسائیے (آٹو دل بہار اور اسی قسم کے معطر کارڈ بازار میں بہت ارزاں ملتے ہیں) ایسا ہی ایک کارڈ چھلکوں میں رکھکر تین دن تک کسی پتھر سے دبا دیجئے۔ مہین پیتل کا تار سنہرے موتی اور ایک لکڑی اتنی چوڑی جتنا بڑا پردہ بنانا ہے۔ لیجئے لکڑی پتلی ہونا چاہئے اور کنارے پر سوراخ ایک ایک انچ کے فاصلے سے مچھلی کے چھلکے لے کر سب کو ایک ناپ اور ایک شکل میں قینچی سے کاٹ کر سلائی کی مشین سے نیچے اوپر سوراخ کر لیجئے۔ جیسا نقشے سے عیاں ہے۔

بنانے کی ترکیب

لکڑی کے کنارے پر تار کے دو تین چکر دے کر مضبوط کریں۔ پھر چار موتی ڈال کر ایک چھلکا ڈال دیں۔ چھلکے کے بعد پھر چار موتی ڈالیں اور دوسرے سوراخ میں ڈالیں۔ پہلی قطار اسی طرح ختم کر دیں۔ دوسری قطار بھی اسی طرح بنا لیجئے۔ جو نقشے سے ظاہر ہے۔ پردہ دروازے یا کھڑکی کا جتنا بڑا بنانا مطلوب ہو لمبا کرتی جائیے۔ بہت خوبصورت ہوگا۔

مُرسلہ :- ادیبہ جلیلہ محترمہ آنسہ انور سلطانہ ماہرخ اکبرآبادی

نوائے حق

از محترمہ محمودہ بیگم معلّمہ بنات اسلام

ہر باغبان اپنے باغات کی حفاظت و نگہداشت کرتا ہے۔ اور ہر قسم کے خطرات سے اپنے گلوں اور بوٹوں کی پوری پوری دیکھ بھال کرتا ہے۔ خوفناک آندھیوں سے بچاتا گرم لوؤں سے محفوظ کرتا۔ جانوروں سے پناہ میں رکھتا اور ہر قسم کے خطرات سے مکمل طور پر اپنی پاسبانی میں لے لیتا ہے بالکل اسی طرح اولاد کی حفاظت و پرورش اور تعلیم و تربیت کی ذمہ داری والدین پر ہوتی ہے۔ مرد اور عورت کے اشتراک اور اتحاد کے مقاصد میں سے اہم ترین مقصد مخلوقِ خداوندی میں اضافہ ہے۔ اور اس کثرت میں جس حد تک محبت اور ہمدردی کا جذبہ فطری طور پر کارفرما ہے۔ اس سے مقصود باہمی رفاقت ہے۔ اگر یہ "خونی تعلق" کا سلسلہ منقطع ہو جائے تو تنظیمِ خلائق منتشم زوال میں درہم و برہم ہو جائے۔

پس ہر ماں اور باپ جہاں اپنی اولاد کے سچے محسب ہیں وہاں حقیقی نگران بھی ہیں۔ اس لئے والدین کو اپنی اولاد کی نیکی بدی۔ اچھائی برائی۔ تہذیب و جہالت۔ تنگی و ترشی سے جسقدر قریب کا تعلق فطرتاً ہے کسی اور کو نہیں۔ نیز اسلام کی رُو سے تو ہر والدین خدا کے نزدیک اس امر کے جوابدہ ہیں کہ انہوں نے کہاں تک انکی اصلاح اور ان کے حقوق کی تکمیل کی ہے۔

پس اے اپنی اپنی اولاد کی تربیت کرنے والو! دنیا میں مختلف وقتوں میں مختلف تہذیبیں چمکیں اور جلد یا بدیر غارت ہوگئیں۔ بہ حیثیت مسلمان ہونے کے تم پر جہاں اور بھی فرائض عائد ہوتے ہیں، مقدم یہ ہے کہ تم اپنے بچوں کی تربیت اسلامی طریق پر کرو۔ یعنی درسِ قرآن اور درسِ حدیث کی اس دولتِ عظمیٰ سے اپنی اولاد کے دماغ و دل کے نہانخانوں میں اسقدر فراوانی کرو کہ انہیں میدانِ حیات میں حرکات و سکنات کرتے ہوئے کسی اور دولت سے فائدہ اٹھانے کی احتیاج لاحق نہو۔

زمانہ گواہ ہے کہ اسلامی تعلیم کے حامل بچوں سے اُن امور کی توقع ناممکن ہو جاتی ہے جو خارج از اخلاق ہوں۔ مگر وہ بچے جو دیگر تہذیبوں کے گہوارہ میں پروان چڑھے ہوتے ہیں ان کے اعمال و افعال بالکل کتابِ انسانیت کے معیار پر پورے نہیں اترتے۔ میرا منشا و مقصد یہ ہے کہ جن بندگانِ خدا کے گلوں میں حقانیت و وحدت کا حلقہ پڑا ہوا ہے اور جو اپنے آپ کو مومن و مسلم کہلاتے ہیں۔ اُن کے اخلاق میں کوئی کمی اور کجی نہ ہونی چاہیئے۔ اسلئے ہمارا وہ اطالیق جسے محمد رسول اللہ صلعم کہتے ہیں اسکے اخلاقِ حسنہ سے دوست اور دشمن گردن نہیں پھیر سکتے۔

المختصر جہاں اولاد کی دنیاوی خواہشات کے لئے ماں باپ ہر قسم کے نفع و زیاں کو منظرِ تعمق دیکھتے ہیں وہاں ان کو اخلاق اور ادب کے زیور سے مرصع کرنے میں بھی پوری پوری محنت سے کام لینا چاہیئے۔

نوٹ۔ اسے مختلف رنگوں میں بنایا جائے تو خوبصورت معلوم ہوگا
از جناب۔ مکرم حسین صاحب

آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ لڑکیوں کو امورِ سلطنت اور حصولِ ملازمت کے لئے گھر کی چار دیواری میں آج کل اجازت دینا کچھ اچھے نتائج پیدا نہ ہوسکنے کا احتمال ہے۔ کیونکہ آزادہ روی سے نہ مرد قابو میں ہیں اور نہ عورتیں۔ دوسرے مردوں کے زندہ و سلامت ہوتے عورتوں کو ملازم کرانا باغیرت و حمیت قوموں کے لئے ایک بہت ہی شرمناک فعل ہے۔

ہاں!

بچیوں کے اخلاق کو بلند کرنے کے لئے اخلاقی۔ خانہ داری۔ تربیت۔ اولاد۔ دستکاری وغیرہ کی تعلیم دینا قوم کو زندہ و رفیع رکھنے کے مترادف ہے۔ اسلئے آپ کو چاہیئے۔ کہ جبکہ تہذیب حاضر ہر شریف مرد عورت کو گمراہ کرنے اور عزت و ابرو کو ڈبونے کیلئے جانباز سپاہی کی طرح میدان میں ڈٹ چکی ہے تو آپ کو اپنی اس طرح حفاظت کرنی چاہیئے اور اولاد کو یوں بچانا چاہیئے۔ کہ دیکھنے اور سننے والے آپ کے ہمیشگی سفر اختیار کرنے کے بعد بھی آپ کا نام عزت سے لیں۔

انگریزی تہذیب پر کیا موقوف ہے۔

جو قوم اپنی دینی تعلیم سے پہلوتہی کرتی ہے بہت جلد ذلیل ہوجاتی ہے۔ صنفِ نازک کا طبقہ نہایت "نازک" ہوتا ہے اسکی جتنی کڑی حفاظت کی جائے اسی قدر خوشگوار نتائج پیدا ہونے کا امکان ہوتا ہے۔ شریف زادیوں کو گھر کی چار دیواری میں "جہانداری" کرنا ہوتی ہے انہیں فرصت کے وقتوں میں دستکاری اور صنعت لیسے "پیدا آور" اور لطیف شغل کو کسی حالت میں بھی نہ چھوڑنا چاہیئے۔

میں جانتی ہوں۔
کہ میں ایک بلند بخت کی بیٹی تھی۔
موٹریں، کاریں، دولتیں، نعمتیں، مجھ پر قربان

میں خوشیوں کے باغوں میں خوش نصیب بلبل کیطرح
نغمہ سنج۔ مستقبل کی رعنائیوں میں ریشمی بستروں پہ
شاندار کمروں میں دلکش سامانوں کے ساتھ

گزر گئی تقدیر۔

یک بیک میرے شوہر کی بے اعتدالیوں سے میں کسی قابل نہ رہی اور میرا خاوند بھی مجھے تنہا چھوڑ کر اس بیوفا دنیا سے رخصت ہو گیا۔

میرے لڑکے کی خصلتیں ننگ انسانیت تھیں اس لئے وہ دولت جو مشکل اس کے لقمۂ نفس بننے سے بچ رہی تھی بد خواہوں کی جیبوں میں چلی گئی۔

میں اپنی اولاد کی "کامیاب زندگی" کی بدل و جان خواہاں مگر دو چیزوں کے نہ ہونے سے میں بیحد حیران اور پریشان۔ ایک شوہر۔ دوسرے مال و دولت۔

میں نے دوسروں کے دست نگر ہونے سے اپنے آپ کو تکلیف دینا مناسب سمجھی۔ یعنی دستکاری سیکھنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کیا۔ شروع شروع میں زیادہ دیر پابندی سے بیٹھنا دشوار معلوم ہوا مگر بالآخر طبیعت میں اس چیز نے یہاں تک اثر کیا کہ آج محلہ بھر میں لوگ میری مشقت و محنت کی داد دیتے ہیں۔

زمانہ کسی کا ساتھ نہیں دیتا۔ وہ لوگ جو دوربین ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ اس جہان بے ثبات پر اعتماد کرنا سراسر نقصان کا موجب ہے۔

اول اول صنعت دستکاری میں طبیعت نہ لگی کیونکہ طبیعت میں امارت کا نشہ بہت زیادہ تھا مگر ضرورت وقت نے طبیعت کو ایسا بدلا کہ اب وہ بھولے سے بھی ایام گزشتہ کبھی یاد نہیں پڑتے۔

میں نے "رہبر سوزن کاری" ایک کتاب خرید کی جو مختلف مصنفین کی محنت شاقہ کا نتیجہ ہے۔ ابتدائی دیباچہ ہے جس کے مطالعہ سے دل پر خاصہ اثر پڑتا ہے۔ پھر ہر صورت کے پھول، بیلیں، گلدستے، قطعات، نیز انگریزی زبان کے پھولوں میں کھیلتے ہوئے حروف نہایت ہی اعلیٰ قسم ہیں۔ میں نے خوب مشق کی۔ اب میں ماہرہ دستکار مشہور ہوں۔ بڑے بڑے گھرانوں کی بیبیاں میرے پاس سیکھنے اور کام بنوانے کے لئے آتی ہیں عنقریب میں ایک دستکاری کا مدرسہ جاری کرنے کے خیال میں محو ہو چکی ہوں۔ میرا غالب خیال ہے کہ مدرسہ میں دستکاری کے مضمون کے لئے یہی "رہبر سوزنکاری" ہر دو حصہ منظور کروں جس کا کاغذ۔ لکھائی۔ چھپائی اور نقش نگاری کے علاوہ محترمہ انور سلطانہ ماہرخ کی ہدایات نہایت قابلقدر ہیں۔

یہ کتاب شیخ غلام علی اینڈ سنز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور سے وہ طالبات بھی منگوا کر فائدہ اٹھا سکتی ہیں جنہوں نے پرائیویٹ طور پر صنعت سیکھنی ہو۔

کیونکہ ہر ایک شہر کی لڑکی تو میرے مدرسہ میں اتنی جلدی داخل نہیں ہو سکتی اور نہ ہی تمام شائقین لڑکیوں کے لئے ضرورت انتظام کیا جا سکتا ہے۔ اسلئے وہ دکان مذکور سے منگوا کر تیاری کر سکتی ہیں۔ قیمت بھی صرف ۸ مکمل ہر دو حصہ کی ہے

"کہاوت"

مولانا محقق الاقوام کے قلم سے

ایک روز کا ذکر ہے۔ جبکہ آفتاب اپنی تمازت اور حرارت سے دنیا کے کرۂ ارض کو میدانِ حشر بنائے ہوئے تھا اور ایک گڈریا جسے دنیا کے لوگ دیوانہ کہتے تھے۔ لق و دق جنگل میں بکریاں اور اونٹ چرایا کرتا تھا وہ فی الحقیقت دیوانہ نہ تھا۔ بلکہ سمجھدار اور بینا تھا۔ وہ دنیا والوں کو بے وقوف سمجھتا۔ نہ کسی سے زیادہ ملتا۔ اور نہ ہی بول چال رکھتا۔ مطلب اور کام کے بغیر وہ کبھی کسی سے نہ ملا۔ جتنی کوئی بات پوچھتا وہ بتاتا۔

سالہا سال سے اس کا یہی کام تھا کہ وہ بکریاں اور دیگر جانور چراگاہوں میں لے جاتا۔ ان کو چراتا اور بڑے غور سے قدرتی مناظر کو دیکھتا۔ لوگ جو اسے جانتے تھے وہ اچھی طرح اسکی عادتوں سے واقف تھے۔ نہ وہ چور تھا۔ نہ بدمعاش اس کی زندگی بڑی سلجھی ہوئی زندگی تھی۔ بلکہ عبرت انگیز!

جب اس کا باپ مرا تو ان کے گھر کھانے کو بھی نہ تھا۔ اسی غم میں اس نے خاموشی اور دنیا سے علیحدگی اختیار کی۔ جوں جوں اسے دنیا کی ضروریات نے گھیرا۔ تو اس نے آس پاس کے انسانوں کو انسان سمجھتے اور بنی نوع انسان کا ہمدرد جانتے ہوئے "دستگیری کے لئے دستک دی۔ مگر چوپاؤں سے زیادہ بدتر اور درندوں سے زیادہ خوفناک انسانوں نے اسکی طرف مطلقاً توجہ نہ کی۔ اس لئے اس کا دل انسان نما حیوانوں سے متنفر ہو گیا اور اس نے تنہائی کو اپنا محبوب بنالیا۔

اسکی ماں نے اسے حیوانات کے چرانے کے لئے حکم دیا۔ اس نے بسر و چشم حکم مانا۔

حسب معمول وہ جنگل میں مویشیوں کو لیکر گیا۔ اتفاق سے کہیں کوئی شیر کا بچہ بھولا بھٹکا بھیڑوں میں آن شامل ہوا۔ کئی ہفتے اس شیر کے بچے کو ان مویشیوں میں دھکے کھاتے گزرے۔

ایک دن ایک واقفِ حال ادھر آنکلا۔ اس نے جب شیر کے بچے کی طرف نظر دوڑائی تو حیرت زدہ ہو کر آگے بڑھا۔ جب قریب گیا تو وہ فی الواقع شیر کا بچہ تھا۔ اس سے کہنے لگا کہ

صحبت طالح ترا طالع کند

شیر کا بچہ اگرچہ بچہ تھا۔ مگر شیر کا بچہ تھا۔ فوراً سمجھا اور سر کو جھکا کر احسان عظیم مانتے ہوئے غور کرنے لگا۔ جب شیر کے بچے نے اپنے ظاہر و باطن کا اچھی طرح جائزہ لے لیا تو اس نے بپھرتے ہوئے وہ دہاڑ ماری کہ سارا گلہ منتشر ہو کر رہ گیا۔

اے ہندوستان کے مسلمانو! غور کرو یہی حال تمہارا ہے۔ تمہارے آبا و اجداد وہ ہیں جو جدال و قتال کے میدانوں میں محبت و مروت کے خوشنما پھول کھلتے تھے۔ ظالموں کو راہ ہدایت دکھانے کے لئے تیغ خون آشام چمکا کرتی تھی۔ عزتِ اسلام کی حفاظت کے واسطے ایسے ایسے نوجوان شمشیر بکف نکلتے تھے کہ مخالفوں کے رستم و سام ایڑیاں رگڑتے ہوئے ناکام لوٹتے دکھائی دیتے تھے۔ اسلامی جھنڈے کے وقار پر پروانہ وار ایسے ایسے جانباز نثار ہوتے تھے کہ اُن کے خون کی تقدیس و عظمت کے سامنے فرشتے سر جھکاتے تھے۔ اُن کی شجاعت و دلیری اور جرأت و بہادری کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ انکی قلیت اکثریت پر چھا جاتی تھی۔ وحدت پرستی کے نشہ کی یہ کیفیت تھی کہ خلوت و جلوت میں اپنے ہوش و حواس پر قادر رہ کر تصنع کے پجاریوں کو شکست دے دیتے تھے۔ اخلاق کی بلندی کے سامنے آسمان سے ہمکلام ہونے والے پہاڑ بھی جھک جاتے تھے۔ صفائی قلب کا یہ حال تھا کہ سچ کہتے ہوئے بڑے سے بڑے حاکم کے رعب و جلال کو کچھ اہمیت نہ دیتے تھے۔ عزیز نوازی کی کہانی مختصراً یوں ہے کہ جو ان کے پاس ہوتا تھا اس میں سے بمشکل نصف اپنے پر اور نصف مستحقین پر خرچ کرتے تھے۔ یقین اور اعتقاد کی حد یہ تھی کہ آپ کی ہر بات کے سامنے اہل جہاں جھکے پڑتے تھے۔

فلسفہ، منطق، ریاضی، جغرافیہ، ٹھنڈک، گرمی، اور اسی قسم کے علوم انکی گھٹی میں موجود تھے۔ دنیا ان کی زندگی میں تابعداری کرتی تھی اور اب دنیا ان کے نام عزت لیتی ہے۔ علم التواریخ میں سارا زور انہی کے قصص سے ہے۔ انسانیت کی زینت و عظمت انہی کے کارناموں سے ہے۔ مسلمانو عمل سے ترقی قریب آتی ہے۔ بے علمی چوراہے میں ذلیل کرتی ہے۔

آؤ! برادرانِ اسلام اگر دنیا میں رذالت سے تنگ آ گئے ہو تو اپنے شیروں کی طرف رجوع کرو۔ تاکہ ایک بار پھر دنیا تمہیں اسی عزت سے پکارے جس کے کہ تم مستحق گردانے گئے ہو۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور نے "تاریخ اسلام" کو تذکرہ بہادران اسلام کے نام سے عمدہ کاغذ عمدہ چھپائی اور عمدہ لکھائی سے تیار کرایا ہے۔ سوا چھ سو کے قریب جسکے صفحات ہیں اور ہدیہ [illegible] ہے۔ ایک دو منگوا کر بالضرور پڑھو تاکہ تم بھی اپنی روباہ صفتی سے واقف ہو کر بچہ شیر کی طرح اپنی روایاتِ قدیمہ میں جان ڈال سکو۔

خوفِ اجل

از۔ بے روزگاروں کی خراب شدہ گاڑی کے تجربہ کار ڈرائیور کے قلم سے

روز روز کون مرے۔ جرمانے بھرے۔ معافیاں مانگے۔ سفارشیں لائے اور خوشامدیں کرتا پھرے۔ یہ زحمت روزمرہ پیچھا نہیں چھوڑتی۔ ایسی گلے کا ہار ہوئی ہے۔ جیسے شمع پر پروانہ۔ آدھا گھر پولیس کے پیٹ میں جا گھسا ہے نہ معلوم ان لوگوں کا کیسا ہاضمہ ہے۔ غریبوں کے گھروں کی کڑیاں۔ اینٹیں۔ کواڑ۔ روشندان تک نگل جاتے ہیں اور منہ تک ہلتا دکھائی نہیں دیتا۔ کرم حوالدار تو ایسا پیٹ رکھتا ہے کہ شاید دوزخ بمشکل اُس کا ایک لقمہ ہو سکے محلہ بھر میں ایک میں ہی نہیں کئی ایسے ہیں جو اسکے پیٹ میں ہضم ہو کر فضلہ بن چکے ہیں۔ میں تھوڑا بہت اسلئے بچا ہوا ہوں کہ "جی حضور" کہکر خدمت بیگم بن جاتا ہوں۔

افضل۔ ہیں! ہیں! مجھے بھی تیس سال ہوئے موٹر ڈرائیوری کرتے ہوئے مگر میں تو ہمیشہ ان بچھوؤں سے محفوظ رہا ہوں۔

اکرم۔ یار میں تو تنگ آگیا ہوں۔

افضل۔ تم سے اکسیڈنٹ ہوتے ہوں گے

اکرم۔ یار ہاں یہ بات تو سچی ہے۔

افضل۔ ڈرائیوری پھر سیکھو۔

اکرم۔ اب تو ہمت ہی نہیں

افضل۔ بغیر ہمت کے تو کار چل ہی نہیں سکتی۔

اکرم۔ ہمت ہوئی تو حوصلہ کہاں؟

افضل۔ ایسے کمزور دل تو معلوم نہیں ہوتے۔

اکرم۔ تو کیا "شیر مار" نظر آتا ہوں۔ میری طاقت تو پولیس کے حوالے ہو چکی۔ تبھی تو وہ بہادر بنی ہوئی ہے۔ اگر میری طاقت پولیس والے نہ چھین لیتے تو ایک گھونسہ زمبکو کو ولایت پہنچانے کیلئے کافی تھا۔

افضل۔ اچھا اگر تم اس کمزوری جسم کے ہوتے ہوئے کامران رہو۔ تو پھر مانو۔

اکرم۔ مانوں کیا سدا غلام بن جاؤں۔ اور "خدمت بیگم" کے ذلیل لقب سے تو نجات پاؤں۔

افضل۔ کیا کھلاؤ گے۔

اکرم۔ کھلانے کے قابل ہوتا تو آج پولیس کے ڈاکے کیوں یاد آتے۔ اب تو فاقے ہی فاقے ہیں

افضل صرف ڈیڑھ روپیہ

اکرم۔ یار منظور ہے۔

افضل۔ بہر لا۔ ابھی سب شکایات رفع ہو جائینگی ۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔

اکرم۔ یار میں گھر سے ابھی لیکر آتا ہوں۔

افضل۔ میں انتظار کرتا ہوں۔

اکرم نہایت خوشی سے گھر پہنچا اور دو روپے لا کر افضل کو دیتا ہے۔

افضل۔ چلیں بازار

اکرم۔ لائیے گا کیا۔

افضل۔ اس سے تمہیں کیا۔

اکرم۔ بہت اچھا صاحب۔ آپ جائیں اور آپ کا کام۔ چلو۔

دونو بازار گئے۔ اور افضل نے شیخ غلام علی کی دوکان پر پہنچ کر کلید موٹر مانگی۔

اکرم۔ یہ کیا ؟

افضل۔ مجھ سے ایک مرتبہ پڑھ لو۔ اگر پھر مکر ہو یا پولیس تمہیں ستائے تو تین روپے تمہیں میں دونگا۔

اکرم نے یہ بات مان لی اور بڑی محنت سے افضل سے کتاب کو پڑھا۔ اب مدت گزر چکی ہے کہ میاں اکرم شیخ غلام علی اینڈ سنز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور سے ہی جاکر ہر قسم کی کتابیں خریدتا ہے۔ اب نہ اسے پولیس تنگ کرتی ہے اور نہ وہ اجل کے خوف سے کانپتا ہے۔

ایک قاف نشین کے حسن افروز قلم سے

دنیا کے بسنے والے حسن کی پوجا پہلے بھی کرتے تھے مگر آج کل "حسن کی دوکان" جس قدر زوروں پر ہے اسکی مثال تاریخ کے اوراق پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اگرچہ فطرتاً ہر شخص حسن پرست ہے مگر ایسا نہیں جیسا کہ مغرب نے نمونہ بن کر اپنا آپ دکھایا ہے۔ مشرق اور مغرب میں جسطرح زمین و آسمان کا فرق ہے اسی طرح اہلِ مشرق اور اہلِ مغرب کے خیالات و جذبات میں غیر معمولی فرق پایا جاتا ہے۔

پہلے تو حسین بننے کی خواہش عورتوں پر ہی موقوف تھی مگر اب مردوں میں اس درجہ پائی جانے لگی ہے۔ کہ عورتوں کو شرم آنے لگی ہے۔ مرد کی شان اور حسن شجاعت تھی۔ اور عورت کی خوبصورتی مگر عالم امروز میں اسکے خلاف ہے۔ عورتیں بہادر اور صابر نظر آ رہی ہیں اور مرد زنانے اور ضعیف الاعتقاد۔

میری عورت کوہ قاف کی رہنے والی نہ تھی۔ بلکہ کالے کلوٹے ہندوستان کی۔ اسلئے اسکی رنگت میں حسن نہ تھا۔ اور میں ایک شاعرانہ طبیعت کا مالک تھا۔

مدتوں میں سنیاسیوں کے ہاں پھرا۔ جنگلی بوٹیوں کے اتنے نام مجھے زبانی یاد تھے کہ چھوٹے موٹے حکیم میرے سامنے دم نہ مار سکتے تھے۔ انگریزی پوڈر بھی بے شمار میرے گھر موجود تھے۔ بادی النظر میں میرا گھر ایک اچھے کباڑی کا "سٹور" معلوم ہوتا تھا۔

تنگ آ کر میں نے حکیموں اور سنیاسیوں کے پوڈروں کا استعمال کرنے سے بیوی کو منع کر دیا۔

ایک دن مجھے ایک دوست ملا۔ میں نے تذکرۃً اس سے "حسن کی ضرورت اور اسکی تلاش" پر گفتگو شروع کی وہ بڑا تجربہ کار اور جہاندیدہ تھا۔ اس لئے اصل معاملہ پوچھا۔ میں نے من و عن بیان کر دیا۔ بجواب اس نے کہا کہ واہ صاحب وا! یہ بھی بھلا کوئی ایسا مسئلہ ہے جس کے لئے انسان پریشان ہوتا پھرے۔

دیکھو کشمیری بازار لاہور میں ایک دوکان شیخ غلام علی اینڈ سنز کی حضرت نوح کے وقت سے چلی آتی ہے۔ انہوں نے ایک کتاب خزینۂ حسن کے نام سے چھاپی ہے۔ جسمیں عورتوں کو خوبصورت

نانے کے نہایت اچھے نسخے بلا بخل لکھ ڈالے ہیں۔ جو نہایت زود اثر، کم لاگت اور مفید ہیں۔ تھوڑی لاگت اور نفع زیادہ۔

میرے ایک دوست اسی پریشانی میں مدتوں پریشان رہے۔ جس طرح آج آپ سے ایسے ہی بات بہت ہو گئی ہے۔ انہوں نے بھی آپ کی طرح بیسیوں [illegible] کئے تھے مگر انتہائی مایوسی اور دل شکستگی [illegible] عالم میں انہوں نے صرف میرے کہنے کی تعمیل کی خاطر کتاب مذکور کو خریدا اور آزمایا۔ وہ اپنے مقصد میں بہت اچھی طرح کامیاب ہو گئے تھے۔

آپ بلا غور و فکر آج ہی کتاب خرید کر کوئی نسخہ گھر میں تیار کریں اور بیگم صاحبہ پر آزمائیں۔ انشاء اللہ کامیابی پاؤں پڑتی نظر آئے گی۔

یا ایسا کرو کہ میں آپ کو اپنے اس دوست کا پتہ دیتا ہوں۔ اسکے گھر چلے جاؤ۔ دوا بھی پوچھ آنا۔ اور اسکی تیاری کی ترکیب بھی سمجھ آنا۔ یہ زیادہ مناسب ہے۔

اچھا بھئی! لاؤ پتہ لکھدو۔

شیر علی خان اٹھے اور پتہ پوچھتے پوچھتے ان کے گھر جا پہنچے جنہوں نے اپنی کالی کلوٹی بیوی کو حسین بنا کر ہی چھوڑا تھا۔ وہاں سے جو تعریف دوا کی سنی تو جھٹ پٹ بازار سے خزینۂ حسن خرید لائے۔

انگریزی بولنے والی بیوی کی قدر بڑھ گئی
ہندوستانیوں کے نزدیک ——— مگر ———
اہلِ مغرب کے نزدیک انگریزی سمجھنے والے کُتّے
124473
27.7.95
دونوں میں سے کون سیاستدان ہے
آؤ ہم بتائیں ....
ولنگٹن بیمار ہوتا ہے۔ کتے کو اشارہ کرتا ہے۔ کتا وفاشعارانہ فطرت کے ماتحت حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ اور ولنگٹن خوش ہوتا ہے کہ بیوی کی۔ بچوں کی اور نوکر کی جگہ کتا کام آیا۔
راکب خان بیمار ہوتا ہے۔ بیوی انگریزی میں پوچھتی ہے کیا ہوا؟ خاوند کانپتا ہوا بستر مرگ سے اٹھ کر ہاتھ جوڑ کر کہتا ہے۔ معاف فرمائیں۔ "میرا دل ذرا گھبرا گیا ہے" میں ذرا ڈاکٹر تک ہو آؤں۔ سمجھے ہندوستان والو تمہاری اور انکی سیاسی سمجھ میں کتنا فرق ہے؟
ملازمت۔ خوشامد۔ نوکری کے خیالات سے دل اور دماغ کو پاک کرو اور غیر ملکیوں کیساتھ رابطۂ تجارت پیدا کرنے کے لئے ہمارا "پریکٹیکل انگلش ٹیچر" پڑھئے۔ نہایت کامیاب استاد ہے۔ انگریزی زبان کے قاعدے۔ ضروری گرامر اتنے آسان طریق پر سمجھائی گئی ہے کہ دنوں میں آپ انگریزی زبان کے حافظ بن جائیں گے۔ قیمت صرف عمر
المشتہر شیخ غلام علی اینڈ سنز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور

ہمیشہ
ایماندار پایا
اِس فرم کو
سوانح عمری
خاتم النبیین
حضرت محمد رسول اللہ صلعم
ہدیہ
صرف ۱۲/
سوانح عمری
خواجہ معین الدین چشتی
سیف اللہ
خالد بن ولید
چہار یار
کی سوانح عمریاں
اسد اللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ
الصدیق حضرت ابوبکر صدیق
سیرۃ الفاروق حضرت عمر فاروق
ذو النورین حضرت عثمان غنی
تمام
دینی و دنیاوی علوم و فنون
کی کتابوں کے انتخاب کے لئے بے نظیر
۱۹۳۷ء
تحفہ علمی مع فہرست
صرف کارڈ لکھ کر مفت طلب فرمائیں
شیخ غلام علی اینڈ سنز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور
تذکرہ بہادران اسلام
الموسوم بہ تاریخ اسلام
مبسوط جامع مستند اور مشہور
ہر مومن کیلئے اس کا مطالعہ ضروری ہے
جدید لغات
اردو مکمل
کئی ہزار الفاظ مع
اعراب کی ضخیم ڈکشنری
قیمت مجلد
موٹر کار انجینیئر
موٹر ڈرائیوروں اور مکینک
اصحاب کی ضروریات فن پر
مبسوط اور جامع کتاب
ہے۔ نایاب تحفہ ہے
قیمت مجلد
الیکٹرک انجینیئر
جس میں بجلی کی موٹریں اور آرمیچر
وائنڈ کرنیوالوں کیلئے نہایت
اہم معلومات درج ہیں۔
کلید موٹر
اس میں
تقریباً ڈیڑھ سو کار آمد اور اہم
پرزوں کے نقشے بنا کر موٹر میکانک
کی مشکلات کا خاتمہ کر دیا ہے
مجلد قیمت